مولانا محمد اسحٰق سندیلوی ؒ

کا مسلک اور

خارجی فتنہ

بحث فسقِ یزید

جلد دوم

حضرت مولانا

قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

تحریک خدام اہلسنت والجماعت
پاکستان

مولانا محمد اسحاق سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ (کراچی) کا مسلک

اور

خارجی فتنہ

حصہ دوم: بحثِ فسق یزید

مُصنّف

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

اسٹاکسٹ:

ادارہ مظہر التحقیق

متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک، ملتان روڈ لاہور

فون نمبر: 0322-8464167-0333-4742178

نام کتاب ——— خارجی فتنہ (جلد دوم)

مصنف ——— حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

مقدمہ، طبع دوم ——— حافظ عبدالجبار سلفی

ناشر ——— ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد، ختم نبوت کھاڑک

——— ملتان روڈ۔ لاہور 0322-8464167-0333-4742178

طبع اوّل ——— 1986ء

طبع دوم ——— نومبر 2011ء

ملنے کے پتے

(۱) ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک، ملتان روڈ، لاہور

0333-4742178

(۲) دفتر ماہنامہ ''حق چاریارؓ'' جامع مسجد میاں برکت علی، ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور

(۳) دفتر تحریک خدام اہل سنت پاکستان، مدنی جامع مسجد، بھون روڈ، چکوال

(۴) حافظ محمد زبیر H-128، واپڈا ٹاؤن، لاہور 0333-4146562

(۵) جامع مسجد حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ 394- ایل بلاک سبزہ زار سکیم ملتان روڈ، لاہور

انتساب

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جنہوں نے "**خارجی فتنہ**" کے مصنف کو اپنی روحانی وراثت کا حق دار سمجھا، اور پھر نسبتِ **مدنی** رحمہ اللہ کی لاج رکھتے ہوئے مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ریت کے ذرّوں میں عشق و معرفت کا بارود بھر دیا۔

خدا رکھے بہت اُونچا ہے معیار نظر اس کا
بوقتِ فیض جس نے اپنے بیگانے نہیں دیکھے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

عناوِین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ عقیدت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ
رنگ و نور کا ایک دلکش مینار

زمین کی چھاتی پہ اربوں کھربوں لوگ بس رہے ہیں اتنے ہی پہلے بستے آئے ہیں اور اس سے زیادہ آئندہ آبسیں گے۔ لیکن کچھ لوگ زمین کا نمک ہوتے ہیں۔ ان کا وجود پیدائش کے بعد حال و استقبال میں مقید نہیں ہوتا اور مرنے کا بعد وہ ماضی کا حصہ نہیں، بلکہ ماضی کا قیمتی اثاثہ قرار پاتے ہیں۔ انہی لوگوں میں سے ایک نام "قاضی مظہر حسین رح" بھی ہے جو محض کتابی عبارتوں سے ہی آشنا نہیں، زمانے کی ضرورتوں سے بھی آگاہ تھے۔ آپ قصبہ بھیں چکوال میں مرزائیت و رافضیت کے خلاف مناظرانہ شہرت رکھنے والے عالم دین، رئیس المناظرین ابو الفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ [1] (۱۸۵۳ـ۱۹۴۶ء) کے ہاں ۲۰، اکتوبر ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ دبیر کی ذاتی ڈائری جو تقریباً ایک سو سال پرانی ہے، میں آپ کی تاریخ ولادت یوں درج ہے۔

"تاریخ تولد برخوردار مظہر حسین، ۲۰، اکتوبر ۱۹۱۴ء بمطابق ۲۹، ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ، ۴، کاتک ۱۹۷۱ء ب، بروز سہ شنبہ، بوقت ۹ بجے رات" آخری جملہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے

---

[1] "احوالِ دبیر رحمہ اللہ" کے یکے بعد دیگرے دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ پہلا ایڈیشن "گوشہ علم، واپڈا ٹاؤن لاہور کی جانب سے محترم بھائی حافظ محمد زبیر نے طبع کروایا، اور اب دوسری مرتبہ "قاضی کرم الدین دبیر اکیڈمی" کی جانب سے حضرت دبیر رحمہ اللہ کے نبیرہ جناب حضرت قاضی ظہور الحسین اظہر مدظلہ نے زر کثیر صرف کر کے شائع کروائی ہے۔

ہاتھ سے لکھا ہوا یہ ہے۔

" اللهم زد عمره و سعده "۔

''اللہ تعالیٰ اس کی عمر اور فیروز مندی میں برکت دے۔''

چنانچہ آپ کے حق میں پدر گرامی کا یہ دعائیہ جملہ اتنا مقبول ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر میں برکت دی، تعلیمی مراحل بھی پورے وقار اور کامیابی کیساتھ طے کیے، دار العلوم دیوبند جیسے ادارہ سے مستفید و مستفیض ہوئے۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جیسی جہابذہ روزگار ہستی سے نہ صرف شرفِ تلمذ پایا، بلکہ خلعتِ خلافت بھی ملی اور پھر مستقل مزاجی کے ساتھ خدمتِ دین میں مشغول رہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے عظیم والد گرامی سے حاصل کی، ۱۹۲۸ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول چکوال سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، اشاعتِ اسلام کالج لاہور اور مدرسہ دار العلوم عزیزیہ بھیرہ میں درس نظامی کی کتب پڑھتے رہے ۱۹۳۹ء میں دار العلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا، اور پھر وطن واپس آکر اپنے موروثی مشن تحفظ عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مشغول ہو گئے...... مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ساری زندگی تقریر، تحریر، تزکیہ نفس اور تبلیغ دین میں گزار دی، آپ بے مثال محقق اور بے بدل مصنف تھے، آپ کا قلم جب باطل فتنوں کے تعاقب میں اٹھتا تو سومنات میں نصب ہر بت ایک دوسرے پر گرتا نظر آتا۔ آپ کے جاندار علمی مضامین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بے چین اور مضطرب لوگوں کے لیے آب ہدایت ثابت ہوتا۔ رد رفض پر عربی و فارسی اور اردو میں مغلق اور دقیق ابحاث پر مشتمل کتابوں کا ایک انبار اسلاف اہل سنت نے اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ لیکن اس خطے میں امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے عوامی لب و لہجے میں ہر ایک پہلو پر نظریں لگا کر پورے اعتدال سے جتنا عام فہم علمی لٹریچر اپنی زندگی میں مہیا کیا ہے۔ اس کی نظیر آئندہ کئی سو سال تک بھی شاید دیکھنے میں نہ آئے۔

آپ رحمہ اللہ نے خاردار وادیوں میں آبلہ پائی کر کے مذہب اہل سنت کی خدمت کی

ہے۔آپ کی زندگی کا قابل رشک وصف ''اعتدال'' تھا، اشتعال سے آپ کی طبیعت نفور رہی اور اپنے حلقۂ اثر کو بھی آپ نے بڑی دانش مندی کے ساتھ اس ''مرضِ مزمن'' سے بچائے رکھا۔ بعض اصطلاحات میں مجددانہ شان کے مالک تھے۔ خلافت راشدہ کا مسئلہ آپ رحمہ اللہ نے ایک عام سے عام آدمی کو بھی ایسا سمجھا دیا کہ اعتقادات کے چمن میں بہار آگئی۔ غور و فکر کے دریچوں کو آپ رحمہ اللہ نے بڑی حکمت سے کھولا آپ منبر پر بھی گرجے، مگر دھاڑے نہیں، ایک کامل صوفی ہونے کی حیثیت سے آپ رحمہ اللہ نے تزکیہ نفس کے لیے ہزاروں کشتہ شمعیں جلائیں، مگر اس کو مفادات کی بھینٹ نہیں چڑھایا۔ آپ رحمہ اللہ کے پیش نظر ایک مقصد تھا، ایک منزل تھی، اس تک رسائی کے لیے آپ رحمہ اللہ نے شب و روز ایک کر دیئے تھے۔ تا آنکہ ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء کو پیام اجل آ گیا اور آپ رحمہ اللہ اس دار فانی سے عالم بقاء کو چل دیئے۔ آپ باضابطہ ایک جماعت ''تحریک خدام اہل سنت والجماعت'' کے بانی تھے۔ مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ ہندو پاکستان کے ہر سنی مسلمان کے آپ رحمہ اللہ فکری و نظری مرشد تھے۔ آپ رحمہ اللہ نے جس استقامت کیساتھ سنیت کی تطہیر کی ہے، اس پر ایک مفصل کتاب لکھی جا سکتی ہے، گوشۂ فراغت میسر آتے ہی اس پر کام شروع کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔ فی الحال ہماری دلی تڑپ ہے کہ آپ رحمہ اللہ اور آپ کے والد گرامی مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا سارا لٹریچر از سر نو زیور طباعت سے آراستہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نصرت فرمائیں تا کہ اس نیک کام میں ہم کامیاب ہو سکیں۔ آمین

''خارجی فتنہ'' ایک تیغ آبدار تحریر

اسلام میں غلو اور شدت پسندی کی سختی سے حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی یہود و نصاریٰ کی گمراہی کی بنیادی وجہ افراط و تفریط بتائی گئی ہے۔ اہل سنت والجماعت نے اپنے اسلاف کے نقش پاء پہ چل کر ہمیشہ اعتدال کو اپنا مسلک بنایا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت ہمارا جزو ایمان ہے۔ اہل تشیع اور اہل سنت کی جو راہیں جدا ہوئی ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اہل سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیار حق جانتے ہیں اور اہل تشیع ان کو ایمان سے

تہی دامن جانتے ہیں، جیسا کہ دور حاضر کے شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو نے بھی برملا یہی لکھا ہے۔ (تجلیات صداقت، صفحہ نمبر ۱۲۰ طبع اوّل) ...... اہل تشیع نے اپنے تبرا میں سب سے زیادہ نشانہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بنایا ہے اور ان کے اوپر یہ الزام عائد کیا کہ چونکہ انہوں نے یزید کو ولی عہد بنایا تھا، اور یزید نے اہل بیت پر کربلا میں مظالم ڈھائے، لہٰذا اس سارے جرم کے ذمہ یزید کے والد ہیں۔ چنانچہ ایک طبقہ شیعیت کی اس تردید میں کھڑا ہوا اور بجائے اس کے کہ اصولوں کی بنیاد پر تردید کی جاتی، جیسا کہ ابتداء سے ہی اسلاف اہل سنت کرتے آئے ہیں، انہوں نے جواب میں سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد حضراتِ حسنین شریفین رضی اللہ عنہم پر تنقید شروع کر دی، صرف یہی نہیں، بلکہ یزید کو مومنِ کامل بنا کر پیش کیا گیا، نتیجتاً رافضیت و خارجیت کا خطرناک تقابل سامنے آیا، قریب تھا کہ اہل سنت کی فکری میراث (خاکم بدھن) لٹ جاتی، اکابرین اہل سنت آگے بڑھے اور اس فتنے کا سدباب کیا، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی عظمتوں سے آگاہ کیا، اور علمی انداز میں یہ باور کروایا کہ جس طرح باقی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قطع تعلق گمراہی ہے، ایسے ہی خلافت راشدہ کے چوتھے تاجدار سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد پر طعن و تشنیع موجب ضلالت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض و عناد رکھنے والوں کو ''خارجی'' کہا جاتا ہے۔ یہ فتنہ بھی قدیمی ہے، بظاہر کبھی اس کے آثار مٹتے بھی نظر آئے، مگر شعوری طور پر یہ کسی نہ کسی رنگ میں پنپتا ہی رہا۔ پاکستان میں اس فتنہ کے سرخیل محمود احمد عباسی ہیں۔ محمود احمد عباسی امروہہ[1] کے رہنے والے تھے، علی گڑھ سے انہوں نے تعلیم حاصل کی، سرسید احمد خان سے کافی متاثر تھے۔ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل ہی وہ کراچی آ گئے تھے، متلون مزاج قسم کے آدمی تھے، کچھ نہ کچھ لکھتے پڑھتے رہتے تھے۔ یہاں وہ چینی سفارتخانے میں بطور ملازم کام بھی کرتے

---

[1] عباسی صاحب کے حالات جاننے کے لیے بہترین کتاب ''محمود احمد عباسی اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں'' ہے۔ اس کے مصنف علی مطہر نقوی امروہوی ہیں، جو جماعت اسلامی کے موجودہ امیر سید منور حسن کے سسر ہیں اور تاحال حیات ہیں۔ یہ کتاب آج سے چوبیس سال پہلے کراچی سے شائع ہوئی تھی (سلفی)

رہے، اس دوران ان کی دوستی احمد حسین کمال صاحب سے ہوئی، جو روسی سفارتخانہ میں ملازم تھے۔ باہمی تبادلہ خیالات سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے چلے گئے۔ تا آنکہ آپ کو تحقیق کا شوق چرایا، ایک چونکا دینے والی کتاب ''خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید'' لکھی، بعد ازاں ''تحقیق مزید'' اور ''تحقیق السادات'' وغیرہ کتابیں بھی لکھیں، ان کتابوں کا اسلوب کچھ ایسا تھا کہ پڑھے لکھے لوگوں کا ایک جم غفیر اس سے بہت کچھ اثر لے بیٹھا۔ علماء کرام نے بروقت اس کا سدباب کیا لیکن اس دوران متاثرین عباسی کا ایک اچھا خاصا حلقہ ملک اور بیرون ملک تیار ہو چکا تھا۔ عباسی صاحب ۱۴، مارچ ۱۹۷۴ء کو کراچی میں انتقال کر گئے، لیکن اپنے پیچھے جو فکری شاگرد چھوڑ کر گئے، انہوں نے اپنے اس ''خارجی محاذ'' سے گولہ باری جاری رکھی۔ ان میں حکیم فیض عالم صدیقی (جہلم) ابو یزید محمد دین بٹ (لاہور) مولوی عظیم الدین صدیقی (کراچی) عزیر احمد صدیقی (کراچی) نذیر احمد شاکر (کراچی) سلطان نظامی (لاہور) اور دیگر کئی ایک شامل تھے، اب تو ان میں سے بھی غالباً سارے فوت ہو چکے ہیں ان کے علاوہ علماء کرام میں سے بھی کچھ حضرات ایسے تھے جو محمود احمد عباسی سے اپنا فکری رشتہ تو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ مگر زبان انہی کی بولتے تھے، حضراتِ علی و حسنین رضی اللہ عنہم پر کڑی تنقید اور یزید کی منقبت ڈنکے کی چوٹ پر بیان کرتے۔ افسوس ہے کہ اس قافلہ میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے فرزند بھی شامل ہو گئے۔ اور انہوں نے بھی اپنی بساط کے مطابق اس کارِ ''خیر'' میں اپنا پسینہ لگایا، مولانا محمد اسحٰق سندیلوی رحمہ اللہ بھی محقق عالم تھے، بھارت سے ہجرت کر کے کراچی آئے اور جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں شعبہ دعوت وارشاد کے صدر مقرر ہوئے۔ ولادت و وفات کی تواریخ معلوم نہ ہو سکیں، آپ کے شاگرد جناب یٰسین مظہر صدیقی نے ایک مقالہ ''مولانا محمد اسحاق سندیلوی'' لکھا تھا جو سہ ماہی ''فکر و نظر'' علی گڑھ بابت ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا تھا، مگر اس میں مکمل حالات نہیں ہیں، مولانا سندیلوی مرحوم بھی عباسی نظریات سے متاثر ہو گئے تھے۔ چنانچہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنا قلم اٹھایا اور دو جلدوں پر مشتمل کتاب ''خارجی فتنہ'' اور بعد ازاں ''کشفِ خارجیت'' تحریر فرمائی۔ خارجی فتنہ حصہ اوّل، جون ۱۹۸۴ء کو مکمل ہو کر چھپا، جبکہ حصہ دوم جولائی ۱۹۸۶ء کو منظرِ عام پر آیا۔ ان کتابوں نے فکر و نظر کی دنیا میں

ایک دھوم مچادی تھی۔ بے شمار لوگوں نے پڑھ کر اپنے عقائد کی تصحیح کی، اور کئی ایک نے ہٹ دھرمی بھی دکھائی، چنانچہ مولانا عبدالغفور سیالکوٹی صاحب نے ایک کتاب ''سبائی فتنہ'' لکھی جس میں حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا بزعم خود جواب تھا، حالانکہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے تو چودہ صدیوں کے اسلاف اہل سنت کا نظریہ پیش کیا تھا، کوئی نئی بات نہیں کی تھی، تاہم یہ حضرات اپنا شوق پورا کرتے رہے، باوجودیکہ قاضی صاحب رحمہ اللہ کی قد آور شخصیت کا انہیں بخوبی ادراک بھی تھا، اور یہ یقین بھی تھا کہ ہمارا جوابی قدم ضد پر مبنی ہے۔ مولانا عبدالغفور سیالکوٹی کی اس کتاب پر مفصل تبصرہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ماہ نامہ ''حق چار یار'' میں تفصیل سے قسط وار کر دیا تھا، ضرورت پڑی تو اس کو بھی بہت جلد کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا، ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ نے ایک مدت کے بعد ہمیں توفیق بخشی کہ ہم خارجی فتنہ (حصہ اول و دوم) شائع کرنی کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ آناً فاناً طے ہونے کے بعد گھنٹوں میں اس کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی گئی اور بھاگتے دوڑتے یہ سطور سپرد قلم کی گئیں، یہ سارے پاپڑ بیلنے والی اکیلی اور ننھی جان تھی، تاہم دیگر مراحل طے کروانے میں احباب کی سرپرستی بھرپور رہی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ کی جملہ نگارشات آپ کے سامنے پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اہل حق کی علمی خدمات کو یکجا کرنے میں ہی خدا کرے ہمارا دم نکل جائے۔ امید ہے کہ قارئین اس کاوش کو پسند بھی فرمائیں گے اور اس کار خیر میں ہمارا ہاتھ بھی بٹائیں گے۔ تاکہ یہ علمی سرمایہ قوم کے سامنے پیش ہو سکے۔

قافلہ جاتا رہا تُو رہ گیا
اٹھ کھڑا ہو بے خبر سوتا ہے کیا؟

عبدالجبار سلفی

خطیب جامع مسجد حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

ایل بلاک، سبزہ زار سکیم، ملتان روڈ لاہور

۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء بوقت ۱۰:۰۰ شب

عرضِ حال

کتاب خارجی فتنہ حصہ دوم سنی ملت کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ خارجی فتنہ حصہ اول ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا تھا جس میں مسئلہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر مفصل بحث کر کے اہل سنت والجماعت کے متفق علیہ موقف کو محکم دلائل سے ثابت کیا گیا ہے الحمدللہ حصہ اول بہت زیادہ مقبول ہوا۔ علمائے اہل سنت والجماعت نے میرے پیش کردہ موقف کی تائید کی اور سنی علمائے کرام کے یہ تائیدی تبصرے علیحدہ کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اور ان کے بعض اقتباسات کتاب "دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور کتاب کشف خارجیت" میں بھی منقول ہیں۔ خارجی فتنہ حصہ دوم زیادہ تاخیر سے شائع ہو رہا ہے حالانکہ حصہ اول میں حصہ دوم کے مضامین کی فہرست بھی شائع کر دی گئی تھی۔ اس کا اکثر حصہ لکھا جا چکا تھا۔ اور سانحہ حرہ کی بحث ہی باقی رہ گئی تھی حصہ اول میں حصہ دوم کے مضامین کی شائع کردہ فہرست کے پیش نظر اہل ذوق حضرات حصہ دوم کی اشاعت کا انتظار کرتے رہے لیکن حسب ارشاد حضرت علی المرتضیٰ عَرَفْتُ رَبِّي بِفَسْخِ العزائم (یعنی میں نے اپنے رب کو اس امر سے پہچانا ہے کہ باوجود پختہ ارادوں کے ہم اپنا کام پورا نہیں کر سکتے) اس کی تصنیف واشاعت میں تاخیر ہوتی گئی اور بظاہر اس کی وجوہ حسب ذیل ہیں:

(۱)...... خارجی فتنہ حصہ اوّل (صفحات ۶۱۲) میں مؤلف استخلاف یزید مولانا لعل شاہ بخاری کی بعض ان عبارتوں پر بھی تنقید کی گئی تھی جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتوہین پائی جاتی ہے۔ جس کے جواب میں شاہ صاحب موصوف کے ایک تلمیذ و مرید مولوی مہر حسین شاہ ساکن کامرہ ضلع اٹک نے ایک کتابچہ بنام "کھلی چٹھی بنام مولانا قاضی مظہر حسین" شائع کیا جس کے جواب میں میری کتاب "دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ"

(صفحات ۱۸۷) شائع ہوئی جس میں رسول اللہ ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (جن کی خلافت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد بالاتفاق برحق ہے) کی شرعی عظمت کا تحفظ کیا گیا ہے اور بفضلہ تعالیٰ یہ کتاب بھی بہت مقبول ہوئی۔

فتویٰ دارالعلوم دیوبند:

تحریک خدام اہل سنت ساہیوال ضلع سرگودھا نے ایک استفتاء دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں بھیجا تھا۔ جس میں مولانا لعل شاہ صاحب کی کتاب ''استخلاف یزید'' اور میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل اور دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عبارتیں پیش کی گئی تھیں جس کا جواب دارالعلوم دیوبند کے مفتی حضرات نے یہ دیا کہ:

قاضی مظہر حسین کا موقف درست اور اہل سنت والجماعت اور علمائے دیوبند کے مطابق ہے اور بخاری لعل شاہ کا موقف اس باب میں غیر معقول اور شیعی مزاج کے مطابق ہے الخ۔ دارالعلوم کا پورا فتویٰ کتاب ہذا ۶۵۰ پر منقول ہے۔

② ...... خارجی فتنہ حصہ اوّل کے جواب میں ایک دوسرا کتابچہ صفحات ۸۰ بنام قاضی مظہر حسین چکوالی کے خارجی فتنہ کی ''اصل حقیقت'' مؤلفہ مولانا محمد علی صاحب سعید آبادی کراچی سے شائع کیا گیا تھا۔ جس کے جواب میں میری ضخیم کتاب بنام ''کشف خارجیت'' (صفحات ۵۶۸) ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے متعلق ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ کراچی (اپریل ۱۹۸۶ء) میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا ہے۔

''مسلمانوں کو تین فرقوں نے بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ ان میں ایک فرقہ رافضیت ہے جو اہل بیت کی آڑ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتا ہے اور اس نے امت مسلمہ کی بنیاد پر کاری ضرب لگائی۔ دوسرا فتنہ ناصبیت ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت میں رافضیت کی ضد بن گیا اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں پر کیچڑ اچھال کر مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا رہا۔ تیسرا فتنہ ان دونوں کی ضد میں پیدا ہوا اور اس نے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دونوں کی عزت کو پامال کیا اور امت مسلمہ کو نقصان پہنچایا۔ یہ خارجیت کا فتنہ ہے علمائے

ربانیین نے ان تینوں فتنوں کی مختلف انداز میں سرکوبی کی۔ زیر تبصرہ کتاب کے مصنف بھی ان تینوں فتنوں میں سے ایک اہم فتنہ رافضیت کے خلاف ہمیشہ جہاد کا علم بلند کرتے رہے ہیں اور ان کی اس موضوع پر بے شمار کتابیں ہیں۔ ان کتابوں کے ضمن میں وہ فتنہ ناصبیت اور فتنہ خارجیت کی بھی تردید فرماتے رہے ہیں۔ مولانا موصوف نے اس سے پہلے خارجی فتنہ کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی تو اس کے جواب میں ایک صاحب محمد علی نے ایک کتابچہ تحریر کیا جس پر مولانا موصوف نے یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ موصوف نے جہاں کتاب میں فتنہ ناصبیت کی بہت اچھے انداز میں تردید کی۔ لیکن اس کے ساتھ انہوں نے اپنے بعض مخالفین کے بارے میں بہت سخت رویہ اختیار کیا۔ خاص کر مولانا محمد اسحاق سندیلوی کے بارے میں۔ اگر مولانا موصوف مولانا اسحٰق سے براہِ راست گفتگو فرمالیتے تو علمائے حق کے لیے یہ طریقہ بہترین ہوتا اور امت میں مزید انتشار نہ ہوتا۔

۳ ...... یزیدی گروہ کی طرف سے ''بعض رسائل'' قاضی مظہر حسین کا معیارِ حق و صداقت اور اس کی حقیقت اور ''خارجی کون'' میرے جواب میں شائع کیے گئے۔ جن کے ضروری جوابات بھی حصہ دوم میں شامل کیے گئے۔ حدیث ''مغفور لھم'' کی بحث میں بھی اضافہ کیا گیا۔ قاضی ابوبکر رحمہ اللہ بن العربی کی کتاب العواصم من القواصم پر تبصرہ پہلے مختصر تھا پھر حسبِ ضرورت اس میں بھی اضافہ ہوا۔ علاوہ ازیں سانحہ حرہ پر پہلے مختصر بحث کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن جب واقعہ حرہ پر عباسی صاحب کی کتابوں ''خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ ویزید'' اور ''تحقیق مزید'' میں تفصیلی بحث کا مطالعہ کیا۔ تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اس میں بہت زیادہ تلبیسات ومکذوبات سے کام لیا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض اہل علم اور تعلیم یافتہ حضرات بھی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں جو اصل کتابوں سے واقف نہ تھے اور انہوں نے صرف عباسی ریسرچ پر اعتماد کر لیا تھا۔ اس لیے سانحہ حرہ اور محاصرہ مکہ پر مفصل بحث کر کے عباسی صاحب کی تاریخی غلط بیانیوں کا پردہ چاک کیا گیا۔ جو حضرات ان مباحث کا خارجی فتنہ حصہ دوم میں بنظر انصاف مطالعہ کریں گے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ میرے حسبِ ذیل نظریہ کی تائید کریں گے جو دورِ حال کے اس خارجی گروہ کے بارے میں خارجی فتنہ حصہ

اول میں پیش کیا گیا ہے کہ:

ان کا طریق کار کمیونسٹوں کا سا ہے بلکہ اس خارجی گروہ میں کمیونسٹ بھی شامل ہیں جو سواد اعظم اہل سنت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے اس خارجی گروہ کے لٹریچر سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کے مشن کے چار خاص ارکان ہیں۔ ① جھوٹ ② بہتان ③ فریب ④ تبرا۔ چنانچہ کتابچہ ''اصل حقیقت'' ان ارکان پر مشتمل ہے۔

خارجی فتنہ حصہ دوم کا اصل موضوع ''فسق یزید'' ہے۔ جس پر متعدد پہلوؤں سے بحث کردی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فسق یزید اہل سنت والجماعت کے مسلک میں متفق علیہ ہے۔ اور یزیدی گروہ نے یزید کے صالح اور عادل ثابت کرنے میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔ اور سنی موقف کے برحق ہونے کی ایک بڑی مضبوط دلیل یہ ہے کہ کتب حدیث میں سے کوئی روایت ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس میں کسی ایک صحابی نے بھی یزید کو صالح اور عادل قرار دیا ہو۔ اور سانحہ کربلا کے بعد تاریخی کتب میں بھی کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس میں کسی صحابی سے یزید کا صالح و عادل ہونا ثابت ہو سکے۔ اور اس کے برعکس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو یزید کی بیعت نہ کی اور یزیدی گروہ سے دفاعی جنگ کی نوبت آئی تو یہ سب کچھ یزید کو فاسق سمجھنے کی وجہ سے ہی ہوا۔ پھر واقعہ حرہ میں بھی اصحاب مدینہ نے یزید کو شرابی اور فاسق قرار دے کر ہی اس کی بیعت فسخ کرتے ہوئے جنگ کی۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یزید کو شرابی قرار دیا اور حرم شریف میں جام شہادت نوش کیا (انا للہ و انا الیہ راجعون) ان حقائق کے باوجود بھی جو لوگ یزید کو صالح اور عادل اور اس کے مخالف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باغی اور مجرم قرار دیتے ہیں۔ ان کو یزیدی تو کہا جاسکتا ہے لیکن وہ ہرگز محبین اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار نہیں کیے جاسکتے۔ تفصیلات قارئین حضرات زیر نظر کتاب میں پڑھ سکتے ہیں۔

شیعہ جارحیت:

سوائے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ وغیرہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باقی تمام مہاجرین و

انصار وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر، منافق اور مرتد ماننے اور حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ کا انکار کرنے کا نام رافضیت اور اثنا عشری شیعیت ہے۔

جب تک خواص وعوام اہل سنت والجماعت عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلافتِ راشدہ کے عقیدے کا تحفظ کرتے رہے شیعہ تقیہ کا لبادہ اوڑھ کر زندگی گزارتے رہے۔ لیکن جب اہل سنت دفاع صحابہ کے فریضہ سے غافل ہو گئے۔ اور خصوصاً علماء ومشائخ نے اس اہم دینی فریضہ کو نظر انداز کر دیا تو شیعہ اپنی ساری قوتوں سے لیس ہو کر میدان میں آ گئے ہیں۔ ہماری مروجہ جمہوری سیاست نے ان کو مزید تقویت پہنچائی جس کے نتائج سامنے ہیں۔

چکوال کے حوادث:

مدنی جامع مسجد چکوال کی گلی سے گزرنے والا ۷ محرم اور ۷ اصفر کا سالانہ ماتمی جلوس کئی سالوں سے وجہ نزاع بنا ہوا ہے۔ ۷ ارصفر ۱۴۰۶ھ سے دو دن پہلے سابق ڈی سی صاحب چکوال شیخ ظہور الحق کی صدارت میں اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین یہ تحریری معاہدہ طے پایا کہ ۷ ارصفر ۱۴۰۶ھ کا ماتمی جلوس گزارنے دیا جائے۔ اس کے بعد شیعوں کو متبادل امام باڑہ کی جگہ دی جائے اور مدنی مسجد کا روٹ تبدیل کر دیا جائے گا۔ اس معاہدہ پر میرے سمیت چھ اہل سنت اور آٹھ اہل تشیع کے دستخط ہیں لیکن ۷ اصفر کے ماتمی جلوس کی ہنگامہ آرائی کے بعد دوسرے سال کے ۷ رمحرم ۱۴۰۷ھ کے ماتمی جلوس تک شیعوں نے اس معاہدہ پر عمل نہ کیا اور ۷ محرم کا ماتمی جلوس گزارنے کے لیے پولیس فورس نے رات کو مدنی مسجد کا گھیراؤ کیا۔ مسجد میں آنسو گیس کے شیل پھینک کر مسجد میں موجود سنی مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ مسجد کو تالا لگا دیا گیا جس کے ردعمل میں اہل سنت والجماعت نے تین روز مسلسل ہڑتال رکھی اس موقع پر چکوال کے سنی جوانوں نے جس دینی غیرت اور ہمت کا ثبوت دیا ہے اس پر وہ ہزار در ہزار شاباش کے مستحق ہیں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ

یہ واقعات میری غیر حاضری میں پیش آئے ہیں کیونکہ بندہ حج بیت اللہ اور زیارت مقدسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت حاصل کرنے کے لیے سفر پر تھا۔

ے محرم کے بعد ے اصفر کے ماتمی جلوس کا مرحلہ آ گیا۔ سابقہ تحریری معاہدہ کے پیش نظر اہل سنت کا شدت سے مطالبہ تھا کہ مدنی مسجد کی گلی سے چہلم کا ماتمی جلوس نہ گزارا جائے لیکن انتظامیہ نے متوقع خطرات کے پیش نظر فوج بلا لی۔ اور فوج کی نگرانی میں پولیس فورس نے مدنی مسجد کی گلی سے ماتمی جلوس گزار لیا۔ ان خلاف شریعت ماتمی جلوسوں کی وجہ سے اس سال چکوال، دینہ، ضلع جہلم، لیہ، ڈیرہ اسمٰعیل خان، لاہور، اور خیر پور ٹامیوالی وغیرہ مقامات میں جو فسادات اور ہنگامے بپا ہوئے ہیں یہ شیعہ جارحیت کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ کاش کہ حکومت اپنے دینی فریضہ ازالہ منکرات کے تحت ان ماتمی جلوسوں کو قانوناً ممنوع قرار دے دیتی تو ان خونی جلوسوں سے ملک وملت کو نجات مل جاتی۔

تا حال چکوال میں سنی شیعہ کشیدگی ختم نہیں ہوئی۔ گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول بھون روڈ چکوال (جو مدنی جامع مسجد کے قریب ہے) کی عمارت پر ماتمی علم نصب کیے جانے کے سلسلہ میں سخت نزاع پایا جاتا ہے۔

۲۷ نومبر ۱۹۸۶ء کے اس قضیہ میں سنی وشیعہ (فریقین) پر ۳۰۷ وغیرہ دفعات کے تحت مقامی عدالتوں میں مقدمات دائر ہیں۔ اہل سنت کے ساتھ ے اور اہل تشیع کے آٹھ افراد جو نظر بندی کے آرڈر کے تحت جہلم جیل بھیج دیئے گئے تھے وہ رہا ہو چکے ہیں۔ گورنمنٹ محمد علی سکول اور اس پر ماتمی علم نصب کرنے کے سلسلے میں شیعوں نے ہائی کورٹ لاہور میں رٹ دائر کر دی ہے چونکہ متعلقہ مقدمات مقامی اور ہائی کورٹ کی عدالت میں دائر ہیں اس لیے ان پر مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

بہر حال مقامی حالات کے تحت بھی کتاب کی اشاعت میں تاخیر ہوتی رہی ہے۔ حق تعالیٰ خارجی فتنہ حصہ دوم کو بھی شرف قبول عطا فرمائیں۔ اور اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب ہو۔ آمین

بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ

خطیب مدنی جامع مسجد چکوال وامیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ۔ ۲۱۔ دسمبر ۱۹۸۶ء

بحث فسق یزید

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی سے اختلاف کے سلسلہ میں دوسرا مسئلہ یزید کے فاسق یا صالح ہونے کا ہے۔ کتاب کی ابتداء (یعنی خارجی فتنہ حصہ اوّل) میں مولانا سندیلوی سے حسن ظن کی بنا پر میری خط وکتابت اور پھر انقطاع کے بارے میں عرض کیا جاچکا ہے۔ عباسی گروہ کے تذکرہ میں بندہ نے دفاع صحابہ میں سندیلوی صاحب کے اعتقاد درباره یزید کا بھی ذکر کردیا تھا۔ جس کے متعلق موصوف اپنے جوابی رسالہ ''جواب شافی'' ۱۶پر بعنوان ''قول قاضی صاحب'' تحریر فرماتے ہیں:

موصوف تحریر فرماتے ہیں: مولانا موصوف بھی یزید کو ایک صالح اور عادل خلیفہ قرار دیتے ہیں جس کی وضاحت انہوں نے ایک غیر مطبوعہ مکتوب میں کردی ہے حالانکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ شیخ احمد سرہندی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ علامہ حیدر علی مولف ''منتہی الکلام'' وغیرہ۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی (جن کو امام تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہٗ نے امام وقت قرار دیا ہے) سب یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں۔

جواب:

ان بزرگوں کے ساتھ محبت وعقیدت کو میں اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہوں اور ان کی کفش برداری میسر ہونے کو باعث عزت۔ لیکن باوجود اس کے ان کی ہر رائے کا اتباع ضروری نہیں سمجھتا اور اختلاف رائے کو جائز تصور کرتا ہوں چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں ان حضرات کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا بلکہ امام غزالی، قاضی ابوبکر بن العربی حافظ عبدالغنی

مقدسی مؤلف عمدۃ الاحکام وغیرہ اکابرین کی تحقیقات کو (جن کے حوالے آگے چل کر پیش کروں گا) درست تسلیم کرتا ہوں، اس کے ساتھ یہ جانتا ہوں کہ یہ بزرگان امت مخلص اور حق پسند تھے۔ اس کے ساتھ یہ جانتا ہوں کہ یہ بزرگان امت مخلص اور حق پسند تھے۔ اگر تحقیق فرماتے تو وہی کہتے جو میں کہتا ہوں، لیکن اہم تر دینی خدمات میں مصروفیت و مشغولیت کی وجہ سے ان حضرات کو اس تاریخی مسئلہ کی تحقیق کی فرصت نہ مل سکی اور انہوں نے دورِ عباسی کے ان علماء کی رائے پر اعتماد کیا جنہوں نے شیعی ابلاغ عامہ اور طبری و مسعودی وغیرہ شیعی مؤرخین کی من گھڑت روایتوں اور غلط بیانیوں سے متاثر ہو کر امیر یزید مرحوم ومغفور کو فاسق و فاجر لکھ دیا تھا۔ اس لیے درحقیقت غلطی کی ذمہ داری ان بزرگوں پر نہیں ہے جن کا تذکرہ قاضی صاحب نے کیا ہے بلکہ ان کے پہلے کے علمائے مذکور پر ہے جنہوں نے شیعی مکذوبات پر اعتماد کیا۔ (صفحہ نمبر ۱۶)

الجواب:

① ...... سندیلوی صاحب کی تحقیق کا حال تو گزشتہ بحث مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں ظاہر ہو چکا ہے کہ کس طرح انہوں نے علمی خیانتوں اور تضاد بیانیوں سے کام لے کر جمہور اہل سنت والجماعت کے مقبول عام مسلک کی تردید کی ہے جو قرآن و حدیث پر مبنی ہے نہ کہ طبری وغیرہ کی روایات پر۔

② ...... اگر سندیلوی صاحب کو مذکورہ اکابر کے خلوص و تقویٰ پر اعتماد ہوتا تو یہ نہ کہتے کہ انہوں نے بلا تحقیق یزید کو فاسق قرار دیدیا ہے کیونکہ اگر وہ یزید کے بارے میں علمائے سابقین کی کورانہ تقلید میں ہی کوئی حکم لگاتے تو پھر یزید کو کافر بھی قرار دیتے۔ چنانچہ متعدد علمائے سلف نے یزید کی تکفیر بھی کی ہے۔

③ ...... سندیلوی صاحب نے امام غزالی رحمہ اللہ اور قاضی ابوبکر بن عربی وغیرہ اکابر کی رائے کی اتباع کا جو دعویٰ کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے مشاجرات صحابہ کے بارے میں قاضی ابوبکر بن العربی کی اتباع نہیں کی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصیب اور

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخطی ہونے کے قائل ہیں۔ اسی طرح انہوں نے امام غزالی کی بھی اس میں اتباع نہیں کی کیونکہ وہ بھی ایک فریق کے خطا پر ہونے کے قائل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں:

وَلَمْ يُذْهِبْ اِلٰى تخطئة علي ذو تحصيل اصلاً (احیاء العلوم)

اور کسی اہل تحقیق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطا پر ہونے کا قول نہیں کیا۔ بلکہ سندیلوی صاحب نے امام غزالی کے بھی مسلک کے خلاف توقف کا مسلک قوی ترین اور پسندیدہ قرار دیا ہے۔ دراصل سندیلوی صاحب بزعم خویش مجتہد ہیں اور اپنی رائے کو حجت قرار دیتے ہیں خواہ وہ کتنی ہی غلط اور بے اصل ہو۔

مولانا غلام یحییٰ ہزاروی [1]:

جناب مولانا غلام یحییٰ صاحب ہزاروی فاضل جامعہ اشرفیہ رحمہ اللہ سابق صدر المدرسین جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم ایک قابل، ذہین، پختہ کار اور دیانت دار عالم و مدرس تھے۔ سنی شیعہ نزاعی مسائل پر بھی ان کی نظر وسیع تھی۔ اپنی عمر کے آخری سالوں میں انہوں نے عقیدہ عظمت صحابہ اور خلافت راشدہ کے تحفظ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب زیدمجدہم فاضل دیوبند مہتمم جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کی زیرنگرانی ماہِ شعبان کے سالانہ سنی درس خلافت راشدہ میں وہ شیعیت، خارجیت اور مودودیت وغیرہ فتنوں کی بڑے محکم دلائل و براہین سے تردید کرتے تھے جس کی وجہ سے دینی طلبہ میں عقیدہ اہل سنت والجماعت کی پختگی اور خلافت راشدہ، حق چار یار رضی اللہ عنہم

---

[1] المناک حادثہ۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مہتمم جامعہ حنفیہ جہلم ۸ رشوال ۱۴۰۱ھ مطابق ۹ راگست ۱۹۸۱ء کو انگلینڈ جانے کے لیے چکلالہ ائیرپورٹ تشریف لے گئے تھے ان کو الوداع کرنے کے لیے مولانا غلام یحییٰ مرحوم دوسری کار میں سفر کر رہے تھے کہ مندرہ کے قریب آپ کی کار کا راولپنڈی سے آنے والی ایک بس سے ٹکراؤ ہوگیا اور اس ایکسیڈنٹ میں مولانا مرحوم وفات پاگئے (اناللہ وانا الیہ راجعون) حق تعالیٰ جنت الفردوس نصیب کریں۔

کی گرویدگی پیدا ہو جاتی تھی ہمارے سنی دینی مدارس میں یہ ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ خلافت راشدہ وغیرہ عقائد و مسائل زیر بحث نہیں آتے اس لیے دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد بھی ہمارے علماء عموماً ان نزاعی مسائل میں گفتگو نہیں کر سکتے اور اسی غفلت کی وجہ سے آج سنی دیوبندی مدارس کے طلبہ اور فارغ التحصیل نوجوان علماء محمود احمد صاحب عباسی کی تحریک خارجیت سے بھی متاثر ہو رہے ہیں۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

رسالہ ندیم اور یزیدیت وغیرہ:

مولانا غلام یحییٰ مرحوم و مغفور چوٹی کے ایک کامیاب مدرس تھے۔ لیکن تصنیف و تالیف کا انہیں موقع نہ مل سکا۔ ان کا پہلا مؤلفہ رسالہ ''عبدالمجید ندیم اور یزیدیت'' ہے جو ندیم صاحب کی بعض ان تحریرات کے جواب میں لکھا گیا تھا جن میں ندیم صاحب نے یزید کا دفاع کیا ہے۔ مولانا مرحوم کے رسالہ کے جواب میں مولوی محمد رمضان صاحب ثاقب ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ حقوق اہل سنت و جماعت ڈیرہ اسمٰعیل خان نے ایک ٹریکٹ بنام ''ضروری وضاحت'' شائع کیا تھا جس کا جواب مولانا مرحوم نے بنام ''ندیم صاحب کی بے معنیٰ وضاحت'' دیا۔ اپنا یہ رسالہ انہوں نے طباعت کے بعد اسی آخری سفر میں کار کے اندر ہی پڑھا تھا۔ اور ایک جگہ کاتب کی غلطی کی نشاندہی بھی کی تھی اس کے بعد ندیم صاحب کی طرف سے کوئی تحریری جواب تو شائع نہ ہوا۔ اور نہ انہوں نے باتباع اکابر یزید کے فاسق ہونے کا کوئی اعلان کیا۔ البتہ اپنی بعض تقاریر میں انہوں نے غلط بیانیوں سے کام لیا اور ایک دو ورقہ بنام ''وضاحتی بیان'' شائع کیا۔ جس کے جواب میں مولانا غلام یحییٰ صاحب کے شاگرد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سلمہ مدرس جامعہ حنفیہ جہلم کی طرف سے ایک رسالہ بنام ''ندیم صاحب کی غلط بیانیاں'' شائع ہوا۔ اس سلسلہ میں بعض حضرات نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ندیم صاحب تو ایک مقرر ہیں ان کی کوئی خاص شخصیت نہیں ہے ان کی تردید میں اس قسم کے رسائل کا کیا فائدہ ہے اور ان کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ تو میں

نے ان سے جواباً عرض کیا کہ آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن ندیم صاحب مجلس تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان کے جنرل سیکرٹری ہیں اور اکابر دیوبند کی عقیدت کا بھی اظہار کرتے ہیں لیکن یزید کے بارے میں ان کی بعض تحریریں اکابر علمائے دیوبند کے مسلک کیخلاف ہیں (چنانچہ ان کی تحریرات کا عکس ''ندیم اور یزیدیت'' وغیرہ مذکورہ رسائل میں شائع کر دیا گیا ہے) جس کی وجہ سے دیوبندی مسلک مجروح ہوتا ہے۔ لہٰذا رفع اشتباہ والتباس کے لیے مولانا غلام یحییٰ مرحوم نے اپنے رسائل میں حقیقت حال بیان کردی ہے اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان کے صدر مولانا عبدالشکور صاحب دین پوری ہیں۔ اس لیے مولانا مرحوم نے اپنے دوسرے رسالہ ''ندیم صاحب کی بے معنیٰ وضاحت'' میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ آخر میں ہم ندیم صاحب اور ان کی جماعت کے صدر مولانا عبدالشکور صاحب دین پوری سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ واضح طور پر یزید کے بارے میں اپنے عقیدے کا تحریری اعلان کر دیں۔ یہ گومگو کی پالیسی صحیح نہیں ہے (یکم جولائی ۱۹۸۱ء)۔

لیکن مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم کے اس مطالبہ کا جواب نہ دین پوری صاحب صدر نے دیا اور نہ ندیم صاحب جنرل سیکرٹری نے اور اب تو غالباً ندیم صاحب کو مولانا سندیلوی صاحب کے ''جواب شافی'' کا بھی سہارا مل گیا ہوگا معلوم ہوا ہے کہ ندیم صاحب اپنی صفائی بیان کرنے کے لیے تقریروں میں یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ میں خارجیوں اور رافضیوں دونوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اور انہوں نے مذکورہ ٹریکٹ ''ضروری وضاحت'' میں لکھ بھی دیا ہے کہ میرے نزدیک خارجی ہوں یا سبائی دونوں ملعون ہیں۔ لیکن یہ مولانا غلام یحییٰ مرحوم کے مطالبے کا جواب تو نہیں ہے جو یزید کے بارے میں تھا۔ باقی رہا خارجی ہونا تو عباسی گروہ بھی اپنے آپ کو خارجی نہیں کہتا بلکہ مولوی عظیم الدین صاحب نے تو اپنی کتاب میں محمود احمد صاحب عباسی کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

شیخ الاسلام امام اہل سنت علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ (حیات سیدنا یزید ۱۴۶) اور خارجیت وناصبیت کی بحث خارجی فتنہ حصہ اول میں آچکی ہے اور اس جلد دوم میں بھی اپنے مقام پر آرہی ہے۔ ہم ندیم صاحب کو خارجی نہیں کہتے مگر وہ عباسی لٹریچر سے ضرور

متاثر ہیں۔ چنانچہ اپنی تقریروں میں انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کے سلسلہ میں محمود احمد صاحب عباسی کے نظریہ بیعت رضوان (بمقام حدیبیہ) کو ہی پیش کیا ہے۔ حالانکہ وہ بالکل غلط ہے۔ (ملاحظہ ہو ندیم صاحب کی غلط بیانیاں)

علاوہ ازیں انہوں نے اپنی اسی لاہور کی تقریر میں جس کا حوالہ رسالہ ''ندیم صاحب کی غلط بیانیاں'' میں دیا گیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ الفاظ کہے ہیں سیدة نسآء اهل الجنة عائشة (حضرت عائشہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں) ان الفاظ میں ندیم صاحب نے حدیث نبوی کا معارضہ اور مقابلہ کیا ہے جس میں رسول خدا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے (اور اس حدیث کی راویہ بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں) یا فاطمة الا ترضین ان تکونی سیدة نسآء اهل الجنة (مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم) ''اے فاطمہ کیا تو اس بات سے خوش نہیں ہے کہ تو جنتی عورتوں کی سردار ہوگی)۔

فرمایئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے حق میں فرمائے ہیں وہی الفاظ ندیم صاحب نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حق میں استعمال کر دیئے حالانکہ حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی سردار ہوں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کی بھی مومنہ ماں ہیں اور آپ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت کے سب سے اعلیٰ درجہ میں ہوں گی۔ علاوہ ازیں اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں یا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔ اس کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ در کتاب غنیۃ حضرت عائشہ را تقدیم می دید۔ و آنچہ معتقد ایں فقیر است آنست کہ حضرت عائشہ در علم و اجتہاد پیش قدم است و حضرت فاطمہ در زہد و تقویٰ و انقطاع پیشرو است''۔

(مکتوبات امام ربانی جلد دوم مکتوب نمبر ۶۷ طبع قدیم ص ۱۳۱)

(ترجمہ) ''حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اپنی کتاب غنیۃ (الطالبین) میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مقدم وافضل مانتے ہیں۔ اوراس فقیر کا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم واجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر ہیں اور زہد و تقویٰ اور دنیائے فانی سے بے تعلقی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سے مقدم ہیں)۔

رسالہ ''قاضی مظہر حسین کا معیار حق وصداقت''

اور ندیم صاحب کے نادان حامی:

مولوی عبدالمجید ندیم صاحب کی حمایت میں ایک رسالہ (صفحات: ۴۰) بنام ''قاضی مظہر صاحب کا معیار حق وصداقت'' اور اس کی حقیقت گزشتہ سال شائع ہوا ہے جس میں تاریخ تصنیف نہیں لکھی۔ اس کے آخر میں لکھا ہے:

منجانب: محمد سلیم حاطہ جگن ناتھ ملتان چھاؤنی۔

محمد سلیم صاحب کو بھی ہم نہیں جانتے یہ رسالہ انہوں نے براہِ راست بھی نہیں بھیجا۔ بعض احباب نے سلیم صاحب کے مندرجہ پتہ پر خط لکھا تو مذکورہ رسالہ ''مجلس تحفظ حقوق اہل سنت'' ملتان کے دفتر سے ان کو بھیجا گیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ندیم صاحب کی مجلس کی طرف سے ہی اس کی اشاعت ہو رہی ہے۔ مذکورہ رسالہ میں جواب تو جناب مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم کے ان دو رسالوں کا دیا گیا ہے۔

① عبدالمجید ندیم اور یزیدیت

② ندیم صاحب کی بے معنی وضاحت

لیکن مخاطب مجھے بنایا گیا ہے چنانچہ شروع میں لکھتے ہیں: جہلم کے ایک مولوی صاحب جن کا نام قاضی مظہر حسین صاحب ہے کافی دنوں سے ہمارے ملتان کے ممتاز عالم دین جناب عبدالمجید ندیم شاہ صاحب کو اس بات کے لیے مجبور کر رہے تھے کہ وہ ہمارے رسالے کا جواب دیں کہ وہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہماری طرح برا کیوں نہیں کہتے؟ کیونکہ ان کے نزدیک سنی ہونے کا معیار یہ ہی ہے کہ یزید کے فاسق فاجر ہونے کی تسبیح

پڑھی جائے جو نہیں پڑھتا وہ سنی نہیں۔ نیز اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں، رسالہ قاضی مظہر حسین کے ایماء پر لکھا گیا اسی لیے ہم انہی سے مخاطب ہیں۔ نا کہ غلام یحییٰ صاحب سے۔

اور آخری صفحہ پر لکھتے ہیں:

"مولوی غلام یحییٰ صاحب تو ایک حادثہ میں جاں بحق ہو چکے اب ان کے جانشین قاضی مظہر سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ اگر وہ اس جواب کو صحیح نہیں سمجھتے تو اس کا ردوہ کریں۔"

الجواب:

جواب کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ رسالہ محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" وغیرہ کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے۔ اور مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم (جنگ جمل وصفین) کے متعلق عباسی صاحب کے نظریات کا رد میں نے اپنی کتاب "خارجی فتنہ حصہ اول" میں کر دیا ہے۔ اور "فسق یزید" کی بحث اسی کتاب کے زیر تحریر حصہ دوم میں اپنے مقام پر آرہی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مولوی محمد سلیم صاحب موصوف نے مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم کے رسائل کے جواب میں بجائے معذرت کے ندیم صاحب کے نظریہ یزیدیت کا دفاع کر کے ان کو حامیان یزید کی صف میں شامل کر دیا ہے۔ باقی رہا ان کا میرے متعلق یہ لکھنا کہ ان کے نزدیک سنی ہونے کا معیار یہی ہے کہ یزید کے فاسق فاجر ہونے کی تسبیح پڑھی جائے الخ...... تو یہ ان کی صریح غلط بیانی اور اصل مبحث سے فرار ہے۔ زیر بحث مسئلہ تسبیح پڑھنے کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ یزید صالح و عادل اور خلیفہ راشدہ تھا یا فاسق و ظالم، اکابر دیوبند سمیت جمہور اہل سنت کا یہ مسلک ہے کہ یزید فاسق تھا۔ اور دور حاضر کی محمود عباسی پارٹی یزید کو عادل و صالح بلکہ خلیفہ راشد قرار دیتی ہے۔ چنانچہ مولوی عظیم الدین (کراچی) کی کتاب "حیات سیدنا یزید" میں ایک نظم کا پہلا شعر ہی یہ ہے:

ہر آن رہبر تھی ہدایت یزید کی
کیوں راشدہ نہ ہوگی خلافت یزید کی

مولوی عبدالمجید صاحب ندیم ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان نے چونکہ اپنے ایک نجی خط میں یزید کا دفاع کیا تھا اس لیے مولانا غلام یحیٰی صاحب مرحوم نے مسلک حق کے دفاع میں ندیم صاحب کے جواب میں ایک رسالہ ''عبدالمجید ندیم اور یزیدیت'' لکھا جس کے جواب میں ندیم صاحب کے ایک حامی نے ایک ٹریکٹ ''ضروری وضاحت'' شائع کیا جس کے جواب میں مولانا مرحوم نے ''ندیم صاحب کی بے معنی وضاحت'' شائع کیا۔ ان رسالوں میں مولانا مرحوم نے ندیم صاحب کے خطوط کا عکس بھی شائع کر دیا ہے۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ ندیم صاحب کا ''نظریہ یزیدیت'' اکابر اہل سنت کے خلاف ہے۔ بعد ازاں ندیم صاحب نے اپنی صفائی میں دو ورقہ، ایک ''وضاحتی بیان'' شائع کیا تھا۔ جس میں انہوں نے حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور کے استفسار پر اپنا عقیدہ لکھا تھا لیکن ندیم صاحب نے عبارت کو کاٹ چھانٹ کر شائع کیا۔ کیونکہ حضرت مولانا حامد میاں صاحب موصوف نے یہ لکھا تھا کہ:

''آپ ایسا بیان جاری کر دیں جس سے صاف واضح ہو جائے کہ محمود احمد عباسی کے افکار باطلہ اور اس کی گمراہ یزیدی جماعت سے آپ کا تعلق نہیں ہے۔''

لیکن ندیم صاحب نے بجائے اس کے یہ عبارت شائع کر دی کہ:

''اگر آپ اپنی طرف سے ایک مختصر مگر ایسا جامع بیان جاری کر دیں جس سے صاف واضح ہو جائے کہ محمود احمد عباسی کے افکار باطلہ سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے تا کہ حلقہ احباب میں اضطراب رفع ہو جائے۔''

اور یہ الفاظ بالکل حذف کر دیئے:

''اور اس کی گمراہ یزید جماعت سے آپ کا تعلق نہیں ہے۔''

حالانکہ اصل نزاع یزیدی جماعت کے متعلق ہی تھا۔ اس علمی خیانت کی نشاندہی مولانا غلام یحیٰی صاحب مرحوم کے شاگرد رشید مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ہزاروی مدرس جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے ایک جوابی رسالہ بنام ''ندیم صاحب کی غلط بیانیاں'' میں

کردی گئی ہے جس میں حضرت مولانا حامد میاں صاحب اور ندیم صاحب کی اصل تحریر کا فوٹو شائع کردیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں ندیم صاحب کے بعض دوسرے اعتراضات کا بھی جواب ہے۔

اصل سوال:

ندیم صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اکابر دیوبند کے مسلک کے تابع ہیں حالانکہ تمام اکابر دیوبند یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں لیکن ندیم صاحب اس کو فاسق نہیں مانتے اسی سلسلہ میں مولانا غلام یحییٰ صاحب نے اپنے رسالہ "ندیم صاحب کی بے معنی وضاحت" کے آخر میں لکھا تھا کہ "ہم ندیم صاحب اور ان کی جماعت کے صدر مولانا عبدالشکور صاحب دین پوری سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ واضح طور پر یزید کے بارے میں اپنے عقیدے کا تحریری اعلان کریں یہ گومگو کی پالیسی صحیح نہیں ہے۔" لیکن آج تک ان دونوں حضرات نے یزید کے بارے میں جواباً کوئی واضح تحریر نہیں دی البتہ محمد سلیم صاحب کی طرف سے مذکورہ رسالہ جوابی طور پر شائع کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ندیم صاحب اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف حامیانِ یزید ہی میں شامل رہنا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم

ندیم صاحب کا ایک خط:

مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم نے رسالہ: "عبدالمجید ندیم اور یزیدیت" ۲۹/اپریل ۱۹۸۱ء اور "ندیم صاحب کی بے معنیٰ وضاحت" یکم جولائی ۱۹۸۱ء کو لکھا تھا۔ ہمیں ندیم صاحب کے ایک خط کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ملی ہے جو انہوں نے بتاریخ ۱۰/نومبر ۱۹۸۱ء حاجی ابراہیم باوا صاحب مقیم (انگلینڈ) کے مکتوب کے جواب میں لکھا تھا۔ اس میں ندیم صاحب نے قضیہ یزید کے بارے میں اپنا جو نظریہ پیش کیا ہے وہ حسبِ ذیل ہے۔

بات تو صرف اتنی ہے کہ واقعہ کربلا کو آڑ بنا کر سبائی ایجنٹوں نے بنوامیہ کے مایہ ناز فرزندان اسلام کی کردار کشی میں تاریخ کو مسخ کیا اور من گھڑت روایات کے سہارے یہ

ثابت کیا کہ پوری امت تماشائی بنی رہی اور تنہا حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایک زانی شرابی اور سفاک حکمران کے خلاف جہاد کرتے ہوئے سر کٹوا گئے۔ میں اس نقطۂ نظر کو کیسے تسلیم کروں؟ میرا ایمان ہے کہ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ واقعی ایک قاتل سفاک شرابی حکمران کے خلاف خروج کرتے تو امت کی اکثریت ان کے ساتھ ہوتی۔ رسول کی امت کسی بدکردار، زانی شرابی کی حکومت پر متفق اور خاموش نہیں رہ سکتی حالانکہ تاریخ کا عادلانہ تجزیہ یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ سفر سیاسی نہ تھا وہ تو کوفی شیعوں کی دعوت پر یہاں کوفہ آئے تھے۔ کوفہ سبائی ایجنٹوں کی چھاؤنی تھا۔ انہوں نے غداری اور منافقانہ بدعہدی کر کے اس مظلوم کو شہید کر دیا۔

اب ظلم ملاحظہ ہو کہ خونخوار ہوں سبائی عناصر جنہوں نے قبل ازیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پھر جنگ جمل میں طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کو اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، کارکردگی ہو ان کی، اور واقعہ کربلا کو آڑ بنا کر بنوامیہ کے عظیم فرزندانِ اسلام کو جہنم رسید کیا جائے جن کی عسکری اور اصلاحی خدمات سے اسلام کا ماضی روشن ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل یقینی لعنتی ہیں۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل بھی یقینی لعنتی اور جہنمی ہیں مگر وہ ہیں کون؟ خارجی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں اور جنگ جمل کے طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ جیسے شہدائے اسلام کے قتل میں العیاذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ملوث ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ان کے اردگرد جمع ہو گئے تھے مگر اس نقطۂ نظر کو بھی ہم اس لیے نہیں مانتے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے یہ بات بعید از امکان ہے۔ تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ پر ہمارا اندازِ فکر اس قدر جذباتی کیوں ہو کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تک کو معاف نہ کیا جائے۔ بہر حال یہ ایک تاریخی واقعہ ہے علم العقائد سے اس کا تعلق نہیں کہ یہ دور قرآن و سنت کے بعد ہوا۔ اگر اس مرحلے پر اعتدال و توازن کی راہ نہ اپنائی جائے تو ایک نہ ایک پہلو داغ دار ہوتا ہے۔ لہٰذا میں اپنے اکابر علمائے دیوبند کے مسلک اعتدال کو برحق سمجھتے ہوئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یقینی جنتی اور شہید سمجھتا ہوں اور ان کے قاتلوں کو ملعون۔ رہا عباسی یا کسی ایسے مورخ کے نظریات کا سوال تو میں ہر اس شخص سے دنیا و آخرت میں بری

ہوں جس کی زبان وقلم سے صحابہ واہل بیت واولاد پیغمبر کی شان وعظمت کے خلاف کوئی لفظ نکلا ہے۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ میرے ایمان کی تکمیل اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتی جب تک صدیق وعمر عثمان وعلی، معاویہ، طلحہ وزبیر، خالد وحسن وحسین رضی اللہ عنہم کی محبت وعقیدت کو جزوِ ایمان نہ بنالوں......الخ۔

الجواب:

ندیم صاحب اپنے خطیبانہ زورِ بیان میں بہت کچھ لکھ گئے ہیں۔ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے موضوع پر تو بندہ نے اپنی کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اول'' میں مفصل بحث کردی ہے جس میں مسلک حق کی وضاحت کردی ہے۔ ندیم صاحب نے جو صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق اپنا عقیدہ لکھا ہے ''میں ہر اس شخص سے بری ہوں جزو ایمان نہ بنا لوں'' اس میں بھی اختلاف نہیں ہے ان سے ہمارا اختلاف کردار یزید کے بارے میں ہے۔ ان کے مندرجہ مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یزید کو فاسق نہیں مانتے بلکہ اس کو بنی امیہ کے مایہ ناز عظیم فرزندان اسلام میں شمار کرتے ہیں۔

بنی ہاشم و بنی امیہ:

بحث بنی امیہ اور بنی ہاشم کی نہیں ہے بنی ہاشم میں تو خود سرور کائنات رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور بنی امیہ میں تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین بھی ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی جو باتفاق اہل سنت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد برحق خلیفہ ہیں اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی ہوئے ہیں جن کو قرآن کے موعودہ چار خلفائے راشدین کے بعد رشد وہدایت کی بنا پر خلیفہ راشد کہا جاتا ہے۔

اکابر دیوبند سمیت جمہور اہل سنت والجماعت یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو فاسقوں کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں لیکن ندیم صاحب یزید کے بارے میں محمود احمد عباسی کے ہمنوا ہیں اور اس سلسلے میں وہ غالباً

عباسی صاحب کی کتابوں سے ہی متاثر ہوئے ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس کے باوجود یہ لکھتے ہیں:

> لہذا میں اپنے اکابر علمائے دیوبند کے مسلک اعتدال کو برحق سمجھتے ہوئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یقینی جنتی اور شہید سمجھتا ہوں اور ان کے قاتلوں کو ملعون......الخ۔

یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو اکابر دیوبند کے مسلک کو معتدل اور برحق مانتے ہیں۔ یزید کے بارے میں اکابر دیوبند کو معتدل اور برحق کیوں نہیں مانتے؟ کیا اکابر دیوبند......یزید کے بارے میں صحیح تجزیہ نہیں کر سکے۔ حالانکہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی معرکہ کربلا ہی سے ہے۔

بیشک امام حسین اور آپ کے رفقاء کو کوفیوں نے ہی شہید کیا ہے لیکن کیا کوفیوں نے آپ کو کوفہ میں شہید کیا ہے یا مقام کربلا میں؟ اور کیا وہ کوفی یزید کے نامزد گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیاد کے حکم کے تحت کربلا میں حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نہیں آئے تھے۔ اور کیا ابن سعد اور شمر وغیرہ ابن زیاد کے لشکر کے سردار نہیں تھے؟ اور کیا یہ حکمران یزیدی حکومت کے تنخواہ دار نہیں تھے۔ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل آپ کے نزدیک جہنمی ہیں تو ابن زیاد، ابن سعد اور شمر وغیرہ آپ کے نزدیک جنتی ہوں گے اور پھر ان جہنمی قاتلوں کو جب یزید نے کوئی سزا نہیں دی تو آپ یزید کو بری الذمہ قرار دے کر اسلام کے عظیم فرزندوں میں کیونکر شمار کر سکتے ہیں۔

ندیم صاحب وزن بیت کے لیے یزید کے ساتھ قاتل، زانی، شرابی اور سفاک کے الفاظ لگا کر سوال کرتے ہیں کہ کیا رسول کی امت کسی ایسے شخص کی حکومت پر متفق اور خاموش رہ سکتی ہے؟ یہ ان کی غلط فہمی یا مغالطہ آفرینی ہے۔ کیونکہ کسی شخص کے فاسق ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ فسق کے تمام اقسام اس میں پائے جائیں اور پھر فاسق حکمران کے خلاف خروج اور عدم خروج کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے پاکستان کے صدر یحییٰ کے متعلق مشہور ہے کہ شرابی تھا لیکن اس کے باوجود سیاسی علمائے کرام اس کو صدر مملکت مانتے ہوئے اس

سے مذاکرات کرتے رہے ہیں۔ اور اس کے منصوبہ کے تحت کل پاکستان الیکشن میں بھی حصہ لیا ہے۔

ندیم صاحب لکھتے ہیں کہ تاریخ کا عادلانہ تجزیہ یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ سفر سیاسی نہ تھا وہ تو کوفی شیعوں کی دعوت پر یہاں کوفہ آئے تھے۔'' ندیم صاحب کا یہ نظریہ بھی بہت عجیب وغریب ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ سفر سیاسی نہ تھا۔'' اگر آپ کا یہ سفر سیاسی نہ تھا تو پھر ابن زیاد نے آپ کے مقابلہ کے لیے فوج کیوں بھیج دی تھی۔ اور آپ سے بیعت لینے پر اصرار کیوں کیا تھا؟ یزیدی گورنر کو آپ سے کیا خطرہ تھا؟ حضرت مسلم کو آپ نے کوفہ کیوں بھیجا تھا؟ اور ابن زیاد نے مسلم کو کیوں شہید کیا؟ کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ صرف سیر وسیاحت کے لیے کوفہ جا رہے تھے؟ ندیم صاحب حقائق کو جھٹلا کر دفاع یزید کا حق ادا کر رہے ہیں یہ عادلانہ نہیں ظالمانہ تجزیہ ہے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے سفر میں جنگ کا ارادہ نہ رکھتے تھے۔ بلکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ کوفہ جا کر اپنے حامیوں کی جنگی قوت فراہم کر کے حکومت یزید کا تختہ الٹنے کی کوشش کریں گے۔ مگر اہل کوفہ کی غداری کی وجہ سے آپ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور دفاعی جنگ کر کے کربلا میں شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

معرکہ کربلا یقیناً سیاسی نوعیت کا تھا۔ چنانچہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں'' جنگ کربلا یزید کی طرف سے محض سیاسی تھی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی سیاست حقہ کا پہلو غالب تھا مسلمانوں اور کافروں کی جنگ نہ تھی۔ مسلمانوں ہی کی لڑائی تھی ایک فریق باطل پر تھا اور اس کی طرف سے انتہائی ظلم وفساد اور خونخواری کا مظاہرہ ہوا۔ اور امام مظلوم کی طرف سے حقانیت، مظلومیت اور صبر ورضا کا انتہائی درجہ ظہور میں آیا۔''

(کفایت المفتی جلد اول کتاب العقائد ص ۲۸۷)

ندیم صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے علم العقائد سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نہ صرف صحابی بلکہ حسب ارشاد نبوی آپ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ جس طرح آپ کو شہید ماننے کا تعلق عقیدہ سے ہے اسی طرح آپ کے قاتلوں اور آپ پر ظلم کرنے والوں کو قاتل و ظالم وغیرہ کہنے کا تعلق بھی عقیدہ سے ہے اور خود ندیم صاحب آپ کے قاتلوں کو جہنمی قرار دے رہے ہیں تو اسی کا نام عقیدہ ہے۔ علم الکلام کی کتابوں میں حسین رضی اللہ عنہ و یزید کا تذکرہ عقائد کی فہرست میں ہی آتا ہے اور خود حضرت مفتی کفایت اللہ کا مذکورہ جواب بھی کتاب العقائد میں ہی درج کیا گیا ہے۔

سلیم صاحب کے علم و دیانت کی حقیقت:

مولوی محمد سلیم صاحب موصوف کے رسالہ کے جواب کے ضمن میں ندیم صاحب کے ''نظریہ یزید'' پر مختصر تبصرہ عرض کر دیا ہے کیونکہ سلیم صاحب نے بھی ندیم صاحب کے نظریہ کی حمایت میں ہی زیر بحث رسالہ شائع کیا ہے۔ اگر ندیم صاحب اپنے غلط نظریہ یزید سے رجوع کرتے تو زیر تصنیف کتاب ''خارجی فتنہ حصہ دوم میں فسق یزید'' کے سلسلہ میں ان کا تذکرہ نہ کرتا۔ لیکن اس میں اصل بحث ہی فسق یزید کی ہے اس لیے ندیم صاحب کے نظریہ کو زیر بحث لانا ضروری سمجھا گیا ہے تاکہ مجلس حقوق اہل سنت کے دوسرے متعلقین و مبلغین بھی حقیقت حال سے واقف ہو جائیں واللہ الہادی۔ اور سلیم صاحب موصوف چونکہ ندیم صاحب کے نظریہ ہی کے مبلغ ہیں اس لیے ان کے رسالے کا مختصر جواب بھی عرض کر رہا ہوں تاکہ ان کے علم و فہم اور صدق و دیانت کی حقیقت بھی واضح ہو جائے۔ مولانا غلام یحیٰ صاحب مرحوم نے اپنے رسالہ ''عبد المجید ندیم اور یزیدیت'' میں امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو عبارتیں پیش کی تھیں جن میں انہوں نے یزید کو فاسق اور بد باطن قرار دیا ہے۔ اس کے جواب میں سلیم صاحب لکھتے ہیں:

بیشک امام اہل سنت عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کی پہلے کی کتابیں پڑھنے سے یہ

ہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ یزید کی نسبت فسق وغیرہ اور شاید لعن کے بھی قائل تھے لیکن بعد میں آپکے رسالے النجم پڑھنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ بعد میں آپ نہ ہی لعن کے قائل تھے اور نہ ہی فسق وغیرہ کے۔ اسی طرح قرآن مجید کے بارے میں پہلے آپ کا یہ ہی نظریہ تھا کہ قرآن مجید کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کرایا تھا جیسا آپ نے النجم کے مناظرہ حصہ اوّل میں تحریر فرمایا تھا مگر بعد میں آپ نے خود اس کی تردید فرمادی کہ یہ غلط ہے بلکہ قرآن مجید کو خود حضور علیہ السلام اپنی زندگی میں جمع فرما گئے تھے۔ جس وقت آپ نے اس دنیا سے رخصت فرمائی تو بے شمار سینوں اور سفینوں میں پورا قرآن مجید محفوظ تھا۔ تواترِ قرآن کا سلسلہ جو آپ کے سامنے شروع ہوا وہی سلسلہ اسی شان کے ساتھ اب تک چلا آرہا ہے۔ امیر یزید کی حمایت میں اور صفائی میں امام اہل سنت عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ نے اپنے رسالہ النجم میں جو کچھ لکھا ہے جن لوگوں کی نگاہ سے وہ سب باتیں گزری ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر کوئی یزید کا بڑے سے بڑا حامی بھی امیر یزید کی صفائی میں کچھ لکھتا تو اس سے زیادہ نہ لکھتا۔ آپ نے اپنے رسالہ النجم میں تفتازانی کا رد کیا ہے اور لکھا کہ لعن کرنا مذہب اہل سنت کے خلاف ہے۔ امیر یزید کے بارے میں اپنے رسالہ النجم رمضان ۱۳۴۷ھ میں سرخی دے کر اس طرح لکھا کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ قریشی اور تابعی ہے۔ شیعوں کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یزید کی صفائی اور خیر خواہی میں بھی شیعوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں اور ہے بھی یہ بات صحیح، کیونکہ یزید کو اپنے والد حضرت معاویہؓ کی آخری وصیت یاد تھی اسی لیے اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو نہ خط لکھ کر فریب سے کوفہ بلایا نہ خود پیش قدمی کی، نہ قتل کیا نہ قتل کا حکم دیا، اور نہ قتل پر خوش ہوا۔

(رسالہ مذکورہ ص ۲۴)

مؤلف کی کج فہمی اور بددیانتی:

الجواب ①: یہ بے نظیر محقق جمع وترتیب قرآن کی تاریخ بالکل نہیں جانتے ورنہ امام

اہلسنت کے متعلق ایسا نہ لکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں قرآن کے حفاظ تو بہت تھے اور قرآن متفرق اجزاء پر لکھا ہوا بھی تھا لیکن کتابی صورت میں نہ تھا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو مصحف کی صورت میں جمع کرایا۔ لیکن اس میں ساتوں قراتیں تھیں۔ یہ مصحف بعد میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں صرف قراءۃ قریش کے مطابق قرآن مجید کا نسخہ مرتب فرما کر اس کی نقلیں اپنی قلمرو میں پھیلا دیں اور اسی خصوصیت کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔ اور اسی مصحف عثمانی کے مطابق قرآن حکیم آج تک اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد قرآن مجید حسب وعدہ خداوندی "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ" (ہم نے ہی اس کتاب نصیحت و (ہدایت) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک محفوظ رہے گی۔

(۲)...... یزید کے بارے میں ان محقق صاحب نے منقولہ جو عبارتیں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی ہیں وہ ان کے مضمون کی نہیں بلکہ مولانا حکیم عبدالشکور صاحب مرزا پوری رحمہ اللہ کے مضمون کی ہیں۔ ان کا یہ مضمون "دشمنانِ حسین رضی اللہ عنہ" کے عنوان سے النجم لکھنو مؤرخہ ۷/۲۱/ رمضان ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوا تھا۔ (نہ کہ رمضان ۱۳۴۷ھ) میں، اور اب یہ مضمون "شہادت حسین رضی اللہ عنہ" کے نام سے پاکستان میں کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ بے نظیر محقق نے عبدالشکور کے نام سے خود دھوکا کھایا، یا جھوٹ تراشنے کا ثواب حاصل کر کے اہل سنت کو دھوکا دیا ہے۔ واللہ اعلم

اور مذکورہ مضمون میں مولانا مرزا پوری مرحوم نے یزید کے بارے میں اپنا مسلک بیان نہیں کیا۔ بلکہ کتب شیعہ کی عبارتوں سے شیعوں کو الزام دیا ہے۔ چنانچہ جواب الجواب میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے دعویٰ کو کتب اہل سنت سے نہیں بلکہ صرف کتب شیعہ سے مدلل کیا ہے۔ فرمائیں کہ میرا اپنے دعویٰ کو کتب شیعہ سے ثابت کرنا اگر یہ اہل سنت کی طرف سے شیعوں پر الزام نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت مولانا حکیم مرزا

پوری رحمۃ اللہ کی اس تصریح کے بعد ہم ان پردہ نشین محقق کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

یزید بن معاویہ نخعی کو یزید بن معاویہ بن سفیان بنا دیا

اور یہی محقق صاحب یزید کے فضائل ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس حقیقت کا اندازہ بخاری شریف کی اس حدیث شریف سے ہو جاتا ہے کہ صحابہ سے ان کا (یعنی یزید کا) کیا تعلق ہے۔ سیدنا شقیق فرماتے ہیں کہ ہم لوگ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتظار کر رہے تھے کہ یزید بن معاویہ آئے۔ ہم نے کہا کیا تم بیٹھو گے؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ میں اندر جاتا ہوں اور تمہارے پاس تمہارے ساتھی کو لے کر آتا ہوں ورنہ میں آؤں گا اور بیٹھ جاؤں گا۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نکلے اور وہ یزید بن معاویہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ وہ ہم لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں یہاں تم لوگوں کی موجودگی سے باخبر تھا مگر مجھے جس چیز نے باہر نکلنے سے روکا وہ صرف یہ خیال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وعظ کہنے میں اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کہیں ہمارے اکتانے کا سبب نہ بن جائے۔ جو آپ کو ناپسند تھا۔ (بخاری شریف کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۱۳۳۲)

لیجئے یزید کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے محقق صاحب نے پہاڑ سے بھی بڑا جھوٹ تراش کر صحیح بخاری سے یزید کی منقبت ثابت کردی (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ حقیقت یہ ہے کہ بخاری شریف کی منقولہ بالا روایت میں زیر بحث شخصیت یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ یزید بن معاویہ نخعی کوفی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر محدث عسقلانی رحمۃ اللہ متوفی ۸۵۲ھ مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فمر بنا یزید بن معاویة النخعی (قلت) وھو کوفی تابعی ثقة عابد ۔(فتح الباری جلد ۱۲ ص ۱۹۵ مطبوعہ بیروت)

”پس یزید بن معاویہ نخعی ہمارے پاس سے گزرے (میں کہتا ہوں) وہ کوفی

تابعی ثقہ اور عابد ہیں۔"

②...... نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

یزید بن معاویة النخعی العابد ذکرہ ابن حبان فی الثقاة وقال قتل غازیاً بفارس وقال ذکر فی الدعاء من صحیح البخاری۔ (تھذیب التھذیب جلد ۱۱ ص ۳۶۰)

"یزید بن معاویہ نخعی عابد کو ابن حبان نے ثقاۃ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ فارس میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے اور کہا ہے کہ صحیح بخاری کی کتاب الدعوات میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔"

③...... نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

ذکرتہ للتمییز بینہ وبین النخعی

"میں نے یزید بن معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا ذکر یزید بن معاویہ نخعی کے مابین امتیاز کرنے کے لیے کیا ہے۔" (ایضاً تھذیب التھذیب ص ۳۶۱)

④...... یزید بن معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا ذکر تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

مقدوح فی عدالتہ ولیس باھل ان یروی عنہ قال احمد بن حنبل لا ینبغی ان یروی عنہ (لسان المیزان جلد ٦۔ طبع بیروت)

"یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت مجروح ہے اور وہ اس بات کا اہل نہیں ہے کہ اس سے روایت لی جائے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس سے روایت نہیں لینی چاہیے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ محقق لاثانی موصوف بخاری مترجم اردو کی ورق گردانی کرتے رہے ہیں اور مندرجہ روایت میں یزید بن معاویہ کا نام پڑھ کر انھوں نے ایک نایاب موتی نکال لیا ہے۔ یہ ہے ان لوگوں کی بدفہمی اور بددیانتی جس کو تحقیق کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔ کیا یہ حب یزید ہی کا نتیجہ نہیں ہے؟

ایک عجیب چیلنج:

محقق موصوف لکھتے ہیں: بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ تھی ہم اسے راشدہ ہی مانتے ہیں اور اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ مانتے ہیں جتنے دلائل آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے بارے میں رکھتے ہیں اتنے ہی دلائل ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے بارے میں رکھتے ہیں۔

الجواب:

حضرت علی المرتضیٰ کی خلاف راشدہ موعودہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے بارے میں بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں مدلل بحث کردی ہے اور مسلک اہل سنت والجماعت پیش کرتے ہوئے اس بات کی بھی وضاحت کردی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد بالاتفاق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برحق خلیفہ ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چونکہ قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس اختلاف وقتال میں اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے۔ اور اجتہادی خطا کے انتساب میں کوئی تنقیص نہیں پائی جاتی بلکہ حسب حدیث بخاری مجتہد کو اجتہادی خطا پر بھی ایک اجر ملتا ہے (جبکہ رائے کے (صواب) صحیح ہونے پر دو اجر ملتے ہیں) لیکن محقق صاحب کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کی طرح قرار دینا یہ ان کا غلو ہے جس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتوہین پائی جاتی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تو بوجہ مہاجرین اولین میں ہونے کے آیت تمکین اور آیت استخلاف کا مصداق ہے اور خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ) کی طرح قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ ہے۔ لیکن بوجہ مہاجرین اوّلین میں نہ ہونے کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو قرآنی وعدہ استخلاف کا مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اور اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ نہیں قرار دی جاسکتی کیونکہ آپ بھی مہاجرین صحابہ سے

نہیں ہیں (آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ہیں) یہاں بحث لغوی معنی میں خلافت راشدہ ہونے کی نہیں بلکہ اصطلاحی معنی یعنی قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ ہونے یا نہ ہونے کی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مہاجرین اولین میں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زندگی میں (رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ) کی قرآنی سند عطاء فرمائی ہے اس لیے آپ کی خلافت کو بھی مثل خلفائے ثلاثہ رضائے خداوندی کی سند حاصل ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ بیعت رضوان میں شامل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح رکوع نمبر۳ میں اپنی رضا سے مشرف فرمایا ہے۔ لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ (بیشک اللہ تعالیٰ ان مومنین سے راضی ہوگیا جو ایک درخت کے نیچے آپ کی بیعت کررہے تھے)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کو نام بنام بذریعہ وحی غیر متلو (یعنی حدیث نبوی) جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اصحاب بدر واحد وخندق وفتح مکہ میں سے ہیں۔ لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باوجود ایک جلیل القدر صحابی اور برحق خلیفہ ہونے کے مذکورہ فضائل میں شریک نہیں ہیں۔ تو پھر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ہم مرتبہ کیسے ہوسکتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو ابتدائے خلافت سے لے کر زندگی کے آخری لمحہ تک قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تو کیا اس وقت بھی آپ کی خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرح تھی، محقق صاحب؟

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

پیش نظر رکھیں اور افراط وتفریط کو چھوڑ کر اہل السنّت والجماعت کے مسلک حق کی پیروی میں اپنی فانی زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔ وما علینا الا البلاغ

جہالت وغباوت

محقق صاحب (ص۲۲) پر لکھتے ہیں: حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اگر خلفائے ثلاثہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ذکر کیا ہے اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در حدیث بسیار تصریح وتلویح فرمودند کہ خلافتِ خاصہ بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منتظم نخواہد شد''

(ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں صراحت اور وضاحت سے فرمایا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت خاصہ منتظم نہ ہوسکے گی۔'' (ازالۃ الخفاء ج۲ ص۲۴۹)

الجواب:

محقق صاحب نے یہ عبارت مع ترجمہ محمود احمد عباسی کی کتاب خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۵۶ سے نقل کی ہے اور عباسی صاحب کی اندھی تقلید کر کے جہالت وغباوت کا ثبوت دیا ہے کیونکہ عباسی صاحب نے تلویح کا معنی وضاحت غلط لکھا ہے جس کی نقل ندیم کے محقق موصوف نے اختیار کی ہے۔ عباسی صاحب نے مندرجہ عبارت حضرت صاحب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب فارسی متن کے اس حصہ کی نقل کی ہے جس کا اردو ترجمہ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ عباسی صاحب بھی اپنی کم علمی کی وجہ سے تلویح کا معنیٰ نہیں جانتے تھے اس لیے انہوں نے قیاساً صراحت کے ساتھ وضاحت کا جوڑ ملا دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: فصل چہارم در روایت احادیث وآثار دالہ برخلافت خلفاء بتصریح یا تلویح و براثبات لوازم خلافت خاصہ (ازالۃ الخفاء مترجم اردو جلد اوّل ص۲۱۲)

اس عبارت کا ترجمہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے:

فصل چہارم ان احادیث وآثار کی روایت میں جو خلفائے راشدین کی خلافت پر

بتصریح یا تلویح اور (ان کے لیے) لوازمِ خلافت خاصہ کے ثابت ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اس عبارت کے تحت امام اہل سنت حاشیہ نمبر ۲ میں لکھتے ہیں، تصریح صاف بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تلویح اشارہ سے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔

محمود عباسی کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ تلویح کا معنیٰ نہیں جانتے۔ اور ندیم صاحب کے حامی محمد سلیم صاحب عباسی کے اندھے مقلد بن کر یزیدیت کا دفاع کر رہے ہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

باقی رہی حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت خاصہ غیر منتظمہ کی بحث تو اس کی تفصیل ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' میں آچکی ہے۔ جس میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی بعض دوسری عبارتوں کے ترجمہ میں بھی عباسی صاحب کی بعض علمی خیانتوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ بہرحال ندیم صاحب کی حمایت میں پردہ نشین محقق صاحب نے زیر بحث جو رسالہ لکھا ہے جہالت، غباوت اور خیانت کا مجموعہ ہے۔ اور چونکہ حامیان یزید نے اس کو ملک میں پھیلانے کی کوشش کی ہے اور عموماً تعلیم یافتہ طبقہ اس قسم کے مسائل سے ناواقف ہے۔ اس لیے بطور نمونہ مشتے از خروارے اس کے دجل و فریب اور کج فہمی اور کج بحثی کا پردہ چاک کر دیا ہے تاکہ سنی مسلمان اس قسم کی تلبیسات سے واقف ہو جائیں۔

مولانا غلام یحییٰ اور سندیلوی صاحب کی خط و کتابت:

مولانا سندیلوی کے متعلق جب یہ معلوم ہوا کہ آپ یزید کے حامی ہیں تو تشویش ہوئی کیونکہ حضرات اکابر اس کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ مزید تحقیق حال کے لیے بندہ کے مشورہ کے تحت مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم نے اس سلسلہ میں سندیلوی صاحب کو خط لکھا تو اس کے جواب میں انہوں نے یزید کا دفاع کیا۔ اور آخر میں یہ لکھا ہے کہ:

مزید یہ کہ دلائل مذکورہ کی روشنی میں جب ہم ان (یعنی یزید) کے حالات کو دیکھتے ہیں تو وہ ایک صالح مسلمان اور عادل سلطان نظر آتے ہیں، مگر نہ ان کی

ولایت (یعنی ولایت خاصہ) کی کوئی دلیل ہے نہ خلفائے راشدین میں شامل ہونے کی اس لیے ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا یا انہیں ہیرو بنانے کی کوشش کرنا مستحسن نہیں معلوم ہوتا فقط۔ (محررہ ۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ)

اس مکتوب میں بھی سندیلوی صاحب نے حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال لکھے ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ اور علامہ علی قاری رحمہ اللہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ علاوہ ازیں سندیلوی صاحب نے علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ اور حضرت مولانا اشرف علی رحمہ اللہ صاحب تھانوی کا حوالہ دیا ہے کہ یزید کے بارے میں کفِ لسان کیا جائے لیکن اس میں علمی خیانت سے کام لیا ہے جس کی نشاندہی ان شاء اللہ تعالیٰ بعد میں حسبِ مقام کی جائے گی۔ نیز اکابر دیوبند کے متعلق بھی وہی جواب دیا ہے جو جواب شافی میں ہے کہ:

”رہا یہ مسئلہ کہ ہمارے بعض اکابر نے انہیں یزید پلید کہا ہے اور ان کی مذمت کرتے رہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر عالم ہر مسئلہ کی تحقیق نہیں کرتا نہ ہر مسئلہ میں محقق سمجھا جاسکتا ہے۔ پھر یہ کہ یہ حضرات تاریخ سے دلچسپی ہی نہیں رکھتے۔ یہاں حکم شرعی سوءِ ظن یا عدم سوءِ ظن یا حسن خلق واقعات پر موقوف ہے۔ نیز یہ کہ ان حضرات کو ان امور کی تحقیق کی فرصت نہ ملی۔ ماحول پر جو چیز چھا جاتی ہے اس سے علماء بھی متاثر ہو جاتے ہیں اور اپنے ماحول کے خلاف بہت کم حضرات غور کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی محبت کا غلبہ بھی اس میں معاون ہوا۔ یہ حضرات مخلص تھے اور اس بارے میں معذور تھے۔ انہوں نے شہرت عام کی بناء پر رائے قائم فرمائی مگر جب دلائل کی روشنی میں تحقیق ہو جائے تو ان حضرات کی اتباع صحیح نہیں۔ ان پر معترض بھی نہ ہونا چاہیے اور اس مسئلہ میں ان کی اتباع بھی نہ کرنا چاہیے۔ نیز اسی جوابی خط میں سندیلوی صاحب لکھتے ہیں۔“

ان اسباب کی وجہ سے امیر یزید کی جانب سے دفاع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

اکابر پر انوکھا الزام:

سندیلوی صاحب کا یہ لکھنا کہ ماحول پر جو چیز چھا جاتی ہے۔الخ

ان اکابر اہل حق کی عظیم دینی شخصیتوں کو مجروح کرنا ہے۔ حالانکہ ان حضرات نے ماحول پر چھائی ہوئی بدعات کی تردید کی۔ اور احیاء سنت کا فریضہ ادا کیا جس کے نتیجہ میں علماء سوء نے انھیں وہابی مشہور کیا۔ اگر وہ ماحول کے اثرات سے مغلوب ہوتے تو رد بدعات کیوں کرتے۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ بھی یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے دور کے مجدد ہیں۔ کیا مجددین بھی ماحول کے اثرات سے مغلوب رہتے ہیں۔ تو پھر تجدید دین کا کیا مطلب ہوگا؟ علاوہ ازیں ان حضرات نے امام غزالی، قاضی ابوبکر بن العربی اور علامہ علی قاری کی کتابوں سے واقف ہونے کے باوجود یزید کے فسق کا قول اختیار کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے تحقیق کی بنا پر یہ موقف اختیار کیا تھا۔

کیا امام غزالی و قاضی ابوبکر مورخ تھے؟

مشاجرات صحابہ کی بحث میں متاخرین فقہاء و متکلمین وغیرہ کی تردید کا جو طریق سندیلوی صاحب نے اختیار کیا ہے وہی یزید کی بحث میں اختیار کر رہے ہیں ہمارا سوال یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہم اور حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ اگر مورخ نہیں تھے تو کیا امام غزالی رحمۃ اللہ، قاضی ابوبکر بن العربی اور علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ مورخ تھے جن کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہیں؟ علامہ ابن خلدون مشہور مورخ ہیں اور انہوں نے یزید کے فسق کو متفق علیہ قرار دیا ہے (مقدمہ ابن خلدون)۔ لیکن آپ ان کی تحقیق نہیں مانتے اور یہ بھی فرمائیے کہ کیا آپ خود مورخ ہیں اور علامہ سید سلیمان صاحب ندوی سے زیادہ تاریخ دان

ہیں کہ انہوں نے تو یزید کو فاسق قرار دیا ہے اور آپ اس کو عادل و صالح مانتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ یزید کی شخصیت کا تعلق صرف تاریخ سے نہیں بلکہ اس کا تعلق حدیث سے بھی ہے۔ اور عباسی گروہ کی طرح سندیلوی صاحب نے بھی اس زیر بحث مکتوب میں یزید کی مغفرت کے متعلق بخاری شریف کی حدیث مغفور لھم پیش کی ہے۔ تو فرمایئے سندیلوی صاحب کے نزدیک حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ اکابر محدثین حدیث کی تحقیق بھی کر سکتے تھے یا نہیں۔ اور ان سے پہلے حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ بدر الدین عینی وغیرہ شراح حدیث نے یزید کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے؟ بہر حال سندیلوی صاحب کے جواب میں مولانا غلام یحیٰ مرحوم نے اپنے خط میں یہ لکھا تھا کہ حقیقت یہ ہے کہ بجائے تسلی و اطمینان کے بندہ سخت الجھن میں مبتلا ہو کر رہ گیا امید ہے کہ بندہ کی معروضات پر غور فرمائیں گے۔ آپ نے یزید کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک صالح مسلمان اور عادل سلطان نظر آتے ہیں اور اس کی طرف فسق و فجور کی نسبت بالکل بے دلیل اور ظلم ہے اور یزید کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اب تردد و تشویش کی بات یہ ہے کہ آپ کی اس رائے کی تائید محققین اہل سنت و جماعت کے کلام سے نہیں ملتی۔ بلکہ محققین اہل سنت کی رائے ان کی کتابوں سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یزید کے فسق پر اتفاق ہے۔ اختلاف جو ہے صرف تکفیر و عدم تکفیر۔ جواز لعن و عدم لعن کا ہے صواعق محرقہ جو اس فن کی کتاب الخ (۱۷ رجمادی الثانیہ۔ ۱۳۹۵ھ)۔

مولانا غلام یحیٰ صاحب مرحوم کے جواب میں سندیلوی صاحب نے اپنے مختصر خط میں یہ لکھا کہ:

گرامی نامہ موصول ہوا اس موضوع پر خط و کتابت کی گنجائش کی حد میں جو کچھ مجھے لکھنا تھا لکھ چکا۔ آپ اس سے مطمئن نہیں۔ آپ بھی اس کی تردید کر چکے۔ دونوں طرف کے دلائل آپ کے سامنے ہیں خود ہی فیصلہ فرما کر مطمئن ہو جایئے۔ اس سلسلہ میں مزید خط و کتابت بیکار ہے۔ علاوہ بریں موضوع کوئی اجنبی نہیں اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اسے ملاحظہ فرما لیجیے۔ اس پر خط و کتابت اضاعت وقت ہے اس لیے مزید لکھنے سے معافی

چاہتا ہوں۔ گرامی نامہ واپس کر رہا ہوں تا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے گذشتہ خط کو دوبارہ سامنے رکھ کر اپنے جوابات پر غور فرما سکیں (مورخہ ۲۱ر جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ)

مولانا غلام یحیٰ مرحوم نے سندیلوی صاحب کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت وغیرہ کے متعلق وہی کچھ لکھا تھا جو انہوں نے اپنے رسالہ "ندیم اور یزیدیت" میں لکھا ہے۔ مولانا مرحوم نے سندیلوی صاحب کے دونوں اصل خط اور اپنے جوابات کی نقل مجھے دیدی تھی جو میرے پاس محفوظ ہے اس کے بعد جب مجھے یقین ہوگیا کہ فاضل سندیلوی یزیدی ہیں اور اپنے موقف سے رجوع کرنا ان کے لیے مشکل ہے تو میں نے ان سے خط وکتابت کا رابطہ منقطع کر دیا جو پہلے جاری تھا اور اب تو کتابی صورت میں جواب الجواب تک کی نوبت پہنچ گئی ہے۔

قول سندیلوی:

میری رائے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے جلیل القدر بھائی اور یزید کے چشم دید گواہ حضرت محمد بن حنفیہ کی تحقیق کے عین مطابق یہ ہے کہ یزید ایک صالح مسلمان تھے اور خلیفہ عادل بھی تھے۔ نیز شرعی اصول بھی یہی ہے کہ ہر مسلمان کو سچا سمجھا جائے گا جب تک اس کا فسق ثابت نہ ہو کسی مسلمان کے صالح ہونے کے لیے کسی دلیل اور ثبوت کی ضرورت نہیں اس لیے شرعاً انہیں صالح مسلمان سمجھنا چاہیے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا الزام ان پر ثابت نہیں ......الخ۔ (جواب شافی ص ۱۷)

الجواب:

یہ کوئی کلیہ نہیں ہے کہ جب تک کسی مسلمان کا فسق ثابت نہ ہو وہ ضرور صالح ہوگا صرف صورتاً نماز روزے کے پابند مسلمان کو صالح اور عادل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ صالحیت اور عدالت وجودی صفتیں ہیں اور ان کا بھی ثبوت چاہیے۔ دورِ حاضر میں کتنے نمازی اور حاجی مسلمان ہیں جو لین دین میں بددیانت اور حرام خور ہوتے ہیں۔

صالح کون ہے (حافظ ابن حجر عسقلانی):

خوارج سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یخرج منه قوم یقرون القرآن لا یجاوز تراقیهم یمرقون من الاسلام مروق السهم من الرمیة..... الخ (صحیح بخاری باب من ترك قتال الخوارج للتألف)۔

عراق سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں جائے گا۔ وہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

خوارج نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ قرآن بھی پڑھتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو دین سے خارج قرار دیا۔ اس قسم کی احادیث کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: وفیه انه لا یکتفی فی التعدیل بظاهر الحال ولو بلغ المشهود بتعدیله الغایة فی العبادة والتقشف ولورع حتیٰ یختبر باطن حاله (فتح الباری: جلد۱۲ص۲۶۲)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک کسی شخص کے باطن حال کو اچھی طرح نہ پرکھا جائے اس کے ظاہر حال کی بناء پر اس کو عادل قرار دینا کافی نہیں ہے اگرچہ وہ عبادت اور تقویٰ میں انتہائی درجہ میں نظر آتا ہو۔

علامہ سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ:

جامع العلوم علامہ السید محمد انور شاہ صاحب محدث کشمیری نے قادیانیوں کے کفر پر دلائل دیتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی کی یہی عبارت پیش فرمائی ہے۔ کیونکہ مرزائی (قادیانی ہوں یا لاہوری) بظاہر نماز و روزہ کے پابند نظر آتے ہیں۔ یہ قرآن کی تبلیغ بھی کرتے ہیں۔ تفسیریں بھی لکھتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے وہ قطعی کافر ہیں۔ (ملاحظہ ہو۔ اکفار الملحدین فی ضروریات الدین ص۲۳)

لہٰذا مولانا سندیلوی کا حضرت محمد بن حنفیہ کی اتنی بات سے کہ یزید نماز وغیرہ کا پابند ہے۔ یزید کو عادل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت محمد

بن حنفیہ کی اس زیر بحث روایت کے باوجود اکابر اہل سنت نے یزید کو فاسق بلکہ بعض نے کافر قرار دیا ہے۔

جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی کسی کا صرف ظاہر حال اس کو عادل قرار دینے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔

قرآن کے صالحین:

قرآن مجید میں ہے:

"وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ والشهدآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا"

"اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء۔ اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔"

(ترجمہ حضرت تھانویؒ، پ۵، سورۃ النساء، رکوع ۹، آیت ۶۹)

یہ چار طبقے منعم علیہم اور معیاری ہیں جن میں چوتھا طبقہ صالحین کا ہے۔

② اگر آپ یزید کو قرآنی معیار کے مطابق صالح مانتے ہیں تو پھر اس کو خلیفہ راشد کیوں نہیں تسلیم کرتے؟ کیونکہ صالح اور راشد کا ایک ہی مفہوم ہے۔ آپ نے مولانا غلام یحییٰ مرحوم کے نام جوابی خط میں لکھا ہے کہ دلائل مذکورہ کی روشنی میں جب ہم دیکھتے ہیں تو وہ (یعنی یزید) ایک صالح مسلمان نظر آتے ہیں۔ مگر نہ ان کی ولایت (یعنی ولایت خاصہ) کی کوئی دلیل ہے نہ خلفائے راشدین میں شامل ہونے کی۔ اس لیے ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" لکھنا یا انہیں ہیرو بنانے کی کوشش کرنا بھی مستحسن معلوم نہیں ہوتا فقط۔ (۲۲ر جمادی اولیٰ ۱۳۹۵ھ)

تعجب ہے کہ جب یزید آپ کے نزدیک شرعاً صالح اور عادل ہے تو پھر خلیفہ راشد کیوں نہیں اور اس کی ولایت خاصہ آپ کیوں نہیں مانتے؟ حالانکہ ولایت عامہ تو بوجہ

ایمان کے ہر مومن و مسلم کو حاصل ہے اور جب دور صحابہؓ و تابعین میں آپ اس کو صالح و عادل خلیفہ قرار دیتے ہیں تو پھر ہیرو بنانے میں کیا حرج ہے؟

قول محمد بن حنفیہ:

حضرت محمد بن حنفیہ حضرت علی المرتضیٰ کے صاحبزادہ ہیں لیکن تابعی ہیں نہ کہ صحابی، سندیلوی صاحب نے جواب شافی صفحہ نمبر ۱۷ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ کا یہ مفصل ارشاد علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۱۸ تا ۲۳۳ مطبوعہ بیروت میں دیا ہے۔ سندیلوی صاحب نے جس ارشاد کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

وَلَمَّا رَجَع اهل المدينة من عند يزيد مشىٰ عبدالله بن مطيع واصحابه الىٰ محمد بن حنفيه. فاراده على خلع يزيد فابىٰ عليهم. فقال ابن مطيع. ان يزيد يشرب الخمر ويترك الصلوٰة ويتعدى حكم الكتاب. فقال لهم ما رأيت منه ما تذكرون. وقد حضرته واقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلوٰة متحريا للخير يسأل عن الفقه ملازماً للسنة قالوا فان ذلك كان منه تصنعًا لك. فقال وما الذى خاف منى اورجا حتى يظهر الى الخشوع الخ :

(البدايه، جلد ۸، ص ۲۳۳، طبع بيروت)

"اور جب اہل مدینہ کا وفد یزید کی ملاقات کر کے واپس آیا تو حضرت عبداللہ بن مطیع اور آپ کے ساتھی حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس گئے اور ان سے خواہش کی کہ وہ یزید کی بیعت توڑ ڈالیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت ابن مطیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یزید شراب پیتا ہے اور نماز ترک کرتا ہے اور قرآن کے حکم سے تجاوز کرتا ہے تو آپ (حضرت محمد بن حنفیہ) نے ان سے فرمایا کہ جن امور کا تم ذکر کرتے ہو وہ میں نے اس میں نہیں دیکھے حالانکہ میں اس کے پاس گیا ہوں اور اس کے پاس قیام کیا ہے۔ میں نے اس کو

دیکھا ہے کہ نماز کی پابندی کرتا ہے۔ بھلائی کی کوشش کرتا ہے فقہ کے مسائل پوچھتا ہے اور سنت کی پیروی کرتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ کام اس نے آپ کے دکھلانے کے لیے کئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ کیا وہ مجھ سے ڈرتا ہے یا اس نے مجھ سے طمع کی امید ہے کہ اس نے میرے سامنے اس طرح خشوع کا اظہار کیا ہے الخ۔

اس کے بعد کی عبارت بخوف طوالت حذف کی جاتی ہے جس میں باہمی سوال وجواب ہے حتیٰ کہ آخر تک حضرت محمد بن حنفیہ نے ان کا مطالبہ قبول نہیں کیا اور مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے۔ یہاں یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مدینہ منورہ سے جو وفد یزید کے پاس گیا تھا اس میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ صحابی تھے اور اہل مدینہ کی دوسری اہم شخصیت حضرت عبداللہ بن مطیع بھی صحابی تھے۔" (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳۳ طبع بیروت)

حضرت عبداللہ بن حنظلہ:

یہ شہید اُحد غسیل ملائکہ (جن کو فرشتوں نے غسل دیا تھا) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اور صحابی ہیں۔ یزیدی لشکر کے مقابلہ میں ان کو انصار مدینہ نے اپنا امیر مقرر کیا تھا ملاحظہ ہو:

الاکمال فی اسماء الرجال لصاحب مشکوٰۃ المصابیح وتہذیب التہذیب جلد ۵ لحافظ ابن حجر عسقلانی ص ۱۹۳ مطبوعہ حیدرآباد دکن۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مطیع:

ان کے متعلق الاکمال فی اسماء الرجال میں لکھا ہے: **یقال ولد علی عهد رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **وذهب به ابوه الیه**: کہا جاتا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوئے ہیں اور آپ کو ان کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تھے۔ اور تہذیب التہذیب جلد ششم میں ہے **وُلِدَ فی حیات رسول الله صلی الله علیه**

وسلم آپ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے تھے حضرت عبداللہ بن مطیع واقعہ حرہ میں مدینہ منورہ میں قریش کے امیر تھے اور پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس مکہ مکرمہ چلے گئے۔ عام طور پر عباسی گروہ کے مصنفین حضرت محمد بن حنفیہ سے ان حضرات کے مندرجہ بالا مکالمے کا تو ذکر کرتے ہیں لیکن اس بات کی وضاحت نہیں کرتے کہ یہ دونوں کون بزرگ ہیں تا کہ قارئین حقیقت حال سے واقف نہ ہو جائیں۔

مذکورہ روایت حجت نہیں:

اس روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت محمد بن حنفیہ نے یزید کے ہاں کب اور کتنا قیام کیا تھا؟ اور اگر ایک بزرگ مہمان کے سامنے اس نے نیک اعمال کا مظاہرہ کر بھی لیا ہے تو اس سے اس کا دوام ثابت نہیں ہوتا۔ اور یہی اعتراض قائد وفد حضرت ابن مطیع رضی اللہ عنہ نے بھی کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے بعد اس کی حالت بدل گئی ہو۔ جیسا کہ محققین فرماتے ہیں۔ علاوہ ازیں فسق کا سبب صرف شراب نوشی ہی نہیں اور بھی اس کے اسباب ہیں۔ حافظ ابن کثیر کی اسی البدایہ والنہایہ میں ہے کہ وفد کے قائدین نے یزید سے ملاقات کے بعد مدینہ منورہ واپس آ کر لوگوں کو بتایا کہ یزید تارک نماز ہے اور شراب پیتا ہے۔

اس لیے لوگوں نے یزید کی بیعت توڑنے کا عام اعلان کر دیا۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ کیا حضرت عبداللہ بن حنظلہ صحابی اور حضرت عبداللہ بن مطیع صحابی رضی اللہ عنہ سے کوئی مسلمان یہ بدظنی کر سکتا ہے کہ انہوں نے یزید کے خلاف غلط بیانی سے کام لیا تھا۔

اور خود حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ روایت حجت نہیں ہے۔ کیوں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں یہ روایت نقل کرنے کے باوجود لکھا ہے کہ:

وقد كان يزيد فيه خصال محمورة من الكرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأى فى الملك وكان ذا جمال حسن المعاشر ة۔ وكان فيه ايضاً اقبال على

الشهوات وترك بعض الصلوات في بعض الاوقات واما تتها في غالب الاوقات الخ (البدايه والنهاية جلد ٨ ص ٢٣٠)

محمود احمد عباسی صاحب نے اس عبارت کے متعلق لکھا ہے: علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان (یعنی یزید) کے خصائل کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں۔ وقد كان يزيد فيه خصالٌ محمودة الخ لیکن عباسی صاحب نے عبارت حسن المعاشرة کے الفاظ تک درج کی ہے اور مابعد کے الفاظ چھوڑ دیئے ہیں جو ان کے موقف کے خلاف تھے حالانکہ دیانتداری کا تقاضا یہ تھا کہ جب وہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے لکھ رہے ہیں تو ان کی پوری رائے نقل کرتے۔ عباسی گروہ کے دوسرے مصنفین مولوی عظیم الدین صاحب وغیرہ بھی اپنی کتابوں میں پوری عبارت نقل نہیں کرتے۔ کیا تحقیق حق اسی کا نام ہے؟ بہرحال عباسی صاحب نے مندرجہ عبارت کا حسب ذیل ترجمہ کیا ہے: اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم وکرم۔ فصاحت وشعر گوئی اور شجاعت اور بہادری کی تھیں نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور وہ خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔ (خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۱۰۰)۔

اس کے بعد حافظ ابن کثیر نے جو الفاظ لکھے ہیں ان کا ترجمہ حسب ذیل ہے: اور اس میں شہوات کی طرف میلان بھی تھا اور بعض اوقات بعض نمازیں چھوڑ دیتا تھا اور بسا اوقات وہ نمازیں وقت گزر جانے کے بعد پڑھتا تھا۔

عباسی صاحب نے حسن المعاشرة کا ترجمہ "خوش سیرت" کیا ہے جو صحیح نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ یعنی لوگوں کے ساتھ میل جول میں وہ اچھا تھا۔ ورنہ جو شخص پابندِ نماز نہ ہو اور شہوات کی طرف میلان رکھتا ہو اسے خوش سیرت کیونکر کہہ سکتے ہیں۔

(۳) حافظ ابن کثیر خود یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

بَل قد كان فاسقاً ۔ والفاسق لا يجوز خلعه لاجل ما يثور بسبب ذلك من الفتنة و وقوع الهرج كما وقع مِنَ الحرة...... (البدايه والنهايه ج ٨ ص ٢٣٢)

بلکہ وہ فاسق تھا اور فاسق کی بیعت توڑنا اس لیے جائز نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے فتنہ زیادہ بھڑکتا ہے اور جنگ وقتال واقع ہوتا ہے جیسا کہ واقعہ حرۃ کے وقت ہوا) حضرت محمد بن حنفیہ کی یہ روایت ابن کثیر نے نقل کی ہے جو بلا سند ہے اور خود حافظ ابن کثیر نے بھی اس روایت پر اعتماد نہیں کیا ورنہ وہ یزید کو کیوں فاسق قرار دیتے؟ لہٰذا مولانا سندیلوی اور سارے عباسی گروہ کا اس روایت سے یزید کو صالح قرار دینا بے اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ذھبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ ائمہ جرح وتعدیل نے اس روایت پر اعتماد نہ کرتے ہوئے یزید کی عدالت کو مجروح قرار دیا ہے۔

④ اگر یزید فی الواقع صالح و عادل ہوتا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس کی کیوں مخالفت کرتے۔ کیا کوئی مسلمان ان جلیل القدر صحابہ کے متعلق یہ بدگمانی کرسکتا ہے کہ انہوں نے محض ذاتی اقتدار کی خواہش کی بنا پر ایسا کیا تھا اور پھر سندیلوی صاحب بڑے فخر سے لکھ رہے ہیں کہ میری رائے حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے جلیل القدر بھائی اور یزید کے چشم دید گواہ حضرت محمد بن حنفیہ کی تحقیق کے عین مطابق یہ ہے کہ یزید ایک صالح مسلمان تھے۔ اور خلیفہ عادل بھی تھے۔ (جواب شافی ص ۱۷)۔

حالانکہ حضرت محمد بن حنفیہ نے صراحتاً یزید کو عادل خلیفہ نہیں کہا۔ علاوہ ازیں یہاں سوال یہ ہے کہ آپ نے حضرت محمد حنفیہ کی رائے کی پیروی کرنے کا تو دعویٰ کیا ہے لیکن آپ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کی پیروی کیوں نہیں کی۔ جو حضرت محمد بن حنفیہ سے بدرجہا افضل ہیں۔ کیونکہ حضرت حسین صحابی ہیں اور حضرت محمد بن حنفیہ صحابی نہیں تابعی ہیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فضیلت مروی نہیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خصوصی فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل:

چنانچہ ارشاد فرمایا:

الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ۔ (ترمذی)

''حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔''

قال رسول اللہ ﷺ حسین منی و انا من حسین احب اللہ من احبّ حسینًا حسینٌ سبط من الاسباط۔ (ترمذی)

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں (یعنی آپس میں گہرا محبت کا تعلق ہے) جو حسین سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا، حسین میری اولاد میں سے میرے بیٹے ہیں۔''

عن انسؓ قال سئل رسول اللہ ﷺ ای اھل بیتك احب الیك قال الحسن والحسین۔ (ترمذی)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنے اہل بیت (گھر والوں) میں سے کون زیادہ پیارا ہے تو فرمایا حسن اور حسین۔''

ان حضرات کے اور فضائل بھی مذکور ہیں یہاں بطور نمونہ بعض کا ذکر کر دیا ہے (ملاحظہ ہو مشکوۃ شریف) حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کو نا اہل قرار دے کر ہی اس کی مخالفت کی ہے۔ اگر حضرت محمد بن حنفیہ ان کے سامنے یزید کا صالح اور عادل ہونا ثابت کر سکتے تو آپ مخالفت کیوں کرتے اور گو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت محمد بن حنفیہ نے کوفہ جانے سے روکا ہے لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی بات تسلیم نہیں کی۔ علاوہ ازیں امام حسین رضی اللہ عنہ بہ نسبت محمد بن حنفیہ یزید سے زیادہ واقف تھے بعض روایات کی بنا پر آپ جنگ قسطنطنیہ میں بھی اس کے ساتھ رہے ہیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر بھی اس جنگ میں شامل تھے۔ لیکن باوجود اس کے ان دونوں جلیل القدر صحابیوں نے یزید کی کھلم کھلا مخالفت کی ہے حتیٰ کہ اپنے موقف پر قائم رہنے کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ ان کے نزدیک یزید فاسق تھا تو پھر سندیلوی صاحب بجائے حضرت محمد بن حنفیہ کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف کیوں نہیں قبول کرتے؟ ہم تو حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تحقیق کو حضرت محمد بن حنفیہ پر ترجیح دیتے ہیں اور اہل مدینہ کے

اصحاب وتابعین کو جنہوں نے یزید کو فاسق قرار دیا اور یزید کی بیعت توڑ کر اس کا مقابلہ کیا تھا۔ اور حضرت محمد بن حنفیہ کا قول صحیح مان کر بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعد میں یزید کے کردار میں تبدیلی آ گئی تھی۔

مولانا ظفر احمد عثمانی:

مشاجرات صحابہ کی بحث میں سندیلوی صاحب نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب محدث عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "براۃ عثمان" کو اپنی تائید میں پیش کیا ہے جس کا مختصر جواب دے دیا گیا۔ حالانکہ حضرت مولانا عثمانی حسین و یزید کے بارے میں سندیلوی صاحب کے موقف کے خلاف ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف خروج کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ حضرت امام کو روایتیں ایسی پہنچی تھیں جس سے یزید کا فاسق ہونا لازم آتا تھا۔ اور فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا مستحق عزل ہو جاتا ہے۔ پس امام کا یزید کے خلاف خروج کرنا بالکل صحیح تھا۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے یزید کو صراحتاً فاسق قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو اعلاء السنن جلد ۱۲ ص ۶۱۸)۔

ان کی پوری عبارت بندہ نے اپنی کتاب "کشفِ خارجیت" میں نقل کر دی ہے۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ فاسق خلیفہ کے معزول ہونے اور نہ ہونے میں اجتہادی اختلاف پایا جاتا ہے جس پر بحث کرنے کی یہاں حاجت نہیں۔ بہر حال سندیلوی صاحب کا موقف خلاف تحقیق ہے۔

امام غزالی کا ارشاد:

سندیلوی صاحب یزید کے دفاع میں لکھتے ہیں: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا الزام ان پر ثابت نہیں۔ ائمہ اربعہ کے بعد سب سے عظیم جامع الصفات شخصیت یعنی امام غزالی رحمہ اللہ نے تو اپنے فتوی میں صاف لکھا ہے کہ:

وما صح قتله الحسين رضى الله عنه ولا امر به ولا رضيه و

ممهما لا يصح ذلك منه لا يجوزان يظن ذلك به فان اساءة الظن بالمسلم ايضا حرام وقد قال تعالیٰ (اجتنبوا كثيرا من الظنّ) ثم قال النبی ﷺ ان الله حرم من المسلم دمه وماله وعرضه وان يظن به ظن السوءً۔

ترجمہ: یزید کا حضرت حسین کو قتل کرنا یا اس کا حکم دینا یا اس پر راضی ہونا ہرگز ثابت نہیں اور جب تک ثابت نہ ہو اس وقت تک اس کا الزام یزید پر کیسے لگایا جا سکتا ہے جبکہ کسی مسلمان پر الزام تراشی قطعی حرام ہے ارشادِ الٰہی ہے کہ ''بدگمانیاں کرنے سے بچو، کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے مسلمان کا مال۔ اس کی جان۔ اس کی عزت و آبرو اور اس کے متعلق بدگمانی کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔'' بلکہ اسی فتویٰ کے اگلے حصے میں امام صاحب نے یزید پر الزام قتل لگانے والوں کے لیے نہایت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں جس کا جی چاہے اصل فتویٰ پڑھ لے۔ امام صاحب نے اپنے اس فتوی کا جامع خلاصہ احیاء العلوم کتاب آفتاب اللسان۔ الآفة الثامنة اللعن میں بھی دیدیا ہے الخ (جواب شافی ۱۷، ۱۸) حاشیہ میں ناشر صاحب نے نمبر ا کے تحت لکھا ہے کہ: امام غزالی کا یہ مکمل فتویٰ عربی مع اردو ترجمے کے پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے اور بیس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر بالاکوٹ اکیڈیمی سے حاصل کیا جا سکتا ہے (ناشر) امام غزالی کی مشہور کتاب احیاء العلوم کا بھی اردو ترجمہ ہو چکا ہے جو مولانا احسن نانوتوی نے کیا ہے۔ یہ حوالہ اس کی ج ۳ ص ۱۳۷ پر موجود ہے۔

الجواب:

سندیلوی صاحب کا دعویٰ تو ہے یزید کے صالح و عادل خلیفہ ہونے کا، حالانکہ امام غزالی کی مندرجہ عبارت میں تو یزید کے صالح و عادل ہونے کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ اس میں تو امام غزالی نے یہی فرمایا ہے کہ یزید قاتل حسین نہیں وغیرہ۔ اس لیے بغیر ثبوت کے اس کے ساتھ اس قسم کی بدظنی نہیں کرنی چاہیے۔ یزید کو امام غزالی نے مسلمان قرار دیا ہے نہ کہ

صالح و عادل مسلمان۔ کیا ہر مسلمان عادل و صالح ہوتا ہے؟

لعن یزید کا مسئلہ:

امام غزالی نے احیاء العلوم باب چہارم ''آفات لسان'' میں آٹھویں آفت (لعنت کرنا) کے تحت اس کی تفصیل لکھی ہے کہ کس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ کس پر نہیں۔ اسی سلسلے میں شخص معین پر لعنت کرنے کا حکم لکھا ہے فرماتے ہیں: اور نعمان شراب پیا کرتا، کئی بار آنحضرت ﷺ کی مجلس میں اس کو سزا ہوئی۔ پس بعض صحابہ نے کہا خدا کی لعنت اس شخص پر اکثر یہی پکڑا آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ''نہ ہو تو مددگار شیطان کا اپنے بھائی پر'' اور بعض روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ مت کہہ کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے۔ غرض یہ کہ شخص معین کی لعنت سے اس کو روک دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معین آدمی فاسق کی لعنت جائز نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ معین لوگوں کی لعنت میں خرابی ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور اگر کوئی بالفرض شیطان ہی کو لعنت نہ کرے اور سکوت اختیار کرے تو کچھ اندیشہ نہیں۔ شیطان سے بڑھ کر کوئی تو اور کیا ہوگا۔ رہا یزید کی لعنت کا حال کہ اگر اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا اجازت قتل دی تو اس کو لعنت کہنا درست ہے یا نہیں۔ تو اس کا یہ حال ہے کہ قتل و اجازت دونوں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتے۔ لعنت کا تو کیا ذکر ہے جب تک اس کا قتل و اجازت ثابت نہ ہو تب تک اس کو قاتل اور اجازت دہ بھی نہ کہنا چاہیے اس لیے کہ قتل گناہ کبیرہ ہے اس کی نسبت مسلمان کی طرف بلا ثبوت کامل نہیں ہوسکتی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کسی کو کافر یا فاسق کہے اگر وہ ایسا نہ ہوگا تو یہ لفظ کہنے والے ہی پر لوٹ آئے گا۔ اور ہم نے جو یزید کی لعنت کا یہاں ذکر کیا ہے تو اسی لیے کیا کہ لوگ لعن کے باب میں جھٹ پٹ زبان کھول دیتے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں آچکا ہے کہ مومن لعنت کنندہ نہیں ہوتا تو چاہیے کہ جو شخص کفر پر مر گیا ہو اس کے سوا پر زبان لعن نہ کھولیں اور اگر لعنت ہی کو دل چاہے تو معین شخص کا ذکر نہ کریں وصف عام کے طور پر لعنت کریں جیسا کہ اوپر مذکور

ہوا۔ (مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم جلد ۲، ص ۱۲۷، ۱۲۸ مترجم مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی)

یہ وہی ترجمہ ہے جس کا حوالہ ناشر صاحب نے حاشیہ ص ۱۳۸ میں دیا ہے۔ اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ کیا امام غزالی کی اس ساری عبارت میں کہیں اس بات کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ یزید صالح و عادل مسلمان تھا۔ ہرگز نہیں۔ یہاں تو امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کسی فاسق معین پر لعنت نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ نعمان نامی ایک شخص جو شراب پیتا تھا اور کئی مرتبہ اس کو سزا بھی مل چکی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت کرنے سے بھی صحابہ کو منع فرما دیا اسی سلسلہ میں امام غزالی رحمہ اللہ نے یزید کا ذکر بھی کیا ہے کہ اس پر بھی لعنت نہیں کرنی چاہیے اور یہاں بھی یہی فرمایا ہے کہ یزید کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا یا اس کی اجازت دینا ثابت نہیں اور شخص معین پر لعنت نہ کرنے کے مسئلہ میں یزید کی مثال پیش کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ (صرف قتل یا اجازت قتل کی یزید سے نفی کرتے ہیں) یزید کے فاسق ہونے کے قائل ہیں کیونکہ اگر آپ یزید کو صالح و عادل مانتے ہوتے اور آپ سے یزید پر لعن کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ پوچھا جاتا تو صاف طور پر جواب میں فرماتے کہ وہ تو صالح اور عادل خلیفہ ہے اس پر لعن کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

بہرحال امام غزالی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سندیلوی صاحب کی موید نہیں اور نہ ہمارے خلاف ہے۔ کیونکہ بندہ باتباع اکابر یزید کو فاسق قرار دیتا ہے نہ اس کی تکفیر کرتا ہے نہ لعن۔ البتہ امام غزالی رحمہ اللہ کی یہ عبارت ان حضرات کے جواب میں پیش کی جا سکتی ہے جو یزید کو قاتل یا قتل کی اجازت دینے والا سمجھتے ہیں یا فاسق قرار دے کر بھی اس پر لعنت کو جائز کہتے ہیں۔

چوری پکڑی گئی:

سندیلوی صاحب نے تاریخ ابن خلکان اور البدایہ والنہایہ سے امام غزالی رحمہ اللہ کے فتویٰ کا تو حوالہ دیدیا ہے لیکن اس کا پس منظر نہیں بتایا جس کی وجہ سے ان کی تحقیق بے نقاب ہو جاتی تھی۔

فقیہ الکیا الہراسی کا فتویٰ:

حافظ ابن کثیر محدث و مفسر نے حضرت علی بن محمد کے ترجمہ میں لکھا ہے:

علی بن محمد بن علی بن عماد الدین ابو الحسن طبری ویعرف بالکیا الھراسی۔ احد الفقھاء الکبار من رؤوس الشافعیۃ ولد سنۃ خمس واربعمائۃ واشتغل علی امام الحرمین وکان ھو والغزالی اکبر التلامذۃ وقد ولی کل منھما تدریس النظامیۃ ببغداد وقد کان ابو الحسن ھذا فصیحاً جھوری الصوت جمیلاً وکان یکرر لعن ابلیس علی کل مرقاۃ من مراقی النظامیۃ بنیسابور سبع مرات وکانت المراقی سبعین مرقاۃً۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۱۲ ص ۱۷۲)

"علی بن محمد بن علی بن عماد الدین ابوالحسن طبری جو الکیا الہراسی کے نام سے مشہور ہیں اکابر شافعیہ کے فقہائے کبار میں سے ہیں آپ کا سن ولادت ۴۰۵ھ ہے۔ آپ امام الحرمین کے شاگرد ہیں اور آپ اور (امام) غزالی رحمہ اللہ امام الحرمین متوفی ۴۷۸ھ کے بڑے تلامذہ میں سے تھے اور دونوں بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی مسند تدریس پر فائز رہے ہیں ابوالحسن مذکور بڑے فصیح بلند آواز اور خوبصورت تھے اور آپ مدرسہ نظامیہ بمقام نیشاپور کی ہر سیڑھی پر سات مرتبہ ابلیس پر لعنت کہتے تھے اور مدرسہ کی ستر سیڑھیاں تھیں۔"

اس کے بعد ان کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک وقت آپ کو اس تہمت کی وجہ سے کہ آپ کا باطنیہ فرقہ کی طرف میلان ہے تدریس سے ہٹا دیا گیا تھا۔ پھر ابن عقیل وغیرہ علماء کی ایک جماعت نے گواہی دی کہ یہ اس الزام سے بری ہیں تو پھر آپ کو تدریس پر لگا دیا گیا۔ ان کے تذکرہ میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن خلکان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

واستفتی فی یزید بن معاویۃ فذکر عنہ تلاعبا وفسقًا وجوز

شتمه ۔ واما الغزالی فانه خالف فی ذلك ومنع من شتمه ولعنه لانه مسلم ولم يثبت بانه رضی بقتل الحسين ولو ثبت لم يكن ذلك مسوغا للعنه لان القاتل لا يلعن لاسيما وباب التوبة مفتوح والذی يقبل التوبة عن عباده غفور رحيم۔ قال الغزالی واما الترحم عليه فجائز بل مستحبٌ بل نحن فترحم عليه فی جملة المسلمين والمومنين عموماً فی الصلوات ذكره ابن خلكان مبسوطا بلفظه فی ترجمة كياهذا۔ قال والكيا كبير القدر مقدم معظم والله اعلم۔(البدايه والنهايه جلد ١٢ ص ١٧٣)

''یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ سے فتویٰ لیا گیا تو آپ نے اس کے کھیل کود اور فسق کا ذکر کیا اور اس کو برا کہنا (لعن کرنا) جائز قرار دیا مگر امام غزالی رحمہ اللہ نے اس میں ان کی مخالفت کی اور اس (یعنی یزید) کو برا کہنے (لعنت کرنے) سے منع کیا کیونکہ وہ مسلمان ہے اور یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی تھا اور اگر یہ بات ثابت بھی ہو جائے تو اس سے اس پر لعنت کرنا جائز نہیں قرار پاتا۔ کیونکہ قاتل پر بھی لعنت جائز نہیں ہے، خصوصاً اس لیے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور وہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے وہ غفور رحیم ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: مگر ترحم اس پر جائز ہے (یعنی اس کے لیے مغفرت کی دعاء کرنا) بلکہ مستحب ہے۔ بلکہ ہم عموماً نمازوں میں دوسرے مسلمین ومومنین کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں تو وہ بھی ان میں شامل ہوتا ہے۔ ابن خلکان نے حضرت الکیا الہراسی کے ترجمہ میں اس فتویٰ کا بلفظہ بسط سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ الکیا الہراسی بڑی قدر ومنزلت والے مقتدا تھے۔ (واللہ اعلم)

عبرت:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی نقل کردہ مندرجہ عبارت سے ثابت ہوا کہ امام غزالی کے ہمدرس مشہور فقیہ الکیا الہراسی متوفی ۵۰۴ھ نے یزید کے فاسق ہونے کی بنا پر اس کو برا کہنے (لعنت کرنے) کا فتویٰ دیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ کے وقت یزید کی شخصیت زیر بحث رہتی تھی اور اس کا فسق اتنا مشہور تھا کہ فقیہ الکیا الہراسی نے اس کو (لعن کرنے) برا کہنے کے جواز کا فتوی دیا اور پھر امام غزالی رحمہ اللہ نے ان کے اس فتوے سے جو اختلاف کیا ہے تو اس کے فاسق ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ اس پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھا اور مسلمان پر لعنت جائز نہیں ہے اگر امام غزالی رحمہ اللہ کو اپنے ہمدرس فقیہ الکیا الہراسی سے یزید کو فاسق کہنے میں اختلاف ہوتا تو اپنے فتویٰ میں اس بات کی وضاحت کرتے کہ یزید فاسق نہیں بلکہ ایک صالح وعادل خلیفہ ہے۔ اس لیے اس کو برا کہنا جائز نہیں ہے۔ آپ نے اس کو فاسق کہنے پر بالکل نکیر نہیں کی۔ حالانکہ فقیہ الکیا الہراسی نے اپنے فتویٰ میں یزید کے متعلق لکھا ہے کہ:

وكيف لايكون كذلك وهو اللاعب بالنرد والمتصيد بالغهو دومد من الخمر...... الخ۔

(ابن خلكان ج ۳ ص ۲۸۷ مطبع بيروت)

اور یزید قابل لعنت کیوں نہ ہو حالانکہ وہ چوسر کھیلنے والا ہے، چیتوں سے شکار کرتا ہے اور شراب کا عادی (رسیا) ہے البتہ بوجہ مسلمان ہونے کے اس پر لعنت کرنے سے منع فرمایا۔ اور مولانا سندیلوی صاحب سے ہماری بحث یزید کے فاسق ہونے کے بارے میں ہے نہ کہ لعنت کرنے میں باقی رہا یہ کہ یزید پر ترحم جائز بلکہ مستحب ہے تو اس سے اس کے فاسق ہونے کی نفی نہیں لازم آتی البتہ اس کے کافر ہونے کی نفی ہوتی ہے اور مسلمان نیک بھی ہوتا ہے بد بھی۔ فاسق بھی ہوتا ہے اور صالح بھی، چور بھی ہوتا ہے اور زانی بھی، باوجود کبیرہ گناہوں اور فسق وفجور کے اس کو مسلمان ہی قرار دیا جاتا ہے۔ فاسق وفاجر

مسلمان کا جنازہ بھی پڑھا جاتا ہے اور اس کے لیے دعائے مغفرت بھی کی جاتی ہے۔ تو جب ہر مسلمان کے لیے دعائے مغفرت کی جاتی ہے خواہ وہ فاسق و فاجر شرابی اور بدکار ہی ہو تو امام غزالی رحمہ اللہ نے اگر یزید کو اہل اسلام میں شمار کر کے دیگر مسلمانوں کی طرح اس کے لیے دعائے مغفرت کو جائز بلکہ مستحب قرار دیا ہے تو اس سے اس کا صالح اور عادل خلیفہ ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟

عباسی کی تلبیس:

محمود احمد عباسی صاحب امام غزالی کا فتویٰ نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں: حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ نے شافعی فقیہ عماد الدین ابوالحسن علی الکیا الہراسی متوفی ۵۰۴ھ کے ایک استفسار کے جواب میں امیر یزید کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے اور ایک مومن کی حیثیت سے ان پر رحمتہ اللہ علیہ کہنے کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: ویزید صح اسلامه الخ (خلافت معاویہ ویزید، طبع چہارم ص ۱۳) یہاں عباسی صاحب نے یہ تلبیس کی ہے کہ فقیہ الکیا الہراسی کو بطور مستفتی (فتویٰ لینے والا) ظاہر کیا ہے گویا کہ ان کے استفتاء پر امام غزالی رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا ہے (اور فقیہ الکیا الہراسی کے فتویٰ کا بالکل ذکر نہیں کیا جس میں انہوں نے یزید پر لعنت کرنا جائز قرار دیا ہے) حالانکہ یزید کے متعلق استفسار کرنے والا کوئی اور ہے جس نے فقیہ الکیا الہراسی اور امام غزالی رحمہ اللہ دونوں سے علیحدہ علیحدہ مسئلہ دریافت کیا اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ جواب دیا ہے۔ یہ ہے پاکستان میں بانی یزیدیت کی علمی خیانت اور تلبیس جن کو ان کے مقلد مولوی عظیم الدین (کراچی) شیخ الاسلام اور امام اہل سنت لکھتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، حیات سیدنا یزید ص ۱۴۶ طبع اوّل)

یزیدی گروہ امام غزالی رحمہ اللہ کے اس فتویٰ کو اشتہارات اور پمفلٹوں کی شکل میں ملک بھر میں پھیلا رہا ہے اور ناشر صاحب نے ''جواب شافی'' میں بڑے طمطراق سے اس کے اردو ترجمہ کا پتہ بھی لکھ دیا ہے یہ کتنی بڑی تلبیس ہے اور یہ کس قسم کی دینداری اور دیانتداری ہے؟ علاوہ ازیں یترحم علیه کا ترجمہ عام طور پر عباسی گروہ: ''رحمتہ اللہ علیہ'' سے کرتا

ہے۔ حالانکہ عرفاً رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ بزرگوں کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں اور اگر بوجہ مسلمان ہونے کے (خواہ کوئی فاسق ہی ہو) ان کے نزدیک رحمۃ اللہ علیہ کہنا صحیح ہے تو پھر پاکستان کے فساق کے لیے بھی رحمۃ اللہ علیہم کہنا چاہیے۔ چاہیے کہ فاضل سندیلوی سابق صدر یحییٰ کو بھی رحمۃ اللہ علیہ سے یاد فرمائیں اور ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کو بھی رحمۃ اللہ علیہ سے مشرف فرمادیں (کیونکہ خود انہوں نے ان کو شیعہ مسلمان قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: میں انہیں (یعنی مودودی صاحب کو) مسلمان سمجھتا ہوں لیکن شیعہ اور گمراہ سمجھتا ہوں (اظہار حقیقت جلد اوّل حاشیہ ص ۱۱۸)۔ تو پھر ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا:

تماشہ خود نہ بن جانا تماشا دیکھنے والو

فتویٰ امام غزالی رحمہ اللہ اور سخت الفاظ:

امام غزالی رحمہ اللہ کے فتویٰ کے متعلق مولانا سندیلوی لکھتے ہیں: بلکہ اسی فتویٰ کے اگلے حصے میں امام صاحب نے یزید پر الزام قتل لگانے والوں کے لیے نہایت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جس کا جی چاہے اصل فتویٰ پڑھ لے۔ (جواب شافی ص ۱۸)

الجواب:

فقیہ الکیا الہراسی کا فتویٰ نقل کرنے کے بعد علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

وقد افتی الامام ابو حامد الغزالی رحمة اللّٰه تعالیٰ فی مثل هذه المسئلة بخلاف ذٰلك فانه سُئِلَ عمن صرح بلعن یزید هل یحکم بفسقه ام هل یکون ذٰلك مرخصاً فیه وهل کان مریداً قتل الحسین رضی اللّٰه عنه ام کان قصده الدفع ..... فاجاب لا یجوز لعن المسلم اصلاً ومن لعن مسلماً فهو الملعون وقد قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم المسلم لیس بلعانٍ وکیف یجوز لعن المسلم ولا یجوز لعن البهائم ..... ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسین رضی اللّٰه عنه او رضی به

فینبغی ان یعلم بہ غایۃ حماقۃ فان من قتل من الاکابر و الوزراء و السلاطین فی عصرہ لو اراد ان یعلم حقیقۃ من الذی امر بقتلہ و من الذی رضی بہ و من الذی کرھہ لم یقدر علی ذٰلک ..... فکیف یعلم ذٰلک فیما القضی علیہ قریب من اربعماۃ سنۃ فی مکانٍ بعید ..... فھٰذا امرٌ لا تعرف حقیقتہ اصلاً و اذا لم یعرف وجب احسان الظن بکل مسلم یمکن احسان الظن بہ و مع ھٰذا فلو ثبت علی مسلم انہ قتل مسلماً فمذھب اھل الحق انہ لیس بکافر و القتل لیس بکفر بل ھو معصیۃ و اذا مات القاتل فر بما مات بعد التوبۃ و الکافر لو تاب من کفرہ لم تجز لعنتہ فکیف من تاب عن قتل و لم یعرف ان قاتل الحسین رضی اللّٰہ عنہ مات قبل التوبۃ و ھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ فاذن لا یجوز لعن احد ممن مات من المسلمین و من لعنہ کان فاسقاً عاصیاً لِلّٰہِ تعالٰی و لو جَاز لعنہ فسکت لم یکن عاصیا بالاجماع بل لو لم یلعن ابلیس طول عمرہ لا یقال لہ یوم القیمۃ لم لم تلعن ابلیس. و یقال لِلاّعن لِم لعنت و من این عرفت انہ مطرود معلون و الملعون ھو المبعد من اللّٰہ عزوجل و ذلک غیب لا یعرف الا فیمن مات کافرا.

(ترجمہ) ''اور امام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ نے اسی قسم کے مسئلہ میں اس (یعنی فقیہ الکیا الہراسی کے فتویٰ) کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ کیونکہ جب آپ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے یزید پر لعنت کرنے کی تصریح کی ہے کہ کیا اس کو فاسق قرار دیا جائے گا، یا اس میں کوئی رخصت (گنجائش) ہے۔ اور کیا یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا ارادہ کیا تھا یا اس کا ارادہ صرف دفاع کا تھا۔ تو امام غزالی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا کہ کسی مسلمان پر لعنت

کرنا اصلاً جائز نہیں ہے اور جو کسی مسلمان پر لعنت کرتا ہے وہ ملعون ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان زیادہ لعنت کرنے والا نہیں ہوتا اور مسلمان پر لعنت کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے حالانکہ بھائم (چوپایوں) پر لعنت جائز نہیں ہے۔ اور جس شخص کا یہ گمان ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا یا اس پر راضی تھا تو وہ پرلے درجے کا احمق ہے کیونکہ اگر اس کے زمانہ میں اکابر، وزراء اور سلاطین میں سے کوئی قتل ہو جائے اور وہ اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ کس نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے اور کون اس پر خوش ہے اور کون اس کو ناپسند کرتا ہے تو وہ نہیں معلوم کر سکے گا...... تو اس کی حقیقت کیوں کر معلوم ہوسکتی ہے جبکہ اس پر چار سو سال گزر چکے ہیں اور وہ جگہ بھی دور ہے۔ اور یہ ایسا امر ہے جس کی حقیقت بالکل نہیں معلوم ہوسکتی۔ اور جب اس کی حقیقت نہیں معلوم ہوسکتی تو جہاں تک ممکن ہے ہر مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہیے اور باوجود اس کے اگر ثابت ہو جائے کہ کسی مسلمان نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہے تو اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہے اور قتل کرنا کفر نہیں بلکہ معصیت (گناہ) ہے اور جب قاتل مرتا ہے تو بسا اوقات توبہ کر کے مرتا ہے اور کافر اگر اپنے کفر سے توبہ کرلے تو اس پر لعنت جائز نہیں تو اس شخص پر کیونکر لعنت جائز ہوسکتی ہے جو قتل سے توبہ کرلے اور یہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل بلا توبہ مرا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرلیتا ہے تو اس صورت میں مرنے والے کسی مسلمان پر بھی لعنت جائز نہیں ہے اور جو کسی مسلمان پر لعنت کرتا ہے وہ فاسق اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے، اور اگر اس پر لعنت جائز بھی ہو اور وہ خاموش رہے (اور لعنت نہ کرے) تب بھی وہ بالاجماع گناہ گار نہ ہوگا، بلکہ اگر وہ ابلیس پر بھی ساری عمر لعنت نہ کرے تو قیامت کے دن اسے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تو نے ابلیس پر لعنت کیوں نہیں کی، اور (مسلمان پر) لعنت کرنے والے سے کہا جائے گا کہ تو نے کیوں لعنت کی ہے اور تو نے کس بنا پر یہ معلوم

کیا کہ وہ مطرود اور ملعون ہے، اور ملعون (مطرود) وہ شخص ہے جو اللہ کی
رحمت سے دور کر دیا جائے اور یہ غیب کی بات ہے جو معلوم نہیں ہو سکتی سوائے
اس شخص کے جو کافر ہو کر مرا ہو)۔"

الجواب:

①...... ہم نے امام غزالی رحمہ اللہ کے زیر بحث فتویٰ کا اکثر حصہ نقل کر دیا ہے اب ناظرین خود ہی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ امام غزالی رحمہ اللہ کے اس فتویٰ میں یزید کے صالح اور عادل ہونے کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اور آپ سے سوال بھی صرف یہی کیا گیا تھا کہ یزید پر لعنت کرنے والا فاسق ہے یا نہیں۔ اور آپ نے جواب میں یہی فرمایا کہ چونکہ یزید مسلمان ہے اور یہ بات ثابت نہیں ہے کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا ہے یا اس پر راضی تھا۔ اس لیے اس پر لعنت جائز نہیں ہے اور سوائے اس شخص کے جو کفر پر مرا ہو کسی پر بھی لعنت جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آپ فرماتے ہیں کہ (بہائم) چوپاؤں (درندوں) پر بھی لعنت جائز نہیں ہے بلکہ امام غزالی رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ ابلیس پر بھی لعنت ضروری نہیں ہے۔

ہم سندیلوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کسی پر لعنت نہ کرنے کا فتویٰ دینے سے اگر اس شخص کا صالح اور عادل ہونا لازم آتا ہے تو پھر کوئی مسلمان بھی فاسق قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ ہر مسلمان کو صالح و عادل ماننا پڑے گا۔ خواہ وہ زانی اور شرابی ہی کیوں نہ ہو بلکہ چوپاؤں اور درندوں کو بھی صالح قرار دینا چاہیے خواہ وہ کتنے ہی ناپاک اور موذی ہوں۔ (مثلاً کتا اور خنزیر وغیرہ) کیونکہ امام غزالی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ ان پر لعنت جائز نہیں بلکہ لعنت اللہ علی الظالمین کہنا بھی شاید صحیح نہ ہوگا کیونکہ ہر ظالم کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ توبہ کر کے مرا ہو:

نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری

ہم حیران ہیں کہ مولانا سندیلوی نے امام غزالی رحمہ اللہ کا فتویٰ یزید کے صالح و عادل

ہونے کی تائید میں کیسے پیش کر دیا۔

②......امام غزالی رحمہ اللہ کے الفاظ بیشک سخت ہیں کہ یزید پر لعن کرنے والا احمق ہے اور عاصی اور فاسق بلکہ ملعون ہے اور اس کی زد آپ کے ہمدرس فقیہ الکیا الہراسی پر بھی پڑتی ہے۔ (جن کو خود علامہ ابن خلکان فقیہ اور محدث اور ثانی امام غزالی رحمہ اللہ لکھ رہے ہیں) کیونکہ وہ یزید پر لعن کے قائل ہیں۔ بلکہ انہوں نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ بھی یزید پر لعن کے قائل ہیں۔

ائمہ اربعہ بھی یزید پر لعنت کے قائل ہیں:

چنانچہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

وسئل الكيا ايضاً عن يزيد بن معاوية فقال انه لم يكن من الصحابة لانه ولد في ايام عمر بن الخطاب رضى الله عنه. واما قول السلف فيه لاحمد قولان تلويح و تصريح ولمالك قولان تلويح وتصريح ولابى حنيفة قولان تلويح و تصريح ولنا قول واحد التصريح دون التلويح و كيف لا يكون كذلك وهو الاعب بالنرد و المتصيد بالفهود ومدمن الخمر وشعره فى الخمر معلوم الخ.

(ابن خلكان جلد ٣ ص ٢٨٧)

"اور الکیا الہراسی سے یزید کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ صحابہ میں سے (تو) نہ تھا کیونکہ وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایام (خلافت) میں پیدا ہوا ہے [1] اور سلف (صالحین) میں سے اس کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ بن حنبل کے دو قول ہیں تلویح (اشارہ) بھی ہے اور تصریح بھی (یعنی اس پر لعنت کرنا جائز ہے) اور امام مالک رحمہ اللہ کے بھی اس میں دو قول ہیں

---

[1] اس میں سہو ہوا ہے، کیونکہ یزید حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں پیدا ہوا تھا۔

تلویح بھی اور تصریح بھی اور امام (اعظم) ابو حنیفہ کے بھی دو قول ہیں تلویح بھی ہے اور تصریح بھی، اور ہمارا (یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کا کیونکہ فقیہ الکیا الہراسی رحمہ اللہ فقہ میں شافعی مذہب رکھتے ہیں) ایک ہی قول ہے تصریح کا نہ تلویح و اشارہ کا (یعنی فقہائے شافعیہ یزید پر لعنت کے جواز کی تصریح کرتے ہیں اشارہ سے کام نہیں لیتے) اور اس پر لعن کیونکر جائز نہ ہو حالانکہ وہ چوسر کی بازی کھیلتا تھا، چیتوں سے شکار کرتا تھا، اور شراب کا خوگر تھا، اور شراب کے بارے میں اس کے شعر معلوم ہیں...... الخ۔"

اور علامہ ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی متوفی ۸۴۰ھ نے بھی فقیہ الکیا الہراسی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت اپنی کتاب "الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم" میں نقل کی ہے۔ (ملاحظہ ہو الروض الباسم حصہ دوم ص ۱۴۱ طبع بیروت)

علاوہ ازیں بعد میں امام ابن جوزی رحمہ اللہ وغیرہ بھی یزید پر لعن کے قائل ہیں۔ اب مولانا سندیلوی ہی فرمائیں کہ امام غزالی رحمہ اللہ کے منقولہ فتویٰ کی زد سے تو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ بھی نہیں بچ سکتے تو وہ اس پر کیوں اتنا اترا رہے ہیں۔

امام غزالی کے فتویٰ کی حیثیت:

امام غزالی رحمہ اللہ کا زیر بحث منقولہ فتویٰ اس دور کا ہے جبکہ آپ ایک فلسفی اور مناظر تھے۔ شاہی جاہ وجلال اور حشمت وعظمت کا مظہر تھے لیکن جب رحمت حق نے دستگیری فرمائی تو دنیوی جاہ وجلال کی ساری زنجیریں توڑ کر صحرا نورد ہو گئے۔ اکابر اہل اللہ کی صحبت اور ریاضات ومجاہدات کے نتیجہ میں ان کو قرب حق کی عظیم نعمت ملی۔ نور خلوص وتقویٰ سے باطن مزین ہوا۔ للّٰہیت کے جلوے نصیب ہوئے۔ تو پھر آپ نے جو کچھ لکھا اس میں علم و معرفت کے انوار تھے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کے اس عرفانی انقلاب کے احوال خود بھی اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں تحریر فرمائے ہیں تزکیہ نفس اور تجلیہ باطن کے دور میں ہی آپ نے اپنی مایہ ناز کتاب احیاء العلوم لکھی ہے جس میں معارف وحقائق کا

بیان ہے۔ گو اکابر محدثین کے نزدیک فن حدیث کے معیار پر یہ کتاب پوری نہیں اُترتی اور اس میں ضعیف اور موضوع روایات بھی ہیں لیکن معنوی حیثیت سے یہ کتاب ایک مجمع الانوار ہے۔ امام موصوف نے احیاء العلوم میں یزید کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں وہ سخت الفاظ نہیں ہیں جو آپ کے مذکورہ فتویٰ میں ہیں بلکہ یزید پر لعن نہ کرنے کا مسئلہ آپ نے باب آفات اللسان میں ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا اب امام غزالی رحمہ اللہ کے مسلک کا فیصلہ احیاء العلوم کی عبارت پر کیا جائے گا نہ کہ شاہانہ رعب و دبدبہ اور جاہ پسندی کے دور کے فتویٰ پر۔ ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

امام اعظم رحمہ اللہ اور امام غزالی رحمہ اللہ:

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب منخول میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تنقیص وتوہین کی ہے۔ اس کے متعلق بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ منخول یا تو امام غزالی رحمہ اللہ کی تصنیف ہی نہیں یا اس میں ایسی باتیں الحاقی ہیں یا ایسی باتیں امام صاحب نے عالم شباب میں لکھی ہیں جن سے بعد میں رجوع کر لیا۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ امام صاحب (یعنی امام غزالی رحمہ اللہ) نے آغاز شباب میں ایک کتاب منخول نام اصول فقہ میں تصنیف کی تھی جس میں ایک موقعہ پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر نہایت سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی تھی اور نہایت گستاخانہ الفاظ ان کی شان میں استعمال کیے تھے۔ (الغزالی ص ۵۶)

❀ اس کے حواشی میں لکھتے ہیں: منخول اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اس کی طرز تحریر علانیہ شہادت دیتی ہے کہ وہ ابتدائی زمانے کی تصنیف ہے۔ خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شان میں جو گستاخیاں کی ہیں وہ ہرگز اس زمانے کی نہیں ہوسکتیں جب وہ تارک الدنیا اور صوفی ہو چکے تھے اور اس قسم کی طرز تحریر سے قطعی توبہ کر چکے تھے۔ مکاتبات میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام صاحب نے انکار کیا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شان میں کبھی گستاخانہ الفاظ استعمال نہیں کیے۔ اس لیے یا تو یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اس قدر عبارت جو

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی تنقیص میں ہے الحاقی ہے یا یہ قرار دینا چاہیے کہ جو کتاب امام غزالی رحمۃ اللہ نے شباب میں تصنیف کی تھی وہ منخول نہیں بلکہ اور کتاب تھی اور امام صاحب نے بعد میں اس کو اپنی تصنیفات سے خارج کر دیا تھا۔ (حاشیہ ص ۵۷)

❀ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ مکی متوفی ۹۷۳ھ منخول کے متعلق لکھتے ہیں یونہی منخول میں جو امام حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ کی طرف منسوب ہے اس قسم کی چند باتیں مذکور ہیں اور میں نے امام غزالی رحمۃ اللہ کی طرف منسوب اس لیے کہا کہ اس کتاب میں جو کچھ مذکور ہے ان سب کی نسبت امام کی طرف صحیح نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بیہودہ الفاظ بھی کسی نے گھڑے ہیں اور اس پر دلیل یہ تھی کہ خود امام حجۃ الاسلام نے احیاء العلوم میں جو ان سے متواتر ہے اس قسم کے (امام اعظم کے) مناقب لکھے ہیں۔ جو ان کے کمال شان کے لائق ہیں اور اس کا جواب بعض حنفیہ نے یہ دیا ہے کہ اولاً نہیں مانتے کہ یہ امام حجۃ الاسلام (غزالی رحمۃ اللہ) نے لکھا ہے اور اگر بالفرض والتقدیر مان بھی لیں تو وہ اپنے ابتدائی زمانہ میں لکھا ہے جب متعصبین فقہاء کے طرز پر تھے مگر جب ان سے ترقی کی اور ان کے اخلاق پاک ہوئے اور اپنے رتبہ کمال کو پہنچے تو اس قول شنیع سے رجوع کیا اور حق بات کتاب احیاء العلوم میں لکھی......الخ۔

(الخیرات الحسان مترجم ص ۸۰ مطبوعہ استنبول، ترکی)

بہرحال امام غزالی رحمۃ اللہ کے زمانہ شباب کے فتوے کو حجت بنانا صحیح نہیں بلکہ یزید کے بارے میں امام غزالی رحمۃ اللہ نے جو کچھ احیاء العلوم میں لکھا ہے اس کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

احیاء العلوم کی تاثیر گاہے گاہے بازخواں:

امام غزالی رحمۃ اللہ کی تصانیف کی تاثیر کے متعلق اپنا تجربہ ہے کہ بندہ نے رمضان ۱۳۵۶ھ میں آپ کی فارسی تصنیف ''کیمیائے سعادت'' کے اردو ترجمہ ''اکسیر ہدایت'' کا کچھ حصہ پڑھا تھا جس کا قلب پر ایک خاص اثر پڑا، اس کے بعد شوال میں جب دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا تو وہاں مطالعہ کے لیے دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ سے کیمیا۔

سعادت حاصل کی۔ جس کے مطالعہ سے قلبی سکون حاصل ہوتا تھا۔ ۱۳۵۸ھ میں دارالعلوم کے دورۂ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد گھر میں دو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک عظیم ابتلا پیش آیا اور بندہ طویل المیعاد قید (بیس سال) کے لیے ۱۹۴۱ء میں جیل چلا گیا، وہاں لاہور سنٹر جیل میں بلند آواز سے اذان کہنے کے جرم میں ماخوذ ہوا تو پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں لگا کر مجھے ملتان نیوسنٹرل جیل میں بھیج دیا گیا پھر وہاں سے واپس لاہور اور لاہور سے سنٹرل جیل راولپنڈی میں منتقل کر دیا گیا اور یہ انتقامی کاروائی سنٹرل جیل لاہور کے سپرنٹنڈنٹ حبیب اللہ شاہ قادیانی نے کی تھی (کیونکہ میرے والد حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمۃ اللہ علیہ اور دجال وکذاب مرزا غلام احمد قادیانی آں جہانی کے مابین فوجداری مقدمات رہے تھے جن میں حضرت والد صاحب نے مرزا کو عدالت میں بہت رسوا کیا تھا۔ ان مقدمات کی تفصیلی روئیداد مولانا مرحوم کی کتاب ''تازیانہ عبرت'' میں مرقوم ہے اور بعض حالات کتاب ''کشف خارجیت'' میں بھی مذکور ہیں۔)

سنٹرل جیل راولپنڈی میں مجھے چکیوں (کوٹھڑیوں) میں بند کر دیا گیا اور قریباً اڑھائی سال چکیوں میں ہی محبوس رہا، اور شروع میں دو ہفتہ چکی پیسنے کی مشقت دی گئی۔ (بارہ سیر گیہوں روزانہ پیستا رہا، لیکن قلب بفضلہ تعالیٰ بالکل مطمئن تھا) بعد ازاں چرخہ کاتنے کی مشقت دی گئی چکیوں کے وارڈ کے انچارج ڈپٹی برکت علی صاحب گجرات کے رہنے والے تھے انہوں نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک رکھا۔ وہ ہیٹ پتلون پہننے والے نوجوان تھے۔ ایک دن میرے پاس آکر کہنے لگے کہ میرے والد صاحب نے مجھے مطالعہ کیلئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اکسیر ہدایت (ترجمہ کیمیائے سعادت) دی ہے اس کے مطالعہ کا مجھ پر اتنا اثر پڑا ہے کہ دنیا سے دل بھر گیا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ملازمت چھوڑ دوں۔ یہ ہے ایک عارف ربانی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا صدیوں بعد ایک روحانی اثر جس نے چند دنوں میں جیل کے ایک اپٹو ڈیٹ نوجوان افسر میں ایک ذہنی انقلاب پیدا کر دیا۔ راولپنڈی جیل سے مجھے پھر

لاہور سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا، آخر لاہور سنٹرل جیل سے ہی بندہ ۱۹۴۹ء میں رہا ہوا، جبکہ پاکستان قائم ہو چکا [1] تھا۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خطبۂ کربلا:

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عن محمد بن الحسن رضی اللہ عنهما قال لما نزل القوم بالحسين رضی اللہ عنه وايقن انهم قاتلوه قام فی اصحابه

---

[1] جیل سے ہی بندہ بذریعہ عریضہ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے بیعت ہوا تھا، جیل کی کوٹھڑیوں میں بندہ کو حضرت الشیخ کے تلقین فرمودہ ذکر کی توفیق زیادہ ملتی رہی۔ حضرت کے کرامت ناموں سے بھی مشرف ہوتا رہا، اور حضرت الشیخ کے توسل کی برکت سے حق تعالیٰ نے اتنا قلبی اطمینان نصیب فرمایا کہ جیل کی تنگ وتاریک کوٹھڑی سے بھی ایک قسم کا انس پیدا ہو گیا تھا، اور کسی قسم کی کوئی تشویش لاحق نہیں ہوتی تھی، اور امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم سے استفادہ کرنے کی جیل میں ہی توفیق ملی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے مواعظ وملفوظات سے استفاضہ بھی جیل میں ہی نصیب ہوا حضرت تھانوی کے ارشادات میں بھی ایک خاص روحانی تاثیر ہے اور گو حضرت تھانوی کی زیارت صرف ایک بار نصیب ہوئی تھی جبکہ دار العلوم دیوبند سے چند طلبہ کیساتھ بندہ بھی جمعہ کے دن تھانہ بھون حاضر ہوا تھا۔ نماز جمعہ کے بعد حضرت کے ملفوظات سننے کا بھی موقع نصیب ہوا۔ آپ نے اس وقت صوفیہ کرام کی اصطلاح قلندر اور ملامتی کی بھی تعریف فرمائی تھی۔ جو بندہ نے قلمبند کر لی تھی۔

(۲) قیام پاکستان کے انقلاب کی وجہ سے جب حضرت الشیخ سے خط وکتابت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو بندہ بذریعہ عریضہ مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی ومہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنے احوال لکھتا رہا اور حضرت مفتی صاحب بڑی شفقت فرماتے رہے۔ آخر حضرت مفتی صاحب کی خاص کوشش سے ہی بندہ کو اپنی میعاد سے کچھ پہلے سنٹرل جیل لاہور سے بفضلہ تعالیٰ رہائی نصیب ہوئی۔ (حسبنا اللہ ونعم الوکیل)

خطيباً فحمد اللّٰه واثنیٰ عليه ثم قال قد نزل من الامر ماترون وان الدنيا قد تغيرت وتنكرت وادبر معروفها وانشمرت حتى لم يبق منها إلاَّ كصبابة الاناء الاحسبى من عيش كالمرعى الوبيل الاترون الحق لا يعمل به والباطل لايتناهى عنه ليرغب المومن فى القآء اللّٰه تعالىٰ وانى لا ارى الموت الا سعادةً والحيوة مع الظالمين الا جرماً.

(احياء العلوم باب چهارم، وفات علی کرم اللّٰه وجهه ص ۴۰۷، مطبوعه مصر ۱۲۸۹ھ)

"حضرت محمد بن حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو آ گھیرا تو آپ کو یقین ہوا کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے تو اپنے یاروں میں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کر کے فرمایا کہ جو کچھ حال ہو رہا ہے تم دیکھتے ہی ہو، دنیا بدل گئی اور انجان ہوگئی، سلوک (یعنی بھلائی) نے منہ موڑ لیا، دنیا اتنی رہ گئی ہے جیسے برتن میں پانی کی تری، تو اب ایسی زندگی ناگوار ہے مجھ کو موت ہی پسند ہے، دیکھتے نہیں کہ حق بات پر عمل اور باطل سے باز رہنا اسی لیے ہے کہ ایماندار خدا تعالیٰ سے ملنے کی رغبت کرے اور مجھ کو موت ہی سعادت معلوم ہوتی ہے اور ان ظالموں کے ساتھ زندگی محرومی جانتا ہوں۔"

(مذاق العارفین، ترجمہ احیاء العلوم، از مولانا محمد احسن نانوتوی جلد ۴ ص ۵۳۳) [1]

اس عبارت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

امام غزالی رحمہ اللہ اور یزیدی اقتدار:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے منقولہ بالا خطبۂ کربلا سے یزیدی اقتدار کے متعلق

---

[1] مطلب یہ ہے کہ موت مجھے اس لیے محبوب ہے کہ آج کل حق پر عمل نہیں کیا جاتا اور امر باطل سے باز نہیں رہتے اور مومن کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ سے ملنے کی رغبت کرے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ یزیدی دور حکومت میں نیکیوں پر منکرات کا غلبہ ہو گیا تھا۔ ظلم و جفا کا زور ہو رہا تھا، اس لیے حضرت حسین نے آخر دم تک یزید کی اطاعت قبول نہ کی، اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے پر موت کو ترجیح دی۔ اور دفاعی جنگ کرتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے یزید کے صالح و عادل ہونے کے ثبوت میں امام غزالی رحمۃ اللہ کی احیاء العلوم، کتاب آفات اللسان جلد سوم کی عبارت جو پیش کی ہے اس سے تو ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس پر تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ ہی کی کتاب احیاء العلوم سے جو خطبہ کربلا ہم نے پیش کیا ہے۔ اس سے یزیدی اقتدار کے مظالم اور منکرات کا ثبوت ملتا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی سندیلوی صاحب یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ امام غزالی رحمۃ اللہ یزید کو صالح و عادل مانتے ہیں۔ عبرت، عبرت، عبرت۔

علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ کا موقف:

سندیلوی صاحب لکھتے ہیں مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے بھی فقہ اکبر کی شرح میں امام غزالی کے اس فتویٰ کا ذکر کر کے اس کی تائید میں مفصل بحث کی ہے اور بعض ان حنفی علماء کی تردید کی ہے جو یزید پر الزام تراشی کرتے ہیں۔

الجواب:

علامہ ملا علی قاری حنفی محدث رحمۃ اللہ نے شرح فقہ اکبر میں مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث کے بعد یزید پر لعنت کرنے اور نہ کرنے میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے شرح عقائد نسفی سے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ متوفی ۷۹۱ھ کی یہ عبارت نقل کی ہے:

وانما اختلفوا فی یزید بن معاویۃ حتی ذکر فی الخلاصۃ وغیرہ انہ لا ینبغی اللعن علیہ ای ولا علی یزیذ ولا علی الحجاج لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیٰ عن لعن المصلین ومن کان من

اهل القبلة وما نقل من لعنه علیہ الصلوٰۃ والسلام وسلم لبعض من اهل القبلة فلما انه يعلم من احوال الناس مما لا يعلم غيره يعنى فلعله كان منافقاً او علم انه يموت كافراً. قال و بعضهم اطلق اللعن عليه اى على يزيد لما انه كفر حين امر بقتل الحسين انتهىٰ. ولا يخفى ما فى نقله حيث اَبهم فى قائله ثم تعليله يحتاج الى اثبات امره بقتل الحسين اولاً ثم ترتب كفره عليه ثانيا وكلاهما ممنوع. فقد قال حجة الاسلام فى الاحياء الخ (ص ۸۷ مطبوعه دهلى)

"اور تحقیق یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں (یعنی لعنت کرنے نہ کرنے میں) علماء نے اختلاف کیا ہے حتیٰ کہ خلاصہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے، نہ یزید پر نہ ہی حجاج پر، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے والوں اور ان پر جو اہل قبلہ میں سے ہیں لعنت کرنے سے منع فرما دیا ہے اور یہ جو منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض نماز پڑھنے والوں اور بعض اہل قبلہ پر لعنت کی ہے، تو یہ اس وجہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ان حالات کو جانتے تھے جس کا دوسروں کو علم نہیں تھا، یعنی ممکن ہے کہ وہ شخص منافق ہو، یا حضور کو معلوم ہو گیا ہو کہ وہ کافر ہو کر مرے گا۔ (علامہ تفتازانی کہتے ہیں) کہ بعض علماء نے علی الاطلاق یزید پر لعنت کی ہے۔ بوجہ اس کے کہ جب اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا تو وہ کافر ہو گیا انتہیٰ۔ اور یہ بات مخفی نہیں کہ انہوں نے جو بات نقل کی ہے اس کے قائل کا مبہم طور پر ذکر کیا ہے۔ پھر انہوں نے لعن کرنے کی جو علت بیان کی ہے تو اس کے لیے اوّل تو یہ ثبوت چاہیے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا ہے پھر اس کا ثبوت چاہیے کہ اس سے کفر لازم آتا ہے اور یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں، اس سلسلے میں حجۃ الاسلام (امام غزالی رحمہ اللہ) احیاء العلوم میں فرماتے ہیں......الخ۔"

اس کے بعد علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے احیاء العلوم کی وہی مذکورہ عبارت لکھی ہے جس

کا جواب دیا جا چکا ہے کہ انہوں نے اس میں یزید کو صالح اور عادل نہیں قرار دیا بلکہ بحیثیت مسلمان ہونے کے اس پر لعنت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو باغی کہنے والے خارجی ہیں (علامہ علی قاریؒ)

امام غزالی رحمہ اللہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ علی قاری محدث لکھتے ہیں:

ولان الامر بقتل الحسینؓ لا یوجب الکفر فان قتل غیر الانبیاء کبیرة عند اهل السنة والجماعة الا ان یکون مستحلا وهو غیر مختصٍ بالحسینؓ ونحوه مع ان الاستحلال امرٌ لا یطلع علیه الا ذوالجلال وانما کان قتله نظیر قتل عمار بن یاسر واما ماتفوه بعض الجهلة من ان الحسین کان باغیاً فباطلٌ عند اهل السنة والجماعة. ولعل هذا من هذیانات الخوارج الخوارج عن الجاة. (شرح فقه اکبر)

"اور (یزید پر لعنت کرنا) اس لیے بھی جائز نہیں ہے کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ کفر کا موجب نہیں ہے، کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک غیر انبیاء علیہم السلام کا قتل گناہ کبیرہ ہے (نہ کہ کفر) ہاں اگر اس (قتل) کو حلال سمجھنے والا ہو تو کفر ہے اور یہ حکم حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے علاوہ ازیں کسی کا قتل کو حلال سمجھنا ایک ایسا امر ہے جس سے سوائے خدائے ذوالجلال کے اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا، اور وہ جو بعض جاہل لوگوں کی زبانوں سے یہ بات نکلی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ باغی تھے تو یہ قول باطل ہے، اور شاید یہ بات خارجیوں کے بکواسات میں سے ہے جو سیدھی راہ سے خارج ہو گئے ہیں۔"

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بحث میں شرح العقائد سے علامہ تفتازانی کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ:

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشاره بذلك واهانة اهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما تواتر معناه وان کان تفاصیلها

احاداً. فنحن لانتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنه الله علیه وعلیٰ انصاره واعوانه. (ایضاً شرح فقه اکبر، ص ۸۸)

''اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس خبر سے خوش ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی توہین کرنا یہ سب امور تواتر معنوی سے ثابت ہیں اگرچہ تفاصیل ان کی اخبار احاد میں پائی جاتی ہے، پس ہم اس کے بارے میں بلکہ اس کے ایمان کے بارے میں توقف نہیں کرتے، اس پر اللہ کی لعنت ہو اور اس کے مددگاروں اور معاونین پر۔

اس پر علامہ علی قاری محدث نے نکیر کی ہے اور لکھا ہے کہ یزید کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہونا ثابت ہی نہیں ہے چہ جائیکہ تواتر معنوی سے ثابت ہو، اور لکھا ہے کہ یزید مسلمان تھا اور اس سے کسی ایسی بات کا ثبوت نہیں ملتا جس کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج ہو جائے۔''

اس کے بعد علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں امام ابن ہمام رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال ابن همام واختلف فی اکفار یزید قیل نعم یعنی لماروی عنه ما یدل علیٰ کفره من تحلیل الخمرو من تفوهه بعد قتل الحسین واصحابه انی جازیتهم بما فعلوا باشیاخ قریش وصنادیدهم فی بدر وامثال ذلك ولعله وجه ماقال الامام احمد بتکفیره لما ثبت عنده نقل تقریره لا لما وقع عنه من الاجتراء علی الذریة الطاهرة کالامر بقتل الحسین وما جری مما ینبوعن سماعه الطبع ویصم لما ذکره السمع کما علل به شارح کلامه فانه لیس علی وفق مرامه کما قدمناه فی لعنه، وقیل لا، اذلم یثبت لنا عنه تلك الاسباب الموجبة ای بکفره وحقیقة الامر التوقف فیه ومرجع امره الی الله سبحانه الخ.

''اور ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یزید کی تکفیر (یعنی اس کو کافر قرار دینے) میں اختلاف پایا جاتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ ہاں (وہ کافر ہے) یعنی یہ حکم اس بنا پر ہے کہ اس سے بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتی ہیں مثلاً شراب کو حلال سمجھنا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کے قتل کے بعد اس کی زبان سے یہ نکلنا کہ میں نے ان سے اس فعل کا بدلہ لیا ہے جو انہوں نے جنگ بدر میں قریش کے بزرگوں اور سرداروں کے ساتھ کیا تھا، وغیر ذلک۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ امام احمد نے یزید کی تکفیر کی ہے کیونکہ اس کی اس تقریر کی نقل ان کے نزدیک ثابت ہے نہ کہ اس وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو کافر کہا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اولاد کے خلاف اس طرح جسارت کی ہے کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا ہے اور جو واقعات پیش آئے ہیں کہ جن کے سننے سے طبیعت نفرت کرتی ہے اور کان بہرا ہو جاتا ہے، جیسا کہ شارح یعنی علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے اس پر لعنت کرنے کی علت بیان کی ہے کیونکہ یہ ان کے مقصد (یعنی لعن) کے موافق نہیں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے اس کے لعن کے متعلق بیان کر دیا ہے (یعنی اوّل تو قتل پر راضی ہونا یزید کا ثابت ہی نہیں پھر قاتل پر لعنت کرنا بھی جائز نہیں ہے) اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو کافر نہ کہا جائے کیونکہ ہمیں یزید کے ایسے افعال کا ثبوت نہیں مل سکا جو اس کے کفر کا موجب ہوں اور حقیقت امر یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے اور اس کا معاملہ اللہ سبحانہ کے سپرد کر دیا جائے۔''

علامہ علی قاری رحمہ اللہ کی مندرجہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یزید کے کفر کے قائل ہیں اور اس کی وجہ بھی انہوں نے بیان کر دی ہے۔ البتہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ یزید کو مسلم مانتے ہیں اور اس کی تکفیر اور لعن کو جائز نہیں قرار دیتے۔ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی جو عبارت انہوں نے المسایرہ سے نقل کی ہے کہ یزید کی تکفیر میں علمائے اہل سنت کے دو قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ کافر ہے اور بعض کے نزدیک کافر نہیں ہے۔ اور ابن

ہمام تکفیر اور عدم تکفیر میں توقف کے قائل ہیں کہ اس بارے میں کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یزید کے فاسق ہونے پر تو اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔ لیکن تکفیر میں اختلاف ہے، ورنہ تکفیر اور عدم تکفیر کے ذکر کی کیا ضرورت تھی۔

یزید ظالم ہے (علامہ علی قاری رحمہ اللہ):

مشکوۃ شریف باب الامر بالمعروف میں ہے:

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه تصیب امتی فی اخر الزمان من سلطانهم شدائد ..... الخ

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کو آخر زمانہ میں سخت تکلیفیں پہنچیں گی ان کے بادشاہ کی طرف سے۔"

اس کی شرح میں علامہ علی قاری حنفی محدث لکھتے ہیں:

یحتمل الجنس و الشخص کیزید و الحجاج و امثالها.

"حدیث میں احتمال ہے کہ سلطان (بادشاہ) سے مراد جنس ہو یا شخص ہو مثلاً یزید اور حجاج وغیرہ۔" (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۹ ص ۳۴۳)

اب فاضل سندیلوی فرمائیں کہ یزید کے متعلق علامہ علی قاری کیا فرماتے ہیں اور آپ ان کا نام لے کر کس راستہ پر چل رہے ہیں کیا اسی کا نام علم و دیانت ہے۔ عبرت، عبرت، عبرت۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد:

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"بعض ائمہ نے جو یزید کی نسبت کفر سے کفِ لسان کیا ہے وہ احتیاط ہے کیونکہ قتل حسین رضی اللہ عنہ کو حلال جاننا کفر ہے مگر یہ امر کہ یزید قتل کو حلال جانتا تھا متحقق نہیں، لہذا کافر کہنے سے احتیاط رکھے مگر فاسق بیشک تھا۔"

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۴۹)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

عبارت مرقاۃ شرح مشکوٰۃ:

شارح مشکوٰۃ علامہ علی قاری محدث رحمہ اللہ ایک حدیث کی شرح میں فاسق اور بدعتی میت کے متعلق لکھتے ہیں:

وفی الفاسق والمبتدع المیتین ولو کانا مظاھرین بحث لان جواز ذمھما حال حیاتھما لکی ینزجرا او یحترز الناس عنھما واما بعد موتھما فلا فائدۃ فیہ مع احتمال انھما ماتا علی التوبۃ ولھذا امتنع الجمھور من لعن نحو یزید والحجاج وخصوص المبتدعۃ باعیانھم الخ.

’’اور میت فاسق اور مبتدع کی مذمت کرنے میں بحث پائی جاتی ہے اگر چہ وہ اپنے فسق اور بدعت کا اظہار کرنے والے ہوں، کیونکہ ان کی زندگی میں ان کی مذمت کرنا تو اس لیے جائز ہے کہ وہ اس سے باز آ جائیں یا ان سے لوگ بچ جائیں لیکن ان دونوں کی موت کے بعد تو اس کا فائدہ نہیں ہے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ ان دونوں نے مرنے پر توبہ کر لی ہو، اور اسی وجہ سے جمہور اہل سنت یزید، حجاج وغیرہ اور خصوصاً اہل بدعت کی تعیین کے ساتھ لعنت کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔‘‘

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۴، ص ۵۲ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیھا)

علامہ علی قاری محدث کی اس عبارت سے تو واضح ہو گیا کہ وہ یزید اور حجاج وغیرہ کو فاسق قرار دیتے ہیں لیکن ان پر لعنت کرنے میں توقف کرتے ہیں اور یہ جمہور اہل سنت کا قول ہے۔

فرمائیے! سندیلوی صاحب نے تو یزید کو عادل اور صالح ثابت کرنے کے لیے اپنی تائید میں امام غزالی رحمہ اللہ اور علامہ علی قاری حنفی کی عبارتوں کا حوالہ دیا تھا لیکن ان حضرات

کی عبارات سے ان کی تائید تو کسی طرح ثابت نہ ہو سکی۔ البتہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ کی عبارت سے تو صراحتاً ثابت ہو گیا کہ یزید و حجاج گو فاسق تھے لیکن ان کا نام لے کر لعنت نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک فاسق معین پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔
نیز علامہ علی قاری حنفی محدث فاسق اور جائز امام (خلیفہ) کے عزل کی بحث میں فرماتے ہیں:

لاشك انهم كانوا خائفين من نحو يزيد والحجاج وزياد ولم يكن يتمشى الخروج حينئذٍ على إرباب العناد بل كان يترتب عليه امور من الفساد ولذا كان ابن عمرؓ يمنع ابن الزبيرؓ وينهاه عن دعوى الخلافة مع انه كان احق واولى بها من امراء الجور بلا خاف ..... الخ.

"اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ (یعنی اکابر) یزید اور حجاج اور ابن زیاد جیسے امراء سے ڈرتے تھے اور ان حالات میں اربابِ عناد کے مقابلہ میں خروج بھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا بلکہ خروج پر اور دوسرے مفاسد کا پیش آنا واقع ہوتا تھا اور اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو منع کرتے تھے اور ان کو دعویٰ خلافت سے روکتے تھے، باوجود اس کے کہ بلا اختلاف حضرت عبداللہ بن الزبیر ان امرائے جور (یعنی یزید و حجاج وغیرہ) سے خلافت کے لیے زیادہ حقدار اور بہتر تھے۔"

(شرح فقہ اکبر، ص ۱۸۱)

سندیلوی صاحب تو انصاف سے غالباً بالاتر ہو چکے ہیں۔ ناظرین ہی انصاف فرمائیں کہ کیا مندرجہ عبارت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ علامہ علی قاری محدث کے نزدیک یزید اور حجاج وغیرہ فاسق اور جائر و ظالم تھے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت اس لیے نہیں کی تھی کہ آپ اس کو صالح و عادل خلیفہ سمجھتے تھے بلکہ اس کو فاسق و ظالم گردانتے ہوئے بھی اس لیے بیعت کی تھی کہ عدم بیعت اور مخالفت میں

دوسرے مفاسد کا زیادہ خطرہ تھا۔ یہ ہے علامہ علی قاری رحمہ اللہ کی تحقیق، جن کی عبارت کو سندیلوی صاحب اپنے حق میں پیش کر کے علم و دیانت کا خون کر رہے ہیں، سندیلوی صاحب کو تو یہاں تنکے کا سہارا بھی نصیب نہیں ہو سکا۔

قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ:

سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:

امام غزالی رحمہ اللہ کے شاگرد اور قاضی عیاض مالکی و علامہ سہیلی کے استاد قاضی ابوبکر بن العربی مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب العواصم من القواصم میں امیر یزید کے فسق و فجور کی تردید کر کے ان کی عدالت ثابت کی ہے۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب الزہد میں امیر یزید کا ذکر متقی اور دینداروں کے زمرے میں کیا ہے پھر امیر یزید پر الزام تراشی کرنے والوں کو نہایت سخت لہجہ میں تنبیہ کی ہے۔ (جواب شافی ص ۱۸)

الجواب:

① ...... سندیلوی صاحب کو چاہیے تھا کہ قاضی ابوبکر بن العربی اور امام احمد بن حنبل کی عبارتیں پیش کرتے۔ بیشک حضرت قاضی ابوبکر بن العربی بڑی شخصیت ہیں لیکن ہمارا سوال ہے کہ سندیلوی صاحب نے مشاجرات صحابہ کی بحث میں قاضی ابوبکر بن العربی کی تحقیق پر کیوں اعتماد نہیں کیا جبکہ آپ نے اپنی کتاب العواصم من القواصم اور احکام القرآن میں تصریح کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق و صواب پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطائے اجتہادی واقع ہوئی۔ ملاحظہ ہو العواصم مترجم (ص ۲۷۳)۔

② ...... قاضی ابوبکر بن عربی متوفی ۵۴۵ھ کے ترجمہ میں حافظ ابن کثیر محدث لکھتے ہیں:

المالکی شارح الترمذی کان فقیها عالماً وزاهداً عابدا. وسمع الحدیث بعد اشتغاله فی الفقه وصحب الغزالی واخذ عنه وکان یتهمه برأی الفلاسفة ویقول دخل فی اجوا

فهم فلم يخرج منها والله سبحانه اعلم ۔ (البدايه والنهايه جلد ۲:۱، ص ۲۲۸)

"قاضی ابوبکر بن العربی مالکی ہیں ترمذی کے شارح ہیں، فقیہ، عالم، عابد اور زاہد تھے فقہ کی مشغولیت کے بعد آپ نے حدیث کا بھی سماع کیا ہے اور امام غزالی رحمہ اللہ کی صحبت اٹھائی ہے اور آپ سے استفادہ کیا ہے، فلاسفہ کی رائے سے آپ امام غزالی رحمہ اللہ کو متہم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فلسفہ ان کے پیٹیوں میں گھس گیا پھر نکل نہ سکا۔"

واللہ سبحانہ اعلم۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی صاحب مرحوم امام غزالی رحمہ اللہ پر بھی اس پہلو سے اعتراض کرتے تھے۔

③......مولانا سندیلوی فرماتے ہیں کہ قاضی ابوبکر بن العربی استاد ہیں قاضی عیاض مالکی اور علامہ سہیلی رحمہ اللہ کے، ٹھیک ہے۔ لیکن قاضی عیاض محدث نے بھی تو امام غزالی سے اختلاف کیا ہے چنانچہ علامہ شبلی نعمانی مرحوم لکھتے ہیں:

امام غزالی رحمہ اللہ نے اگرچہ علمائے ظاہر کے ڈر سے نہایت احتیاط اور پردہ داری سے کام لیا تاہم سمجھنے والے سمجھ گئے کہ وہ فلسفہ کی زبان میں باتیں کرتے ہیں اس بنا پر بڑے بڑے نامور علماء مثلاً قاضی عیاض رحمہ اللہ محدث ابن جوزی رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ وغیرہ نے ان کی ضلالت اور گمراہی کی تشہیر کی۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے حکم سے ان کی کتابیں اندلس میں ضائع کردی گئیں۔ (علم الکلام حصہ اول ص ۱۰۶، ایضاً الغزالی ص ۳۷۹)

یہاں ہم نے مولانا سندیلوی کے جواب میں بطور اظہار واقعہ کے امام غزالی رحمہ اللہ سے ان کے نامور شاگردوں قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی ۵۴۵ھ اور قاضی عیاض محدث مالکی متوفی ۵۴۴ھ کے شدید اختلاف کا ذکر کردیا ہے۔ اور امام موصوف رحمہ اللہ کی کسی طرح تنقیص و توہین مقصود نہیں ہے اور ان کی جن کتابوں کے بعض مضامین پر اعتراض کیا گیا ہے وہ ان کے اس دور کی تصانیف ہیں جب آپ ایک متکلم اور مناظر کی حیثیت سے

متعارف تھے لیکن ریاضات ومجاہدات کے بعد جب باطن کا تزکیہ ہوا اور صرف رضائے حق آپ کا مقصود بن گیا تو پھر آپ کی تحقیق کا رنگ اور ہی تھا۔ آپ امام غزالی رحمہ اللہ تو عمر کے اس آخری حصہ میں ہی بنے۔ بہر حال آپ معصوم تو نہ تھے مگر قرب ومعرفت میں آپ کو بلند مقام نصیب ہوا۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

④...... یزید کی ولی عہدی کے بارے میں حضرت عبداللہ بن الزبیر وغیرہ صحابہ نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کو بیان کرتے ہوئے قاضی ابوبکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے افضل بات کو چھوڑ دیا۔ انہیں چاہیے تھا کہ اس کو شوریٰ میں رکھ دیتے اور اپنے قرابت داروں میں سے کسی کو خاص نہ کرتے۔ چہ جائیکہ اپنے بیٹے کو، اور انہیں زیبا یہ تھا کہ ترک اور فعل میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کرتے۔ (العواصم من القواصم مترجم ص ۳۶۵)

کیا سندیلوی صاحب قاضی ابوبکر بن عربی کی اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو چاہیے تھا کہ امر خلافت کو شوریٰ میں پیش کرتے...... الخ۔

اس کے بعد لکھتے ہیں: آپ (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) اپنے بیٹے کی حکومت کی طرف مائل ہوئے اور اس کے لیے بیعت کا ارادہ کیا، اور لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور جس نے نہ کرنا تھی نہ کی، بہر حال شرعاً بیعت ہوگئی کیونکہ وہ ایک یا دو آدمیوں کے بیعت کرنے سے منعقد ہو جاتی ہے۔ پھر اگر کہا جائے کہ اس کی بیعت ہو جاتی ہے جس میں امامت کی شرائط پائی جائیں تو ہم کہیں گے کہ امامت میں عمر کی کوئی شرط نہیں اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ وہ (یعنی یزید) ان شرائط سے قاصر تھا۔ (ایضاً ص ۳۵۷)

اس سے معلوم ہوا کہ یزید کی ولی عہدی میں اختلاف تھا نہ کہ اتفاق۔

⑥...... فرماتے ہیں پھر اگر کہا جائے کہ عدالت اور علم اس کی شرط ہے اور یزید نہ عادل تھا اور نہ عالم تو ہم کہیں گے کہ ہمیں اس کا عدم علم اور عدم عدالت کس طرح معلوم ہوا۔ اور اگر اس میں یہ شرائط نہ ہوتیں تو یہ تینوں فضلاء جنہوں نے یزید کی بیعت کی مخالفت

کی۔اس کا تذکرہ ضرور کرتے وہ صرف تحکم [1] کی مخالفت کرتے رہے اور شوریٰ کا مطالبہ کیا۔ پھر اگر کہا جائے کہ اس وقت علم اور عدالت میں یزید سے بہتر آدمی موجود تھے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں تو ہم کہیں گے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مفضول کی امامت ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ جسے علماء نے اپنی جگہ بیان کر دیا ہے۔ (ایضاً ص ۳۹۸)

قاضی ابوبکر بن عربی کا یہ فرمانا کہ ولی عہدی سے اختلاف کرنے پر حضرت عبداللہ بن الزبیر وغیرہ نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ وہ عادل نہیں ہے۔تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت یزید کا فسق ظاہر نہ ہوا تھا ورنہ اگر اس کا فسق ظاہر ہوتا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کو کیونکر ولی عہد مقرر فرما سکتے تھے لیکن بعد میں حضرت عبداللہ بن الزبیر حضرت عبداللہ بن حنظلہ صحابی اور اہل مدینہ نے جن میں صحابہ و تابعین شامل تھے یزید کے شارب خمر اور تارک صلوٰۃ ہونے کی بنا پر اس کی بیعت توڑ دی جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ پیش آیا۔

یزید میں بجائے تقویٰ کے بعض آثار فسق کے بھی پائے جاتے تھے چنانچہ علامہ ابن خلدون مورخ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ انتہائی عادل اور صاحب فضل تھے بلکہ یزید کو اپنی زندگی میں گانا سننے پر برا بھلا کہتے رہتے تھے اور اس سے روکتے رہتے تھے۔ حالانکہ گانا سننا دوسرے گناہوں کے مقابلے میں کم درجے کا ہے پھر گانا سننے کے بارے میں صحابہ کے مختلف اقوال ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون حصہ دوم، ص ۲۹)۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ خوش آوازی سے اشعار سننا تو جائز ہے لیکن جس کو موسیقی کہتے ہیں ناجائز ہے۔

عباسی صاحب نے کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' میں اپنے موقف کی تائید میں مصری مؤرخ الخضری کے بھی حوالجات دیئے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

زمانہ حال کے مورخ محمد الخضری حادثہ کربلا کے بارے میں اظہار تاسف کرنے کے بعد لکھتے ہیں...... الخ۔ (ص ۱۴۷)

---

[1] عربی الفاظ یہ ہیں: ''وانما رموا الی الامر لعیب التحکم'' (العواصم، عربی ص ۲۲۳) یعنی ان صحابہؓ نے صرف شخصی حکم سے یزید کو ولی عہد بنانے کو معیوب قرار دیا۔

یزید شکاری اور لاابالی تھا (مورخ خضری):

یہی مورخ الخضری مصری یزید کی ولی عہدی کی تجویز کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد سے مشورہ طلب کیا تو اس نے عبید بن کعب نمیری کو بلا کر کہا کہ امیر المومنین نے مجھ سے مشورہ طلب کیا ہے لیکن حال یہ ہے کہ:

یزید صاحب رسلةٍ وتهاون مع ما قد اولع به من الصید فالق امیر المومنین وار الیه فعلات یزید وقل له رویدك بالامر فاحری لك ان یتم لك ولا تعجل فان درکاً فی تاخیر خیر من فوتٍ فی عجلة ..... الخ.

(تاریخ الامم الاسلامیة ج ۲ ص ۱۱۷)

''یزید میں کاہلی اور عیش پرستی اور لاپرواہی پائی جاتی ہے، علاوہ ازیں اس کو شکار کا بہت شوق ہے آپ امیر المومنین (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے ملاقات کریں اور انہیں یزید کے افعال سے اطلاع دیں اور ان سے کہیں کہ آپ کچھ توقف کریں کیونکہ تاخیر سے مقصد حاصل کرنا اس سے بہتر ہے کہ جلدی کی وجہ سے مقصد فوت ہو جائے۔''

اس کے بعد اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ عبید بن کعب نمیری یزید کے پاس گئے اور اس کو اس بات کی اطلاع دی تو (**فکف عن کثیر مما یصنع**) ''یزید اپنے اکثر افعال سے باز آ گیا۔''

علامہ خضری کی مندرجہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ یزید شکار کا شوقین ایک لاابالی نوجوان تھا اس کے افعال ناپسندیدہ تھے گو تنبیہ کرنے پر وہ اکثر افعال سے باز آ گیا۔ لیکن بعد ازاں حصول اقتدار کے بعد وہ زیادہ بگڑ گیا۔ اپنے حرم میں گانے بجانے والی لونڈی کو داخل کیا وغیرہ۔ لہٰذا عباسی صاحب اور سندیلوی صاحب کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ یزید صالح اور متقی تھا۔

مذکورہ بالا روایت تاریخ کامل ابن الاثیر (متوفی ۶۳۰ھ) جلد سوم میں بھی

منقول ہے۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ قاضی ابوبکر بن العربی نے یزید کے صالح ہونے پر حضرت محمد بن حنفیہ کی روایت سے استدلال نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان کے لیے بھی قابل اعتماد و استشہاد نہیں ہے۔

پانچ صحابہ کا یزید کی ولی عہدی سے اختلاف:

حافظ ابن کثیر محدث فرماتے ہیں:

ولما اخذت البیعة لیزید فی حیات معاویة کان الحسین ممن امتنع من مبایعته هو وابن الزبیرؓ و عبدالرحمن بن ابی بکر وابن عمرؓ وابن عباسؓ ثم مات ابن ابی بکر وهو مصمم علی ذلك. فلما مات معاویة سنة ستین وبویع لیزید. بایع ابن عمرو ابن عباس وصمم علی ذلك الحسینؓ وابن الزبیرؓ وخرجا من المدینة فارین الی مکة فاقاماها ..... الخ .

(البدایه و النهایه جلد ۸ ص ۱۵۱)

”اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان میں تھے جنہوں نے اس کی بیعت نہیں کی، آپ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی، اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اسی عدم بیعت پر برقرار رہنے کی حالت میں وفات پاگئے، پھر جب ۶۰ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور یزید کی بیعت لی گئی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیعت کر لی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر مخالفت پر قائم رہے اور مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلے گئے اور دونوں وہاں ہی مقیم ہو گئے۔“

اور یزید کی ولی عہدی کی بیعت سے اختلاف کا ذکر بخاری شریف میں بھی مذکور ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب کے مقلد مولوی عظیم الدین صاحب نے بھی اس کا اعتراف

کرلیا ہے (ملاحظہ ہو حیات سیدنا یزید ص ۱۲۵) اسی طرح انہوں نے بخاری کے حوالہ سے ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اختلاف بھی ذکر کیا ہے۔ (ایضاً ص ۱۲۸)

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ یزید کی ولی عہدی کے موقعہ پر جن پانچ اخص صحابہ کرام نے اختلاف کیا ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ کسریٰ اور قیصر کا طریق ہے تو ان کا یہ اصولی اعتراض تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اس وقت یزید کے کردار کی بحث ضروری نہیں سمجھی ورنہ یہ ممکن ہے کہ ان کے سامنے اس کے بعض قابل اعتراض افعال ہوں، جیسا کہ مورخ خضری نے بیان کیا ہے یا اس کے ان افعال سے ناواقف ہوں جن کا بعد میں ظہور ہوا۔ واللہ اعلم

بخوفِ طوالت ہم ولی عہدی کی بحث کو یہاں نہیں چھیڑتے۔ حافظ ابن کثیر کے مذکورہ بیان سے اتنا ثابت ہوگیا کہ مذکورہ پانچ جلیل القدر صحابہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت سے اختلاف ظاہر کیا تھا مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو یزید کی بیعت کرلی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے بیعت نہ کی اور صحابہ کا یہ اختلاف اپنے اپنے اجتہاد پر مبنی تھا جس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد (بحوالہ بخاری) کی بحث میں آئے گا۔

یزید کی شراب نوشی:

سندیلوی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ: قاضی ابوبکر بن العربی مالکی نے اپنی کتاب العواصم من القواصم میں امیر یزید کے فسق و فجور کی تردید کرکے ان کی عدالت ثابت کی ہے۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب الزہد میں امیر یزید کا ذکر متقی اور دینداروں کے زمرے میں کیا ہے پھر امیر یزید پر الزام تراشی کرنے والوں کو نہایت سخت لہجہ میں تنبیہ کی ہے (جواب شافی ص ۱۸) حاشیہ میں ناشر صاحب نے العواصم کے اردو ترجمہ کے صفحات ۳۵۷، ۳۷۱ کی نشاندہی بھی کی ہے۔

الجواب:

بیشک قاضی ابوبکر بن عربی کی العواصم من القواصم میں یہ عبارتیں موجود ہیں اور یہی ایک حوالہ ہے جو بظاہر سندیلوی صاحب کے حق میں ہے۔ لیکن ہم بھی سندیلوی صاحب کے پیش کردہ اصول پر ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ قاضی ابوبکر بن العربی مورخ نہیں ہیں اور یزید کی شراب نوشی کا تعلق تاریخ سے ہے اور حافظ ابن کثیر محدث، جو مورخ بھی ہیں ان کی کتاب البدایہ والنہایہ کی عبارت پہلے پیش کی جا چکی ہے کہ یزید کے پاس تحقیق حال کے لیے جو وفد گیا تھا۔ ان کے قائدین میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ اور حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ دونوں صحابی ہیں ملاحظہ ہو۔ (الاصابہ اور تہذیب التہذیب وغیرہ)۔

اس لیے ہم ان دونوں حضرات کی تحقیق پر اعتماد کر کے قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو نظر انداز کر سکتے ہیں اور فن حدیث کا یہ اصول بھی ہے کہ جرح مقدم ہوتی ہے تعدیل پر۔ چنانچہ سندیلوی صاحب نے بھی لکھا ہے توثیق پر جرح مقدم ہوتی ہے۔

(اظہار حقیقت جلد اول ص ۱۰۷)

علاوہ ازیں فن تاریخ کے مشہور علامہ ابن خلدون نے بھی یزید کو فاسق قرار دیا ہے۔ اس لیے ہم تاریخی مسئلہ میں ابن خلدون کی تحقیق کو قاضی ابوبکر کی تحقیق پر ترجیح دیں گے اور سندیلوی صاحب بھی یہ اصول پیش کر چکے ہیں کہ "لکل فن رجال" یعنی ہر فن کے خاص ماہرین ہوتے ہیں اور سندیلوی صاحب نے حضرات اکابر اہل سنت کی رائے سے بھی اسی بنا پر اختلاف کیا ہے کہ یہ حضرات تاریخ کے ماہر نہ تھے۔

زہد یزید کا افسانہ:

سندیلوی صاحب نے جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب کا حوالہ دیا ہے اس کے متعلق قاضی ابوبکر بن العربی کی عبارت حسب ذیل ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یزید کا مقام امام احمد بن حنبل کی نگاہ میں بہت بلند تھا یہاں تک کہ اس کو آپ نے ان زاہد صحابہ اور تابعین میں شمار کیا جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے۔ جن کے وعظ سے

لوگ گناہ چھوڑتے ہیں ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ امام احمد نے یزید کو صحابہ میں درج کیا ہے اور پھر اس کے بعد تابعین کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ بات کہاں اور ان مورخین کا قول کہاں جو یزید کی طرف شراب نوشی اور فسق و فجور منسوب کرتے ہیں۔ کیا وہ شرم نہیں کرتے......الخ (العواصم من القواصم مترجم ص ۳۷۱)

الجواب:

قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے یزید کو صحابہ میں درج کیا ہے چنانچہ عربی متن یہ ہے:

وما ادخله الافی جملة الصحابة. (ص ۲۳۳)

اب سندیلوی صاحب ہی فرمائیں کیا یزید صحابی ہے، ہرگز نہیں تو پھر صحابہ میں اس کا شمار کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ امام احمد بن حنبل کی ''کتاب الزہد'' ہم نے نہیں دیکھی اگر اس میں یہ عبارت منقول تھی تو الحاقی ہے اور کسی حامی یزید نے اس میں تصرف کیا ہے۔ کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے یزید کے ترجمہ میں لکھا ہے:

قال احمد بن حنبل لا ینبغی ان یروی عنہ.

(لسان المیزان: ج٦)

''امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یزید سے روایت نہیں کرنی چاہیے۔''

بلکہ امام احمد کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یزید پر لعنت جائز ہے۔ فن رجال کی تو کسی کتاب میں یزید کی تعدیل مذکور نہیں ہے اور نہ ہی امام احمد کی طرف کوئی قول اس کی عدالت کا منسوب ہے (ب) اگر کتاب الزہد میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابہ کے بعد تابعین میں شمار کیا گیا ہے تو پھر وہ یزید بن معاویہ نخعی کوفی ہونگے (نہ کہ یزید بن معاویہ بن ابی سفیان) کیونکہ وہ تابعی ہیں اور عباد زہاد میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ کتاب ہذا (ص ۴۵) پر حدیث بخاری کے تحت ان کا تذکرہ کیا جاچکا ہے (ج) علاوہ ازیں قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ اپنی اس کتاب میں زیاد بن ابی سفیان کو بھی صحابی کہتے ہیں چنانچہ لکھا ہے: اور

جو کچھ ہم صحیح طور پر حق اور قطعی طور پر علم سے کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ زیاد صحابی ہے اور یہ بات کسی استدلال یا معرفت کی بنا پر نہیں کہی ...... الخ (العواصم من القواصم مترجم ص ۳۷۷)

اب سندیلوی صاحب ہی بتائیں کیا زیاد صحابی ہے ہرگز نہیں اور العواصم کے حاشیہ میں بھی محشی نے اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ: ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے اور ابن عساکر نے تصریح کی ہے کہ زیاد نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے لیکن دیکھا نہیں یا تو قاضی ابوبکر زیاد کے بارے میں صحیح تحقیق نہیں کر سکے۔ یا یہ بات بھی ان الحاقیات میں سے ہے جو کسی مخالف نے اس کتاب میں درج کر دی ہیں۔ بہر حال امام احمد بن حنبل کا صحابہ کے تحت یزید کا ذکر کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا جبکہ بعد میں تابعین کا مستقل ذکر موجود ہے سندیلوی صاحب نے غالباً العواصم کی اصل عبارت اسی لیے درج نہیں کی کہ بات کھل جائے گی۔ اس لیے بات گول مول لکھ دی ہے کہ امام ابن حنبل نے اپنی کتاب الزہد میں امیر یزید کا ذکر متقی اور دینداروں کے زمرے میں کیا ہے:

لیکن تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں

سندیلوی صاحب کو یہ ایک عبارت ہی یزید کے عادل ہونے کی تائید میں ملی تھی مگر اس عبارت نے بھی آخر ان سے وفا نہ کی:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

عباسی اور کتاب الزہد:

محمود احمد عباسی صاحب نے بھی العواصم من القواصم کی یہی عبارت اپنی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' ص ۱۰۲ طبع چہارم پر نقل کی ہے۔ پھر اس کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے: کتاب الزہد سے یہ ذکر اب نکال دیا گیا ہے۔ لیکن قاضی ابوبکر کے زمانے میں یہ ذکر موجود تھا۔ مسند احمد بن حنبل تک میں منقصت یزید کی وضعی روایتوں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔

چلو چھٹی ہوگئی۔ جب یزید کے زہد سے متعلقہ ساری عبارت ہی کتاب الزہد سے کسی نے نکال دی ہے تو اسی طرح یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کتاب میں اور بھی

تصرفات کیے گئے ہوں۔ اور یزید کے زہد کا ذکر بھی الحاقی ہی ہو۔ اگر بقول عباسی امام احمد بن حنبل کی مسند میں وضعی روایات شامل کی جاسکتی ہیں تو پھر ان کی کتاب الزہد کو کیونکر مستند ومحفوظ مانا جاسکتا ہے؟ اگر قاضی ابوبکر بن العربی کی کتاب العواصم میں الحاق نہیں ہوا تو پھر یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو نسخہ قاضی ابوبکر کے پیش نظر تھا کتاب الزہد کا اس میں بھی تصرف ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس پر اعتماد کر کے یزید کو عادل قرار دے دیا۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف تھی تو جس طرح سندیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ اکابر نے تاریخ طبری وغیرہ پر اعتماد کر کے ان روایات کو قبول کرلیا جو یزید کے فسق پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح قاضی ابوبکر بن العربی کے متعلق بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کو کتاب الزہد پر اعتماد کرنے میں غلطی لگی ہے۔ آخر انسان ہی تو تھے بہرحال کتاب الزہد کی زیر بحث عبارت یزید کے صالح اور عادل ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

ابن العربی پر ابن خلدون کا اعتراض:

فسق یزید کی بحث میں علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس سلسلہ میں (قاضی ابوبکر) ابن العربی مالکی نے اپنی کتاب العواصم من القواصم میں جو یہ لکھا ہے کہ (حسین رضی اللہ عنہ اسلامی شریعت کی رو سے قتل ہوئے سراسر غلط ہے)۔ ابن عربی سے یہ غلطی اس لیے ہوئی کہ وہ جنگ کے لیے امام عادل کی شرط بھول گئے۔ بھلا اس زمانے میں ہوا پرستوں سے لڑنے کے لیے امامت وعدالت میں امام موصوف سے بڑھ کر کون مستحق ہوسکتا تھا۔ لہٰذا ان کی شہادت ہوئی نہ کہ بغاوت کی رو سے قتل ہوا۔

(مقدمہ ابن خلدون مترجم حصہ دوم ص ۳۶ و عربی متن جلد اول ص ۲۱۷)

قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ پر علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ کا یہ اعتراض صحیح ہے کہ امام عادل نہ تھا (بلکہ فاسق تھا) اور فاسق کے خلاف خروج کرنے میں اختلاف ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک یزید کی حکومت کا تختہ الٹنا جائز بلکہ ضروری تھا۔ اس لیے آپ نے اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے

مشورہ کو بھی قبول نہ فرمایا یہ ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین اجتہادی اختلاف تھا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ بہرحال قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے قتال کرنے والوں کی طرف سے جو دفاع کیا ہے یہ ان کی سنگین غلطی ہے۔ (اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں)

العواصم من القواصم میں الحاقیات ہیں:

قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ کی کتاب ''العواصم من القواصم'' کی بعض عبارتیں الحاقی معلوم ہوتی ہیں مثلاً:

① ...... بلکہ معتبر لوگ تو اس کی عدالت کی شہادت دیتے ہیں (العواصم مترجم ص ۳۶۳) عربی متن ص ۲۲۷۔ بل شهد العدل بعدالته۔

② ...... امام احمد رحمہ اللہ نے یزید کو صحابہ میں درج کیا ہے اور پھر اس کے بعد تابعین کا تذکرہ کیا ہے (ص ۳۷۱) اور متن عربی (ص ۲۳۳) ان دونوں عبارتوں کے الحاقی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان عبارتوں سے یزید کا عادل اور زاہد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ عبارتیں اگر العواصم کے اس نسخہ میں ہوتیں جو علامہ ابن خلدون کے پیش نظر تھا۔ تو پھر وہ قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ پر یہ تنقید نہ کرتے کہ وہ جنگ کے لیے امام عادل کی شرط بھول گئے۔ کیونکہ قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ تو زیر بحث عبارت میں یزید کو امام عادل ہی قرار دے رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو علامہ ابن خلدون یہ جواب دیتے کہ قاضی صاحب موصوف کا یزید کو عادل و صالح کہنا غلط ہے۔ کیونکہ وہ فاسق تھا۔ لیکن علامہ ابن خلدون نے اس پہلو سے قاضی صاحب رحمہ اللہ کی تغلیط نہیں کی جس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ علامہ ابن خلدون کے دور کے بعد العواصم میں اس قسم کی عبارتیں شامل کی گئی ہیں۔ اور پھر محمود احمد صاحب عباسی بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب الزہد میں اب یہ عبارت نہیں ہے۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۱۰۲ طبع چہارم)

العواصم کی اشاعت:

العواصم من القواصم کے محشی شیخ محب الدین خطیب (متوفی ۱۳۹۰ھ) کتاب کی طباعت کے متعلق خود لکھتے ہیں کہ:

یہ کتاب دو متوسط جلدوں میں ہے اور صحابہ کی یہ بحث جسے ہم اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں دوسری جلد کے مباحث میں سے ایک بحث ہے جو ص ۹۸ سے لے کر ۱۹۳ تک چلی گئی ہے اور الجزائر کے دار الخلافہ میں (۱۳۴۷ھ) میں چھپی ہے۔ اس کی طباعت کا بندوبست الجزائر کے شیخ الشیوخ عبدالحمید بن بادیس رحمہ اللہ نے کیا۔ نہایت افسوس ہے کہ جس نسخہ سے اس کی اشاعت کی گئی اس میں املا کی غلطیاں اور لفظی تحریفات کافی تھیں ان کی صحت کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کو جلد کرتے وقت بعض اوراق صحیح جگہ پر نہیں لگے جس سے مضمون خلط ملط ہو گیا۔ ہم نے سیاق وسباق کو ملحوظ رکھ کر اوراق کو ان کی جگہ پر نصب کیا اور اغلاط کی درستی کا اہتمام کیا اور اس امانت کو کما حقہ انتہائی صحت سے شائع کیا جا رہا ہے اور جس جگہ ضرورت ہوئی اس پر کتب معتبرہ سے حواشی چڑھائے گئے الخ (تصدیر کتاب مترجم ص ۶۷ ومتن عربی ص ۸،۹)

قاضی ابوبکر بن العربی کی کتاب العواصم من القواصم ۵۳۶ھ کی تالیف ہے۔ جس کی صرف دوسری جلد مطبع جزائریہ میں صدیوں بعد ۱۳۴۷ھ میں چھپی ہے۔ اور جس نسخہ سے یہ منقول ہے اس میں بھی لفظی اور ترتیب کی غلطیاں تھیں اور پھر جلد کرنے میں بھی اوراق کی ترتیب صحیح نہیں رہی تو پھر اس کتاب کی صحت ضرور مشکوک ہو جاتی ہے خصوصاً مذکورہ زیر بحث عبارتوں کی وجہ سے یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس میں الحاقیات ہیں۔ اس کتاب کا عربی متن پاکستان میں سہیل اکیڈیمی لاہور نے اور اس کا ترجمہ ادارہ احیاء السنۃ گھر جاکھ گوجرانوالہ نے شائع کیا ہے۔ اس کے مترجم مولانا محمد سلیمان گیلانی ہیں۔ اور محشی مولانا خالد گھر جاکھی ہیں۔ ترجمہ معیاری نہیں کہیں کہیں مضمون کے سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے اور مولانا خالد نے اپنے مقدمہ میں مسئلہ خلافت پر جو بحث کی ہے۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ مولانا موصوف قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کو پوری طرح سمجھ نہیں سکے میں نے بخوف طوالت عربی متن کے بجائے عموماً العواصم مترجم کی عبارت ہی پیش کی ہے۔

غنیۃ الطالبین میں بھی الحاقیات ہیں (مولانا سندیلوی):

بشارت الدارین کی تالیف کے دوران، میں نے جناب مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی سے غنیۃ الطالبین کی بعض عبارتوں کے بارے میں استفسار کیا تھا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ:

گرامی نامہ سے مشرف ہوا۔ مطالبات اہل سنت کے نسخے موصول ہوئے۔ فجزاکم اللہ غنیۃ الطالبین کی جس روایت کا تذکرہ آنجناب نے فرمایا ہے وہ یقیناً الحاقی ہے۔ حضرت شیخ قدس سرہ نے تحریر نہیں فرمائی۔ یہ حرکت کسی رافضی کی ہے۔ میرے خیال میں تو وہ فصل جس میں روایت مذکور ہے پوری کی پوری الحاقی ہے۔" (مکتوبات محررہ ۱۲، فروری ۱۹۷۴ء)

غنیۃ الطالبین مصنفہ غوث اعظم حضرت الشیخ السید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ایک مشہور اور متداول کتاب ہے۔ جو عربی متن اور ترجمہ کے ساتھ بھی بارہا چھپ چکی ہے، جب مولانا سندیلوی کے نزدیک اس میں ایک پوری فصل ہی الحاقی ہے تو پھر قاضی ابوبکر بن العربی کی العواصم جو متداول بھی نہیں ہے۔ مدتوں بعد بھی جس نسخہ سے نقل کی گئی ہے اس میں غلطیاں ہیں اور دوسری بعض معنوی وجوہ بھی ہیں، جن کی پہلے نشاندہی کر دی گئی ہے تو پھر اس میں بھی یزیدیوں کے تصرف سے الحاقی عبارتوں کا پایا جانا کوئی مستبعد نہیں ہے۔

قاضی ابوبکر بن العربی سُنی ہیں نہ کہ ناصبی

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مطبوعہ فتاوی عزیزی میں لکھا ہے کہ:

فرقہ جدا است ورائے خوارج، در مغرب و شام بسیار بودہ اند متوکل عباسی و وزیر او علی بن جہم نیز از جملہ نواصب است خوارج جمیع مقاتلین را از صحابہ ہمچو طلحہ و زبیر و امیر المومنین علی مرتضی و معاویہ و عمرو بن العاص را تکفیر می کنند و نواصب محض عداوت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ ذریت طاہرہ او شعار خود دارند و از متاخرین حافظ مغربی نیز

ناصبی است (فتاویٰ عزیزی جلد اوّل مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ): نواصب خوارج سے جدا فرقہ ہے۔ مغرب وشام میں یہ بہت ہوئے ہیں اور متوکل عباسی اور اس کا وزیر علی بن جہم بھی نواصب میں سے ہیں۔ خوارج آپس میں جنگ کرنے والے تمام صحابہ کو کافر قرار دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت طلحہ، حضرت زبیر، امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص وغیرہ رضی اللہ عنہم اور نواصب حضرت امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور ان کی ذریت طاہرہ کی عداوت کو اپنا شعار بناتے ہیں۔ اور متاخرین میں سے حافظ مغربی بھی ناصبی ہیں۔

گو فتاوی عزیزی کی مندرجہ عبارت میں تصریح ہے کہ حافظ مغربی ناصبی ہیں۔ اگر حافظ مغربی سے مراد قاضی ابوبکر بن العربیؒ ہی ہیں تو یہ عبارت الحاقی ہے۔ اور فتاوی عزیزی میں الحاقیات کے ثبوت کے لیے ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں بندہ نے بحث کردی ہے۔ (وہاں ملاحظہ فرمائیں)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (کراچی) اور مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے مرتب حضرت مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی بھی الحاق کے قائل ہیں۔

فتاوی عزیزی میں تصرف ہوا ہے (حضرت مدنی رحمہ اللہ):

عموماً شیعہ علماء اپنے عقیدہ امامت کی تائید میں یہ حدیث پیش کیا کرتے ہیں:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيْتَةً جاهلية.

''جو شخص ایسی حالت میں مرجائے کہ وہ اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانتا ہو تو جاہلیت کی موت مرتا ہے۔''

اس حدیث کے متعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے استفسار کیا گیا تو آپ نے اس پر تفصیلی بحث کی، اور فرمایا:

اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ کتب حدیث کی مشہورہ اور غیر مشہورہ کتابوں میں کہیں نہیں پایا گیا، صحاح ستہ اور تمام مشہور کتب حدیث میں یہ روایت ان

الفاظ کے ساتھ موجود نہیں ہے۔

فتاوی عزیزی میں اس حدیث کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:

صحیح الاسناد است ومقولہ جناب نبوی است، یعنی اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ نبی ﷺ کا قول ہے۔ اس کے متعلق حضرت مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مگر افسوس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سند بالکل ذکر نہ فرمائی اور نہ اس کتاب کا تذکرہ فرمایا جو کہ اس حدیث کی تخریج کرنے والی ہے تا کہ روایت اور اس کی صحت کا پتہ چل جاتا لہٰذا کوئی وجہ اعتماد روایت حسب قاعدہ نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ روایت مذکورہ ان موضوع روایتوں میں سے ہے جن کو اہل اھوا شیعوں اور بدعتیوں نے شہرت دے کر اپنی بدعتوں کو پھیلایا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب جیسے محقق اور روایت ودرایت کے ماہر نے کس طرح یہ فرما دیا کہ:

''صحیح الاسناد است ومنقولہ جنات نبوی است ﷺ ''ظن غالب یہ ہے کہ یہ بھی اہل اہوا کی کاروائی اور مطبع میں تصرف ہے۔ جیسا کہ شیعوں نے بہت سے مقامات پر کیا ہے دیکھو تحفہ اثنا عشریہ۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد چہارم مکتوبات ۱۷۱، ص ۳۸۷)

فتاویٰ عزیزی مترجم (ناشر سعید کمپنی کراچی) کے ان صفحات میں مذکورہ عبارت بالکل نہیں ہے۔ چنانچہ فتاوی عزیزی فارسی میں سجدہ تعظیمی کی بحث ص ۱۱۴ سطر ۴ پر ختم ہوتی ہے اس کے بعد منہ سے خوارج ونواصب کے متعلق زیر بحث عبارت ہے اور فتاوی عزیزی اُردو میں یہ بحث (ص ۹۷ سطر ۲۱) پر ختم ہوتی ہے اس کے بعد طعام المیت یمیت القلب کی بحث ہے یعنی میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے...... الخ۔

فتاوی عزیزی کا یہ اُردو ترجمہ جناب مولانا عبدالواجد صاحب غازی پوری مؤلف تحفۃ الاتقیاء فی فضائل الانبیاء کا ہے جو ۱۳۲۳ھ میں مکمل ہوا ہے۔ (ان دونوں جلدوں کو حاجی محمد شفیع صاحب ابن حاجی محمد سعید صاحب مالک مطبع مجیدی کانپور نے شائع کیا تھا۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مترجم کے سامنے جو فارسی نسخہ تھا اس میں قاضی ابوبکر بن العربی کے متعلق مذکورہ عبارت نہ تھی اور اگر تھی تو انہوں نے الحاقی سمجھ کر اس کو

حذف کر دیا۔ واللہ اعلم

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے بستان المحدثین میں قاضی ابن العربی کا جو ترجمہ لکھا ہے اس میں آپ کی ناصبیت کے متعلق اشارہ تک نہیں ہے۔ فرماتے ہیں یہ اندلس کے آخری عالم اور آخری حافظ حدیث تھے...... کہتے ہیں کہ ان کو درجہ اجتہاد حاصل تھا۔ حدیث، فقہ، اصل، علم قرآن، علوم ادب، نحو اور تاریخ میں بہت سی تصانیف ان کی یاد تازہ کرتی ہیں...... الخ۔ (بستان المحدثین مترجم ص ۲۱۰، وفیات الاعیان لابن، جلد ۴)

خلکان اور حافظ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ج ۱۲، ص ۲۲۸ میں بھی ان کی ناصبیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علاوہ ازیں امام قرطبی متوفی ۶۷۱ھ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور امام نووی متوفی ۶۷۶ھ وغیرہ اجلہ مفسرین و محدثین بھی ان کے کلام سے استشہاد کرتے ہیں۔ یہ اس امر کے شواہد ہیں کہ ابن العربی اہل سنت والجماعت کے اکابر میں سے ہی ہیں۔ قاضی عیاض محدث متوفی ۵۴۴ھ کے استاذ ہیں۔ آپ کی کتاب احکام القرآن مشہور و مقبول ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب ہیں:

فتاوی عزیزی میں نواصب کے متعلق جو لکھا ہے کہ:

نواصب محض عداوت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ و ذریت طاہرہ او شعار خود دارند و از متاخرین حافظ مغربی نیز ناصبی است۔

اور نواصب کا شعار امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور آپ کی ذریت (اولاد) طاہرہ سے عداوت رکھنا ہے اور متاخرین میں حافظ مغربی ناصبی ہیں۔ تو قاضی ابوبکر بن العربی نواصب کی اس تعریف کے تحت بھی نہیں آتے۔ کیونکہ آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو امام برحق مانتے ہیں اور مشاجرات صحابہ میں آپ کو مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخطی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

فتقرر عند علماء المسلمین وثبت بدلیل الدین ان علیاً

رضی اللہ عنہ کان اماماً وان کل من خرج علیہ باغ .....الخ

”اور علمائے اسلام کے نزدیک یہ بات مقرر اور دینی دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امام تھے اور جس کسی نے بھی آپ کے خلاف خروج کیا ہے باغی ہے۔“ (احکام القرآن جلد ۴، ص ۱۸، ۱۷)

یہ حوالہ خارجی فتنہ حصہ اول (ص ۲۸۸، ص ۵۹۵) پر بھی منقول ہے۔

ابن العربی اسی بحث میں فرماتے ہیں: یہ بھی معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حق حضرت علی کی طرف تھا۔ کیونکہ خون کا مطالبہ کرنے والے کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے اور اگر مدعی کو قاضی پر شک ہو تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس کے خلاف بغاوت کرے ...... الخ (العواصم مترجم ص ۲۷۳، ومتن عربی ص ۱۶۴) العواصم کی یہ عبارت خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۹۲ پر بھی پیش کی گئی ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام حق پر مبنی تھا:

یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین کے اقدام کے متعلق ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مورخین نے ذکر کیا ہے کہ کوفہ والوں کے کچھ خطوط حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو ان کے پاس بھیجا تا کہ ان سے بیعت لے اور دیکھے کو کون سے اور کتنے لوگ اس کی پیروی کرنے پر آمادہ ہیں تو عبداللہ بن عباس نے ان کو روکا اور بتایا کہ انہی لوگوں نے تو آپ کے باپ اور بھائی کو ذلیل کیا اور پھر انہی کا اعتبار کرتے ہو۔ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ جانے کا مشورہ دیا چنانچہ آپ چلے گئے ابھی کوفہ پہنچے بھی نہ تھے کہ ان کو مسلم بن عقیل کے قتل ہونے کی اطلاع مل گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن لوگوں نے ان کو بلایا تھا انہوں نے ہی ان کو قتل کرنے کے لیے پکڑوا دیا۔ اور عبرت حاصل کرنے والے کے لیے یہی عبرت کافی تھی۔ لیکن آپ حق کو قائم کرنے اور دین کے لیے ناراضگی (یعنی غضب) کے عالم میں چلے گئے اور آگے بڑھتے رہے لیکن آپ نے (اللہ ان سے راضی ہو) اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم کی

نصیحت قبول نہ کی (یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی) اور صحابہ میں سے سب سے معمر شخص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے بھی انحراف کیا۔ اور ابتداء کو انتہا میں اور راستی کو کجی میں اور جوانی کی رونق کو بڑھاپے کی پیرانہ سالی میں تلاش کرنا چاہا جو ناممکن تھا...... الخ

(العواصم بن القواصم اردو ص ۳۶۹ وعربی متن ۲۳۱)

تبصرہ:

ابن العربی رحمہ اللہ کی مندرجہ عبارت سے معلوم ہوا کہ یزید کے خلاف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو حضرت عبداللہ بن عباس شرعاً ناجائز نہیں سمجھتے تھے ورنہ وہ یہ نہ فرماتے کہ کوفہ والے قابل اعتماد نہیں ہیں اس لیے آپ وہاں نہ جائیں۔

✿ ان کو اس اقدام میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کامیابی کی امید نہ تھی۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ حالات کے تحت حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شرعی رخصت پر عمل کریں۔ اور دوسرے طریق سے دینی خدمات سرانجام دیں۔ چنانچہ حاشیہ میں شیخ محبّ الدین خطیب نے بھی یہی لکھا ہے کہ انہوں نے (یعنی حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ صحابہ نے) عافیت کو پسند کیا اور مسلمانوں کی وحدت کو برقرار رکھا اور دعوت اسلامی اور فتوحات کے لیے ان کو فارغ رکھنا چاہا (ص ۳۶۹) اور ابن العربی بھی اسی ناکامی کے پیش نظر یہ لکھ رہے ہیں کہ:

کاش آپ سمجھ جاتے کہ یہ خلافت ان کے بھائی کے ہاتھ سے نکل گئی حالانکہ آپ کے پاس اس وقت سارے علاقہ کی فوج تھی اور بڑے بڑے آدمی ان کو چاہتے تھے تو پھر کوفہ کے اوباش لوگ یہ خلافت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کس طرح دلا سکتے تھے اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو روکتے رہے اور مجبور ہو کر بالآخر آپ سے الگ ہو گئے، میں تو اس کے متعلق یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تسلیم کر لیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے بیٹے سے باقی زمانہ غم کیا جائے اور اگر امت کے بڑے بڑے لوگوں اور برگزیدہ ہستیوں کو یہ معلوم نہ ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کو اہل بیت سے دور کر دیا ہے، اور ایسا فتنہ پیدا ہوگا جس میں داخل ہونے کی کسی کو اجازت نہیں ہے تو

کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتے۔ (ص ۲۷۰)

قاضی ابن العربی رحمہ اللہ کی مندرجہ عبارت سے بالکل واضح ہے کہ دوسرے صحابہ کرام کے پیش نظر یہ تھا کہ کوفہ کے اوباش لوگوں کے ذریعہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خلافت نہیں مل سکتی۔ علاوہ ازیں تقدیر خداوندی میں یہی تھا کہ ان حضرات اہل بیت کو خلافت وحکومت نہیں ملے گی۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا ساتھ نہ دیا ورنہ اگر امید ہوتی تو ضرور آپ کا ساتھ دیتے۔ یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کو صالح وعادل نہیں مانتے تھے۔ ورنہ اگر ان کے نزدیک یزید صالح ہوتا تو پھر ان کا اختلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے اس بناء پر ہوتا کہ یزید جب صالح وعادل ہے تو پھر آپ اس کے خلاف کیوں ایسا اقدام کرتے ہیں، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قاضی ابوبکر بن العربی کا نظریہ بھی یہی ہے کہ یزید صالح وعادل نہ تھا۔ ورنہ وہ صحابہ کرام کے اختلاف کی مذکورہ توجیہ کیوں بیان کرتے۔ لہٰذا کتاب الزہد کی عبارت کا حوالہ العواصم من القواصم میں الحاقی ہے اور کتاب الزہد کی طرف اس عبارت کی نسبت بھی من گھڑت ہے اور مولانا سندیلوی کا العواصم کی عبارت کو اپنی تائید میں پیش کرنا بھی خلاف حقیقت ہے۔ وَلِلّٰہِ الحمد

❀ قاضی ابن العربی رحمہ اللہ نے جو یہ لکھا ہے کہ:

لیکن آپ حق کو قائم کرنے اور دین کے لیے ناراضگی (غضب) کے عالم میں چلے گئے اور آگے بڑھتے رہے...... الخ۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابن العربی کے نزدیک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام خلوص پر مبنی تھا۔ اس میں نفسانیت کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ اور آپ کو جو غصہ تھا وہ دین کے لیے تھا اور دین کے لیے غصہ اور غضب کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ قاضی ابوبکر کے نزدیک بھی یزیدی کردار وحکومت میں ایسی خرابیاں ضرور تھیں جن کی وجہ سے آپ الحب لِلّٰہ والبغض لِلّٰہ کا مصداق بنے ہوئے تھے اور عزیمت پر عمل کر کے یزیدی اقتدار کا زوال چاہتے تھے۔ اور دوسرے حضرات صحابہ اپنے اجتہاد کی بنا پر آپ سے اختلاف رکھتے تھے۔ اور یہ اختلاف اس اقدام کی کامیابی یا ناکامی کے پیش نظر تھا، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

میں سے کوئی بھی یزید کو صالح و عادل نہیں سمجھتا تھا۔ بہر حال قاضی ابوبکر بن عربی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو امام برحق اور اپنے اجتہاد میں مصیب مانتے ہیں اور آپ سے قتال کرنے والوں کو باغی (خواہ بوجہ مجتہد ہونے کے فریق ثانی کی بغاوت حقیقی نہیں اس لیے گناہ بھی نہیں) اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دینی غضب کے تحت قیام حق کے لیے اقدام کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ اور آپ کو عظیم بن عظیم اور شریف بن شریف مانتے ہیں جیسا کہ لکھتے ہیں کہ:

> کاش کہ اس امت کے عظیم ابن عظیم اور شریف ابن شریف حسین رضی اللہ عنہ کو اس کے گھر یا سامان یا اونٹوں میں پناہ مل جاتی ...... الخ (ص ۲۴۷)

تو پھر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے ان کی اس شرعی عقیدت کے باوجود ان کی طرف ناصبیت کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔

ابن العربی کا طبری پر اعتماد:

مولانا سندیلوی ابن جریر طبری مورخ کو کٹر شیعہ اور سبائی قرار دیتے ہیں۔ کٹر شیعہ اور سبائی قرار دیتے ہیں لیکن قاضی ابوبکر بن العربی تاریخ طبری کے متعلق لکھتے ہیں:

> یہ باتیں میں نے اس لیے بیان کی ہیں کہ تم غیر معتبر لوگوں سے پرہیز کرو، خاص طور پر مفسرین، مورخین اور ادیب لوگوں سے یہ لوگ دین کی حرمت سے بالکل جاہل ہیں اور یا پھر بدعات پر اصرار کرتے ہیں تو تم ان کی روایات کی پروانہ کرو اور ائمہ حدیث کی روایت کے سوا اور کوئی بات تسلیم نہ کرو، اور مؤرخین میں سے طبری کے علاوہ اور کوئی قابل اعتماد نہیں ہے...... الخ۔

اور ابن جریر طبری کے متعلق اس عبارت کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

اور اس کے باوجود طبری نے اپنی خبروں کے مصادر کو بھی بیان کر دیا ہے اور راویوں کے نام بھی لکھ دیئے ہیں تا کہ ہر آدمی اس روایت کی قیمت معلوم کر سکے اور پھر اپنی کتاب کے مقدمہ کے آخر میں لکھا ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی ایسی خبر ہو جس کو قاری غلط سمجھے اور اس کی صحت کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ وہ ہماری طرف سے نہیں ہے بلکہ بعض

ناقلین کی طرف سے آئی ہے۔ (العواصم اردو ص ۳۹۳)

بہر حال اگر اصل کتاب میں بھی طبری کو معتمد علیہ قرار دیا گیا ہے تو سندیلوی صاحب نے ابن جریر طبری کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

امام احمد بن حنبل اور یزید:

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ حنبلی ایک شیعی علامہ حلّی مصنف "منہاج الکرامۃ" کے جواب میں لعنت یزید کی بحث میں لکھتے ہیں:

وقد تنازع الناس فی لعن الفاسق المعین فقیل انه جائز كما قال ذلك طائفة من اصحب احمد وغيرهم كابی الفرج بن الجوزی وغيره وقيل انه لا يجوز كما قال ذلك طائفة اخرى من اصحاب احمد وغيرهم كابی بكر عبدالعزيز وغيره. والمعروف عن احمد كراهية لعن المعين كالحجاج بن يوسف وامثالهٗ وان يقول كما قال الله تعالیٰ لعنة الله على الظالمين ..... الخ (منهاج السنة جلد دوم ص ۲۵۲)

فاسق معین پر لعنت کرنے کے بارے میں لوگوں نے اختلاف ونزاع کیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل کے اصحاب کے ایک گروہ وغیرہم نے کہا ہے مثلاً ابوالفرج ابن الجوزی (محدث) وغیرہ نے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ (فاسق معین پر لعنت) جائز نہیں ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اصحاب کے ایک گروہ اور ان کے علاوہ ابوبکر بن عبدالعزیز وغیرہ نے کہا ہے اور مشہور قول امام احمد بن حنبل کا یہ ہے کہ معین (فاسق) پر لعنت مکروہ (ناپسندیدہ) ہے۔ مثلاً حجاج بن یوسف وغیرہ اس جیسے لوگوں پر، اور یہ کہنا جائز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (لعنة الله على الظلمين) اس کے بعد ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس قول کی دلیل میں وہی حدیث پیش کرتے ہیں جو امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں ایک شرابی کے متعلق نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس پر لعنت کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو کتاب ہذا، ص ۷۲)

❀ اسی بحث میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:

واما ما نقله عن احمد فالمنصوص الثابت عنه من رواية صالح انه قال ومتى رأيت اباك يلعنُ احداً لما قيل له الا تلعن يزيد فقال متى رأيت اباك يلعن احداً وثبت عنه ان الرجل اذا ذكر الحجاج ونحوه من الظلمة واراد ان يلعن يقول الا لعنة الله على الظٰلمين وكره ان يلعن المعين باسمه ونقلت عنه رواية فى لعنة يزيد ...... الخ

(منهاج السنة، جلد دوم، ص ٢٥٣)

اور جو امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے تو آپ کے صاحبزادہ صالح سے جو واضح طور پر بطور نص کے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے (یعنی صالح) نے جب آپ سے کہا کہ آپ یزید پر کیوں لعنت نہیں کرتے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ تو نے کب اپنے باپ کو کسی پر لعنت کرتے دیکھا ہے، اور آپ سے یہ بات ثابت ہے کہ جب کوئی شخص حجاج وغیرہ ظالموں کا ذکر کرے اور لعن کرنا چاہے تو یہ کہہ دے الا لعنة الله على الظلمين۔ اور آپ نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ کسی فاسق کا نام لے کر اس پر لعنت کی جائے اور امام احمد رحمہ اللہ سے ایک دوسری روایت یزید پر لعنت کرنے کی بھی منقول ہے......۔

لیکن علامہ ابن تیمیہ نے اس دوسری روایت کو منقطع اور غیر ثابت قرار دیا ہے۔ اس کے بعد ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

واما ابو الفرج بن الجوزى فله كتاب فى اباحة لعنة يزيد ردّ فيه على الشيخ عبدالمغيث الحربى فانه كان ينهى عن ذٰلك.

''اور یزید پر لعنت کے جواز میں محدث ابوالفرج ابن الجوزی نے ایک کتاب لکھی ہے (جس کا نام ہے ''الرد على المتعصب العنيد المانع مِن

ذم یزید") اور اس میں انہوں نے شیخ عبدالمغیث الحربی کا رد کیا ہے جو یزید پر لعنت کرنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مندرجہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے متعلق دونوں قول منقول ہیں لیکن ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلا قول راجح ہے کہ بوجہ فاسق معیّن پر لعنت کے عدم جواز کے یزید پر لعنت نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن تیسرا قول کہ یہاں بالکل ذکر نہیں کیا کہ یزید صالح اور عادل تھا جس سے ثابت ہوا کہ علامہ ابن تیمیہ حنبلی (جو امام احمد کے مقلد ہیں) کے نزدیک بھی "کتاب الزہد" معتمد علیہ نہیں ہے ورنہ یہ تیسرا قول بھی اپنے امام کی طرف منسوب کرتے۔ کوئی نیک آدمی یزید سے محبت نہیں رکھتا۔ (امام احمد)

(۳) بلکہ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ امام احمد بن حنبل یزید کو صالح نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ اپنے ایک رسالہ:۔ سؤال عن یزید بن معاویہؓ ص ۱۷ پر لکھتے ہیں:

وقال له ابنه: ان قوماً یقولون اِنّا نُحِبُّ یزید. فقال هَل یُحبّ یزید احدٌ فیه خیرٌ ؟ فقیل لهٗ. فِلما ذا لا تلعن ؟ فقال ومتی رأیت اباك یلعن احدًا.

"(اور آپ کے بیٹے نے آپ سے (یعنی امام احمدؒ سے کہا) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم یزید سے محبت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی [1] ایسا شخص یزید سے محبت رکھتا ہے جس میں نیکی و بھلائی پائی جاتی ہو؟ پھر آپ سے کہا گیا کہ آپ کس وجہ سے یزید پر لعنت کرتے تو آپ نے جواب دیا کہ تُو نے اپنے باپ کو کب دیکھا ہے کہ کسی پر لعنت کی ہو)"

---

[1] کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا (مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری) دفعہ ۳۰۲ وغیرہ کے تحت ایک مشہور مقدمہ کے سلسلہ میں ہائیکورٹ لاہور میں بیان دیتے ہوئے امیر شریعت حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا تھا کہ:۔ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا۔ (مقدمات امیر شریعت ص ۲۵۷ مرتبہ ابن امیر شریعت مولانا حافظ سیّد عطاء المنعم صاحب ابو معاویہ ابوذر بخاری) یزید کے بارے میں جو بات امام احمد بن حنبلؒ نے فرمائی ہے وہی امیر شریعت نے اپنے انداز میں بیان کر دی ہے۔

(۴) نیز ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قال احمدؒ بن حنبل لا ینبغی ان یروی عنه (لسان المیزان ج٦)

''یزید سے روایت نہیں بیان کرنی چاہیے''

یزید صالح نہیں (ابن تیمیہؒ)

(ب) علاوہ ازیں اسی رسالہ میں ہے کہ ایک دفعہ جب ان سے (یعنی ابن تیمیہ سے) یزید کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا:

لا نسبّه ولا نحبّه فانه لم یکن رجلًا صالحًا فنحبه ونحن لا نسبّ احداً من المسلمین بعینه الخ

''نہ ہم یزید کو سبّ کرتے ہیں اور نہ اس سے محبت کرتے ہیں کیونکہ وہ صالح آدمی نہ تھا۔ اور ہم کسی مسلمان کا نام لے کر سبّ نہیں کرتے۔ الخ''

یہاں ابن تیمیہ نے واضح طور پر یزید کے صالح ہونے کی نفی کر دی ہے مگر فاضل سندیلوی کو کون منوائے ۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

یزید کے بارے میں ابن تیمیہ نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں (۱) بعض کہتے ہیں کہ یزید صحابہ میں سے تھا تو ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹے اور افتراء باندھنے والے ہیں۔

(۲) بعض کے نزدیک وہ انبیاء میں سے تھا۔ تو ایسے لوگوں کو ابن تیمیہ کافر قرار دیتے ہیں۔

یزید کے خلیفہ راشد ماننے والے جھوٹے ہیں (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

(۳) اور بعض یزید کو خلفائے راشدین مہدیین میں شمار کرتے ہیں تو ان کے متعلق ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ گمراہ، بدعتی اور جھوٹے ہیں اور بعض اس کو (یزید) کو بھی کافر کہتے ہیں۔ اور العیاذ باللہ حضرت معاویہؓ کو بھی۔ ابن تیمیہ نے ان کی بھی سخت تردید کی ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ (سوال عن یزید ص ۱۵) اور ابن تیمیہ نے جو لکھا ہے کہ کچھ

لوگ یزید کو خلفائے راشدین مہدیین میں شمار کرتے ہیں۔ تو اہل السنّت والجماعت میں سے تو کوئی بھی اس کو خلفائے راشدین میں شمار نہیں کرتا۔ البتہ آج کا عباسی گروہ عموماً یزید کو خلیفہ راشد ہی تسلیم کرتا ہے چنانچہ: (۱) مولوی عظیم الدین صاحب (کراچی) کی کتاب "حیات سیّدنا یزید" ص ۳ پر جو نظم لکھی ہے اس کا پہلا شعر ہی یہی ہے کہ ؎

ہر آن رہبر تھی ہدایت یزید کی
کیوں راشدہ نہ ہو گی خلافت یزید کی

اور آخری شعر یہ ہے ؎

تسلیم کی ہے متفقہ طور سے انیس
اہل عرب عجم نے سیادت یزید کی

ایک غالی یزیدی کا قصیدہ:

(۲) میرے نام کراچی سے ایک غالی یزیدی کا خط آیا تھا۔ اس میں یزید کی مدح میں یہ الفاظ تھے:

تقریب بسلسلہء تاجپوشی خلیفۃ المسلمین امام المتقین ۔ امام الصحابۃ والتابعین ۔ امام مغفور ۔ امام عرب وعجم وموصی میزبان رسول۔ محسنِ خانوادہ بتول۔ امام الفاتحین وتنبیہ الغافلین وامام العاقلین۔ پناہ زینب وزین العابدین وارث کاتب وحی وفتح مبین ھادی بن ھادی ومھدی و پیر ابن پیر و امیر حج۔ امام الصابرین و فاتح بحر و بر و قسطنطین و موجد فضائیہ سیدنا ومولانا جناب حضرت غازی یزید رحمۃ اللہ علیہ کی خوشی میں بتاریخ ۲۲ رجب ۱۴۰۱ھ عرب آباد بالمقابل 17/A سندھی مسلم سوسائٹی بوقت ۸ بجے صبح تشریف لا کر امین شریعت کے فیوض و برکات سے مستفید ہوں۔ المستدعی صوفی عبدالرحمٰن یزیدی۔

(۳) کراچی سے ایک کیلنڈر شائع ہوا ہے جس میں بارہ خلفائے راشدین میں سے یزید کا بھی نام ہے۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

(۴) ایک رسالہ بنام سیّدنا حسینؓ اور امیر یزیدؒ مولفہ مولوی حسن محمد خطیب جامع مسجد محمدی نوکھر ضلع گوجرانوالہ شائع ہوا ہے۔ اس میں لکھا ہے:۔ امیر یزید کی بیعت حق تھی اور ان کی خلافت علی منہاج النبوۃ تھی۔ امیر یزید کی مخالفت کرنے والوں نے اچھا کام نہیں کیا الخ (ص ۴) اس کتاب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر بجائے علامت رضؓ کے رحؒ لکھا ہے اور حضرت علی المرتضی کے متعلق (جو قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے منتخب خلیفہ ہیں باقتضائے نص آیت استخلاف و آیت تمکین) لکھا ہے کہ:۔ اگر صرف دو آدمیوں نے امیر یزید کی بیعت نہیں کی تو کیا فرق پڑے گا۔ حالانکہ حضرت سیّدنا علیؓ کی بیعت تو صرف دو صحابیوں نے کی اور وہ بھی تلواروں کے سائے میں (ایضاً ص ۱۶) اس کتاب پر حکیم فیض عالم صاحب (حال جہلم) کی تقریظ بھی ہے۔ اس قسم کے غالی یزیدیوں کے بارے میں ہی علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ گمراہ، بدعتی اور جھوٹے ہیں۔

فتویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ درباره یزید

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بل الحق فيه انه كان من ملوك المسلمين له حسنات و له سيئات والقول فيه كالقول فى امثاله من الملوك لا نحبه ولا نسبّه وهو اول من غزا قسطنطينيه وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتل فيها قتيلًا ولعنه.

(فتاوی ابن تیمیہؒ)

"بلکہ یزید کے بارے میں حق یہ ہے کہ وہ مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ اس کی اچھائیاں بھی ہیں اور اس کی برائیاں بھی ہیں اور ان کے بارے میں ہمارا قول وہی ہے جو اس کی مثل دوسرے بادشاہوں کے بارے میں ہے۔ ہم نہ اس سے محبت کرتے ہیں اور نہ اس کو سبّ کرتے ہیں۔ (یعنی اس پر لعن طعن نہیں کرتے) اور وہ پہلا شخص ہے جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا

ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر جہاد کرے گا ان کی مغفرت ہو جائے گی۔ اور اس نے اہل مدینہ کے بارے میں کیا جو کچھ کیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں (عذاب کی) وعید سنائی ہے اور اس پر لعنت کی ہے جو مدینہ میں قتل قتال کرے"

علاوہ ازیں ابن تیمیہ منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۱ میں بھی لکھ چکے ہیں کہ:

ان القول فی لعنة یزید کالقول فی لعنة امثاله من الملوك الخلفاء وغیرهم . ویزید خیرٌ من غیره خیرٌ من المختار بن ابی عبید الثقفی امیر العراق الذی اظهر الانتقام من قتلة الحین فان هذا ادعی ان جبریل یأتیه وخیر من الحجاج بن یوسف فانه اظلم من یزید باتفاق الناس ومع هذا فیقال غایة یزید وامثاله من الملوك ان یکونوا فسّاقًا فلعنة الفاسق المعیّن لیست مامورًا بها الخ

"یزید کے بارے میں لعنت کا قول ایسا ہی ہے جو اس کی مثل دوسرے بادشاہوں اور خلیفوں کے بارے میں ہے۔ اور یزید ان میں سے بہتر ہے۔ وہ بہتر ہے مختار بن ابی عبید ثقفی سے جو عراق کا امیر تھا اور جس نے حضرت حسینؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کی تحریک چلائی تھی اور اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس کے پاس جبریل آتا ہے اور یزید حجاج بن یوسف سے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ یزید سے زیادہ ظالم ہے اور اس بات پر لوگوں کا اتفاق ہے اور باوجود اسکے یزید اور اس جیسے بادشاہوں کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ فاسق ہیں (اور کافر نہیں ہیں) مگر فاسق متعیّن پر لعنت کرنے کا حکم نہیں ہے"۔

بہر حال مندرجہ عبارات سے ثابت ہوا کہ امام احمدؒ بن حنبل کا اصل مسلک سندیلوی صاحب کے خلاف ہے۔ کیونکہ ابن تیمیہ عقیدہ و مسلک میں اپنے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پیرو ہیں۔

حافظ عبدالغنی مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

سندیلوی صاحب لکھتے ہیں احکام حدیث کی مشہور کتاب ''عمدۃ الاحکام'' کے مؤلف اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حافظ عبدالغنی مقدسی رحمۃ اللہ علیہ حنبلی اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں:۔ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح ہے جن ستر صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کی ہے ان میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ رہا یزید بن معاویہ سے محبت کرنا تو یہ بھی کوئی بُری بات نہیں۔ یزید سے محبت کرنے والے پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ غرض یہ کہ فِسق اور ظلم کے جو الزام یزید پر لگائے جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں اس سلسلہ کی جتنی روایتیں ہیں وہ شیعوں کی گھڑی ہوئی موضوع اور جعلی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی قابل قبول و تسلیم نہیں جب یزید کا فسق و ظلم ثابت نہیں تو ماننا پڑے گا کہ وہ صالح اور عادل تھے۔ (جواب شافی ص ۱۹)

الجواب

(۱) حافظ عبدالغنی صاحب مقدسی رحمۃ اللہ علیہ ۲۲ ربیع الاول ۶۰۰ھ اپنے چچا شیخ الاسلام قدامہ مقدسی متوفی ۶۱۹ھ (صاحب المغنی) کے ہمراہ حضرت غوث اعظم سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے پاس تو صرف پچاس دن رہے ہیں۔ بعد ازاں حضرت الشیخ کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد دونوں حضرات شیخ ابوالفرج ابن الجوزی اور شیخ ابوالفتح ابن المنی کے ہاں چار سال تعلیم میں مشغول رہے ہیں۔

(ملاحظہ ہو۔ البدایۃ والنہایۃ لحافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ جلد ۱۳ ص ۳۸)

اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں ہی ان کے حالات میں لکھا ہے کہ حافظ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کے علماء کے ساتھ اکثر مباحثے اور جھگڑے رہے ہیں اور آپ کو بعض شہروں سے نکالا بھی گیا ہے۔ بہرحال حافظ صاحب موصوف زیادہ عرصہ تو امام ابن الجوزی محدث کے پاس رہے ہیں جو یزید پر لعنت کے قائل ہیں۔ سندیلوی صاحب کی تلبیس کا اندازہ لگائیں کہ انہوں نے حافظ صاحب رحمہ اللہ کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد تو

ظاہر کر دیا حالانکہ یہ مدت صرف پچاس دن کی تھی لیکن اس بات کا اظہار نہ کیا کہ آپ محدث ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زیادہ عرصہ استفادہ کرتے رہے ہیں کیا تحقیقِ حق اسی کا نام ہے؟

(۲) حافظ عبدالغنی مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب عمدۃ الاحکام کی جو عبارت سندیلوی صاحب نے پیش کی ہے میرے پاس یہ کتاب نہیں ہے بعض دفعہ فاضل سندیلوی حوالہ نقل کرنے میں بھی گڑبڑ کرتے ہیں جیسا کہ انکی کتاب ''اظہار حقیقت جلد دوم'' سے ایسی متعدد عبارتوں کی نشاندہی کر چکا ہوں۔ بہرحال سندیلوی صاحب کی مندرجہ پیش کردہ عبارت سے بھی ان کے موقف کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ:

(۱) صحابہ کرام کے بیعت کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یزید صالح و عادل تھا۔ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین یزید کے بیعت و عدم بیعت کے سلسلہ میں اجتہادی اختلاف پایا جاتا ہے جس کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر بحث کی جائے گی۔

(۲) سندیلوی صاحب کی پیش کردہ عبارت کے یہ الفاظ کہ:۔

رہا یزید ابن معاویہ سے محبت کرنا تو یہ بھی کوئی بُری بات نہیں۔ یزید سے محبت کرنے والے پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔''

اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ یزید صالح اور عادل خلیفہ تھا۔ کیونکہ محبت کے درجات ہیں اور بحیثیت مسلمان کے ہر مومن سے محبت کی جا سکتی ہے خواہ وہ فاسق ہی ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:۔ انما المومنون اخوۃ (مومنین آپس میں بھائی ہیں)

اب سندیلوی صاحب ہی فرمائیں کیا یہاں مومنین سے مراد صرف صالحین ہیں یا ان کے علاوہ غیر صالحین بھی ہیں جن پر مومن و مسلم کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ یقیناً اس سے مراد عام مومنین ہیں نہ کہ صرف صالحین۔ اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کے متعلق مختلف مسلکوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

حب ولعن جمع ہو سکتے ہیں (ابن تیمیہ)

ومن جوّز من اهل السنة والجماعة لعنة الفاسق المعتين فانه يقول يجوز ان اُصلی عليه وان العنه فانه مستحق للثواب مستحق للعقاب فالصلوة عليه لاستحقاقه الثواب واللعنة له لاستحقاقة العذاب. واللعنة البعد عن الرحمة والصلوٰة عليه سبب الرحمة فيرحم من وجه ويبعد عنها من وجه وهذا كله على مذهب الصحابة والتابعين لهم باحسان وسائر اهل السنة والجماعة ومن يدخل فيهم من الكرامية والمرجئة والشيعة ومذهب كثير من الشيعة الامامية وغيرهم الذين يقولون ان الفاسق لا يخلد فی النار.

(منهاج السنة جلد۲ ص ۲۵۲)

"اور اہل السنّت والجماعت میں سے جو فاسق معیّن پر لعنت کو جائز قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ میرے لئے جائز ہے کہ میں اس پر نماز جنازہ پڑھوں (اور بخشش کی دعا کروں) اور اس پر لعنت کروں۔ کیونکہ وہ (یعنی فاسق شخص) ثواب کا بھی مستحق ہے اور عذاب کا بھی۔ پس اس پر رحمت بھیجنا اس کے ثواب کے مستحق ہونے کی وجہ سے ہے اور اس پر لعنت کرنا اس کے مستحق عذاب ہونے کی وجہ سے ہے اور رحمت سے دُور ہونے کا نام لعنت ہے۔ اور اس پر نماز جنازہ پڑھنا رحمت کا سبب ہے۔ پس ایک وجہ سے وہ محل رحمت ہے اور ایک وجہ سے وہ رحمت سے دور ہے۔ اور یہ سب (یعنی رحمت وعذاب کا مستحق ہونا) صحابہ وتابعین اور تمام اہل السنّت والجماعت کے مذہب پر صحیح ہے اور اس بارے میں جو ان میں داخل ہیں ان کے مذہب پر بھی ہے یعنی کرامیہ، مرجئہ، شیعہ اور اکثر شیعہ امامیہ وغیرھم کے مذہب پر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فاسق ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔"

خلاصہ یہ ہے کہ فاسق میں دونوں پہلو ہیں۔ فسق کی وجہ سے وہ مستحق عذاب ہے اور ایمان کی وجہ سے اس کے لئے دعائے رحمت و مغفرت بھی جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاسق مسلمان کی بھی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ جس میں اس کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کی جاتی ہے اور یہ تمام صحابہ و تابعین اور اہل السنّت والجماعت کا مذہب ہے اور دوسرے باطل فرقوں شیعہ امامیہ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ فاسق ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا اور جہنم کی سزا کاٹنے کے بعد آخر اس کو جنّت نصیب ہو جائے گی۔

(ب) علاوہ ازیں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ:۔ عن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ میں یزید کے متعلق لعن یا عدم لعن کی بحث میں لکھا ہے:۔

والتحقيق ان هٰذين القولين يسوغ فيهما الاجتهاد. فان اللعنة لمن يعمل المعاصی مما يسوغ فيها الجتهاد. وكذلك محبة من يعمل حسنات وسيئات . بل لايتنا فی عندنا ان يجتمع فی الرجل المحمد والذّم والثواب والعقاب وكذلك لايتنا فی ان يصلی عليه ويدعی له . وان يُلعن ويُشتم ايضًا باعتبار وجهين . فان اهل السنة متفقون علی ان فساق اهل الملة وان دخلوا النار او استحقوا دخلوها فانهم لابد ان يدخلوا الجنة فيجتمع فيهم الثواب والعذاب ولٰكن الخوارج والمعتزله تنكر ذلك.

"اور تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں میں (لعن و عدم لعن) میں اجتہاد کے لئے گنجائش ہے۔ کیونکہ جو شخص معاصی (گناہوں) کا ارتکاب کرتا ہے اس پر لعنت کرنے کی گنجائش ہے۔ اور اسی طرح جس شخص کی نیکیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی، اس سے محبت کرنا جائز ہے بلکہ ہمارے نزدیک اس میں کوئی منافقت نہیں ہے کہ ایک ہی آدمی میں مدح اور مذمت اور ثواب اور عذاب جمع ہو جائیں اسی طرح اس میں بھی کوئی منافقت نہیں ہے کہ اس کی نماز

جنازہ پڑھی جائے اور اس کے لئے دعاء کی جائے اور اس پر لعن وطعن کی جائے دونوں وجہوں کے اعتبار سے۔ کیونکہ اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل ملت کے فاسق لوگ اگرچہ جہنم میں داخل ہوں گے یا اس میں داخل ہونے کے مستحق ہوں گے مگر آخر میں وہ ضرور جنت میں داخل ہوں گے۔ پس ان میں ثواب اور عذاب دونوں جمع ہیں لیکن خوارج اور معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں۔"

مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہوا کہ فاسق سے اس کے ایمان کی وجہ سے محبت بھی جائز ہے تو کسی شخص سے محبت کرنے اور اس کو فاسق کہنے میں کوئی منافات نہیں ہے۔ دونوں کے جدا جدا پہلو ہیں۔ اس اعتبار سے حافظ عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ لکھا ہے کہ:۔

یزید سے محبت کرنے والے پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ تو یہ محبت اس دوسری جہت سے ہے جس میں لعن طعن بھی جمع ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اتنی عبارت سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ یزید کو صالح اور عادل قرار دیتے ہیں اور جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ہم نہ یزید سے محبت کرتے ہیں اور نہ سبّ (لعن طعن) کرتے ہیں تو وہ اس کو صالح نہ ماننے کی بنا پر ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ اپنے اسی رسالہ:۔ سؤال عن یزید بن معاویہ ص ۲۸ پر لکھتے ہیں:۔

واما ترك محبته فلان المحبة الخاصة انما تكون للنبيين والصديقين والشهداء والصلحين وليس واحدًا منهم وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم المرء مع من احبّ . ومن اٰمن باللّٰه واليوم الاٰخر لايختار ان يكون مع يزيد ولا مع امثاله من الملوك الذين ليسوا بعادلين .

"اور یزید سے محبت نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خاص محبت انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوتی ہے اور یزید ان میں سے کسی میں بھی (شامل) نہیں ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں آدمی اسی

کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اس بات کو نہیں اختیار کرتا کہ وہ قیامت میں یزید کے ساتھ ہو اور نہ ہی وہ یزید جیسے دوسرے بادشاہوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے جو عادل نہیں ہیں"۔

یہ ہیں یزید وغیرہ سے محبت کرنے یا نہ کرنے کے مختلف پہلو۔ جن کو نہ سمجھنے کی وجہ سے فاضل سندیلوی نے اپنی تائید میں حافظ عبدالغنی مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پیش کر دی ہے۔ حالانکہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نزدیک یزید صالح اور عادل ہے۔ سندیلوی صاحب نے کم فہمی یا تلبیس کی وجہ سے اپنے موقف کی تائید میں تین چار عبارتیں پیش تو کر دی ہیں لیکن ان سے ان کو حاصل کچھ بھی نہ ہوا۔ معاملہ۔ کوہ کندن وکاہ برآوردن والا ہوگیا۔ ان کا حال تو یہ ہے ۔

چلتا ہوں تھوڑی دُور کسی رہرو کے ساتھ
تھک کر جو بیٹھتا ہوں کوئی پوچھتا نہیں

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں غلط بیانی

سندیلوی صاحب نے مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم کے جواب میں یہ لکھا تھا کہ:
مسامرہ و مسایرہ میں علامہ ابن ہمام اور علامہ سیّد شریف رحمہما اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کفِ لسان چاہیے۔ کیونکہ جو الزامات ان پر لگائے جاتے ہیں وہ ثابت نہیں۔
(مکتوب محررہ ۲۲ جمادی الاولی ۱۳۹۵ھ)

الجواب

فاضل سندیلوی اور مولانا غلام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی فِسق یزید کے بارے میں جو خط و کتابت ہوئی ہے اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ یہاں سندیلوی صاحب نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یزید کو کافر کہنے اور لعنت کرنے میں کفِ لسان کو محتاط طریقہ قرار دیا ہے نہ کہ اس کے فاسق کہنے میں۔ اور مولانا غلام

یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی بحث سندیلوی صاحب کے تکفیر و لعن یزید میں نہ تھی بلکہ اس کے فاسق ہونے یا نہ ہونے میں تھی۔ چنانچہ سندیلوی صاحب کے جواب میں انہوں نے لکھا تھا کہ:۔
محققین اہل سنت کی رائے ان کتابوں سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یزید کے فسق پر اتفاق ہے۔ اختلاف جو ہے وہ صرف تکفیر و عدم تکفیر۔ جواز لعن و عدم لعن میں ہے۔ الخ
سندیلوی صاحب نے المسایرہ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

واختلف فی الکفار یزید ابنه فقیل نعم وقیل لا اذلم یثبت لنا عنه تلك الاسباب الموجبة وحقیقة الامر التوقف فیه ورجع امره الی اللہ سبحانهٗ (المسایرہ ص ۱۶۹ مطبوعہ مصر)

"اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید کو کافر قرار دینے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ہاں (یعنی وہ کافر ہے) اور بعض کہتے ہیں کافر نہیں۔ جبکہ ہمارے پاس اس کے ایسے افعال کا ثبوت نہیں جو اس کے کفر کا موجب ہوں اور حقیقت الامر اس میں (یعنی تکفیر اور عدم تکفیر) توقف کرنا ہے اور اس مسئلہ کو اللہ سبحانہ کی طرف سپرد کرنا ہے۔"

اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ توقف اسی مسئلہ تکفیر اور عدم تکفیر میں ہے جس میں اختلاف پایا جاتا ہے اور زیر بحث مسئلہ تفسیق و عدم تفسیق (یعنی یزید کو فاسق کہنے یا نہ کہنے) میں توقف کرنے کا تو کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ بلکہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ یزید کی تکفیر اور عدم تکفیر میں اختلاف پایا جاتا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ یزید کے فاسق ہونے میں اہل السنت والجماعت کا اختلاف ہی نہیں ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق غلط بیانی

اسی جوابی مکتوب میں محقق سندیلوی لکھتے ہیں:۔
"قریب کے بزرگوں میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امداد الفتاویٰ تتمہ ثالث میں لکھا ہے کہ کفِ لسان کرے اور اگر دوسرا کچھ کہے تو اس سے تعرض نہ کرے۔"

الجواب

سندیلوی صاحب یہاں بھی تلبیس سے کام لے رہے ہیں کیونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یزید پر لعنت کرنے نہ کرنے میں کفِ لسان فرمایا ہے نہ کہ یزید کو فاسق کہنے اور نہ کہنے میں چنانچہ سندیلوی صاحب نے امداد الفتاویٰ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے۔ اس میں جواب ہے ایک سوال کا۔ اور وہ سوال جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی نے لکھا ہے یہ ہے۔

سوال (۳۸۵) ''یزید کو لعنت بھیجنا چاہیے تو کس وجہ سے۔ اور اگر نہ بھیجنا چاہیے تو کس وجہ سے۔ بیّنوا توجروا''

اس کا جواب حضرت تھانوی نے تفصیل سے دیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ:۔ یزید کے بارے میں علماء قدیماً و حدیثاً مختلف رہے ہیں بعض نے تو اس کو مغفور کہا ہے بدلیل حدیث صحیح بخاری: ثم قال النبّی صلی اللّٰہ علیه وسلم اوّل جیش من امّتی یغزون مدینة قیصر مغفورٌ لهم الخ ۔ اور بعضوں نے اس کو ملعون کہا ہے الخ۔ پھر فرماتے ہیں:۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ چونکہ معنی لعنت کے ہیں خدا کی رحمت سے دور ہونا، اور یہ ایک امر غیبی ہے جب تک شارع بیان نہ فرمائے کہ فلاں قسم کے لوگ یا فلاں شخص خدا کی رحمت سے دور ہے کیونکر معلوم ہوسکتا ہے اور خاص یزید کے باب میں کوئی اجازت منصوصہ ہی نہیں۔ پس بلا دلیل اگر دعویٰ کریں کہ وہ خدا کی رحمت سے دُور ہے اس میں خطرِ عظیم ہے۔

پھر فرماتے ہیں:۔ اسی طرح یقیناً اس کو مغفور کہنا بھی سخت زیادتی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی کوئی نص صریح نہیں۔ رہا استدلال حدیث مذکور سے وہ بالکل ضعیف ہے کیونکہ وہ مشروط ہے شرطِ وفات علی الایمان کے ساتھ اور وہ امر مجہول ہے الخ

اور اس جواب کے آخر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:۔ اور احیاء العلوم جلد ثالث باب آفۃ اللسان آفت ثامنہ میں لعنت کی خوب تحقیق لکھی ہے خوف تطویل سے عبارت نقل نہیں کی گئی۔ (امداد الفتاویٰ جلد پنجم۔ کتاب

العقائد واحکام ص ۴۲۷، بحوالہ تتمہ ثالثہ ص ۵۴)

یزید فاسق ہے (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

(۲) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔ دوسرے صحابہ نے جائز سمجھا۔ حضرت امام (حسین رضی اللہ عنہ) نے ناجائز سمجھا الخ (امداد الفتاویٰ جلد چہارم ص ۴۶۵)

اب سندیلوی صاحب فرمائیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کفِ لسان کس سلسلہ میں فرمایا ہے جبکہ یہاں صراحتاً لکھ رہے ہیں کہ: یزید فاسق تھا۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کفِ لسان کا حکم دیا ہے وہ فاسق کہنے کے بارے میں نہیں بلکہ کافر کہنے کے بارے میں ہے۔ باقی رہی حدیث مغفورٌ لہم تو اس کا تفصیلی جواب اپنے مقام پر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

شیخ عبدالمغیث الحربی رحمۃ اللہ علیہ

سندیلوی صاحب نے تو اپنے موقف کی تائید میں شیخ عبدالمغیث الحربی متوفی ۵۸۳ھ کا حوالہ پیش نہیں کیا۔ البتہ محمود احمد صاحب عباسی نے یزید کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے ان کی کتاب سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ بعنوان: ''کتاب فضل یزید'' لکھتے ہیں:۔

بعض صلحائے امت احقاق حق کی خاطر انکشاف حقیقت پر کمر بستہ ہوئے۔ منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے متعلق علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ کان مِن صلحاء الحنابلة وکان یزار (البدایہ والنہایہ جلد ۱۲ ص ۳۲۸) ''یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے مرجع عوام تھے۔ انہوں نے امیر یزید کی حسنِ سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی۔ ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویة اتی فیه بالغرائب والعجائب اور ان کی (شیخ عبدالمغیث کی) تصنیف ہے فضل یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کئے گئے ہیں۔

اسی سلسلہ میں علامہ ابن کثیر نے یہ لطیفہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کتاب ''فضل یزید'' کی شہرت ہوئی۔ خلیفہ وقت الناصر الدین اللہ عباسی شیخ موصوف کی خدمت میں پوشیدہ طور سے تبدیلی ہیئت اس طرح آئے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ شیخ نے پہچان تو لیا مگر اظہار نہ کیا۔ خلیفہ الناصر نے امیر یزید کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انہوں نے دیا اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

فسئله الخليفة عن يزيد أيلعن ام لا؟ فقال لا اسوغ لعنه (خلیفہ نے شیخ عبدالمغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعنت کی جائے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس پر لعنت کو جائز نہیں کہتا۔ اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر بھی لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا۔ وہ کیوں۔ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سی منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں۔ انہوں نے خلیفہ کے بُرے افعال گنوانے شروع کئے۔ خلیفہ نے گفتگو ترک کردی اور ان کے پاس سے اُٹھ آئے۔ لیکن ان کے کلام کا اثر ان کے دل پر ہوا اور اس سے ان کو نفع پہنچا''۔ (ایضاً ص ۳۲۸۔ خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۱۰۶)

اسی سلسلہ میں عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی کتاب کا رد لکھا ہے جس کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ موصوف جو صاحب کتاب الذّیل علی الطبقات الحنابلہ کے الفاظ میں المحدث الزاھد۔ متدین۔ راست گفتار۔ جمیل السیرۃ۔ متبّع السنۃ وحمید الاخلاق تھے۔ خلیفہ یزید کی مذمّت کے مانع تھے۔ ان کے مخالف ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا نام رکھا تھا ''الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید'' (اس ضدی متعصب کا رد جو مذمت یزید کا مانع ہے)۔ شیخ عبدالمغیث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز ادا فرمانے کے ثبوت میں جو تصنیف کی تھی ابن الجوزی نے اس کا ردّ بھی لکھا تھا جس کا نام تھا:۔ آفة الحديث الرد على عبدالمغيث سیرت یزید کے سلسلہ میں یہ باتیں اس موقع پر ضمناً یوں بیان ہوئیں کہ سیاسی مشاجرات کے پروپیگنڈے کے نتائج چند صدیوں بعد سبّ وشتم کی کیا نوعیت اختیار

کر گئے تھے۔ (ایضاً خلافتِ معاویہ ویزید ص ۱۰۸)

الجواب

(۱) عباسی صاحب نے شروع کی عبارت میں وہ الفاظ نہیں لکھے جن سے کتاب "فضل یزید" کے بارے میں ابن کثیر نے اپنی رائے ظاہر کردی ہے اور پھر عباسی صاحب نے اَتیٰ فیه بالعجائب والغرائب کا ترجمہ بھی غلط لکھا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر کے مذکورہ حذف کردہ الفاظ یہ ہیں:"وقد رد علیه ابو الفرج ابن الجوزی فاجاد واصاب" "اور شیخ عبدالمغیث کی کتاب کا ابوالفرج ابن الجوزی نے ردکیا ہے جو بہت عمدہ اور صحیح ہے"۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ حافظ ابنِ کثیر خود بھی شیخ عبدالمغیث کی کتاب کے خلاف ہیں اس لئے اتی فیه بالعجائب والغرائب کہنے کا مطلب ابن کثیر کے نزدیک یہ ہے کہ شیخ عبدالمغیث نے اس میں عجیب وغریب باتیں لکھی ہیں جو قابل اعتماد نہیں۔ لیکن عباسی صاحب نے درمیانی عبارت ترک کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ شاید حافظ ابن کثیر بھی کتاب فضل یزید کے حق میں ہیں۔ علاوہ ازیں عباسی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ جب کتاب فضل یزید کی شہرت ہوئی۔

تو یہ الفاظ حافظ ابن کثیر کے نہیں ہیں (۲) شیخ عبدالمغیث صاحب کی کتاب کا اصل مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یزید پر لعن طعن کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ چنانچہ ان کی جو گفتگو خلیفہ الناصر سے ابن کثیر کے حوالہ سے عباسی صاحب نے نقل کی ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ بادشاہ نے شیخ صاحب سے سوال ہی یہ کیا ہے کہ:۔ أیُلعن ام لا کہ یزید پر لعنت کی جائے یا نہیں اور پھر اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے جو شیخ صاحب نے خلیفہ صاحب کو جواب دیا ہے کہ اگر یہ لعنت کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر یہ سلسلہ پھیل جائے گا۔ کیونکہ خلیفہ وقت میں یہ یہ خرابیاں موجود ہیں۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یزید کی خرابیوں کی وجہ سے اس پر لعن طعن کرنے کا جواز ثابت کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے اس پر لعنت کرنے کو اگر جائز قرار دیا جائے تو پھر لعنت کا دائرہ وسیع ہو جائے گا۔

اگر یزید میں ایسی خرابیاں نہ ہوتیں جن کی بنا پر لعنت کرنے کا جواز ہو سکتا ہے تو شیخ عبدالمغیث یہ جواب کیوں دیتے بلکہ یہ فرماتے کہ یزید پر لعن کا جواز ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ صالح اور عادل خلیفہ تھا اور خود عباسی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ:

امیر المومنین موصوف کی پہلی ملاقات شیخ عبدالمغیث سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل کے مزار پر اچانک ہوگئی تھی اور اس ملاقات میں ہی انہوں نے شیخ سے دریافت کیا کہ تم ہی کیا وہ حنبلی ہو جنہوں نے مناقب یزید پر کتاب لکھی ہے؟ شیخ نے جواباً کہا کہ مناقب پر تو نہیں لکھی البتہ میرا مذہب و مسلک یہ ہے کہ یزید خلیفۃ المسلمین تھے۔ ان پر فسق کا الزام بھی تھوپا جائے تب بھی ان کی بیعت توڑنے کا جواز تو ہرگز نہ ہوگا۔ یہ جواب سُن کر امیر المومنین خوش ہوئے اور فرمایا۔ احسنت یا حنبلی (اے حنبلی تو نے اچھا کیا ہے) اس سے بھی تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ شیخ عبدالمغیث یزید کی بیعت توڑنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے نہ یہ کہ وہ ضرور اس کو عادل اور صالح قرار دیتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ جواب دیا کہ:۔ مناقب پر تو (کتاب) نہیں لکھی"۔

(۳) محدث ابن الجوزی نے شیخ عبدالمغیث کے رد میں کتاب کا نام جو یہ رکھا ہے:۔ "الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید" اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ عبدالمغیث بھی یزید کی مذمت اور لعن کرنے کے خلاف تھے اور ابن الجوزی نے انکی تردید اسی پہلو سے کی تھی اور لعن اور عدم لعن میں اہل السنت والجماعت کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے اور اس بحث کا تعلق یزید کے صالح اور عادل ہونے سے نہیں ہے اور شیخ عبدالمغیث نے اپنی کتاب میں اگر یزید کی کوئی فضیلت بیان کی ہوگی تو وہ اس کی بعض دوسری اچھائیوں کی وجہ سے ہوگی۔ دراصل وہ لوگوں کو یزید پر لعن کرنے سے بچانا چاہتے تھے۔ اور محتاط مسلک یہی ہے کہ یزید پر لعنت نہ کی جائے۔

محدث ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

عباسی صاحب نے یہاں شیخ عبدالمغیث کے متعلق تو لکھ دیا ہے کہ آپ المحدث

الزاہد وغیرہ تھے۔ لیکن محدث ابن الجوزی کو صرف ابن الجوزی کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ غالباً اس وجہ سے کہ ناواقف قارئین کی نگاہ میں ان کی کوئی خاص وقعت نہ رہے۔ حالانکہ یہ وہی محدث ابن الجوزی ہیں جو کتاب ''عمدۃ الاحکام'' کے مصنف حافظ عبدالغنی مقدسی اور ان کے چچا حافظ الموفق ابن قدامہ کے استاذ ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر محدث رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:۔

جمیع المصنفات الکبار والصغار نحواً من ثلثمائة مصنف

''یعنی آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف تین سو کے قریب ہیں''

وله فی العلوم کلها الید الطولٰی . والمشارکات فی سائر انواعها من التفسیر والحدیث والتاریخ والحساب والنظر فی النجوم والطب والفقه وغیر ذلك من اللغة والنحو.

''اور آپ کو تمام علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اور تمام انواع علوم تفسیر، حدیث، تاریخ، حساب، علوم نجوم، طب اور فقہ اور لغت اور نحو وغیرہ میں ان کا حصہ ہے''۔

نیز لکھتے ہیں:۔

وکان وهو صبیٌ دینا مجموعاً علی نفسه لا یخالط احدًا ولا یاکل مافیه شبهة ولا یخرج من بیته الا للجمعة وکان لا یلعب مع الصبیَان . وقد حضر مجلس وعظه الخلفاء والوزرآء والملوك والامرآء والعلماء والفقراء ومن سائر صنوف بنی آدم واقل ما کان یجتمع فی مجلس وعظه عشرة آلاف وربما اجتمع فیه مائة الف او یزیدون.

(البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۲۸)

''اور آپ بچپن ہی میں دیندار تھے اپنے حال میں رہتے اور کسی سے میل جول نہیں رکھتے تھے اور شبہ والی چیز نہیں کھاتے تھے اور سوائے نماز جمعہ کے اپنے گھر سے نہیں نکلتے تھے اور اپنے بچوں کے ساتھ نہیں کھیلتے تھے اور آپ

کے وعظ میں خلفاء، وزراء، ملوک، امراء، علماء، فقراء اور ہر قسم کے لوگ حاضر ہوتے تھے اور کم از کم آپ کی مجلس وعظ میں دس ہزار آدمی حاضر ہوتے تھے اور بسا اوقات ان کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے بھی بڑھ جاتی تھی''۔

علاوہ ازیں علامہ ابن تیمیہ نے بھی محدث ابن جوزی کی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ جو انہوں نے شیخ عبدالمغیث کے رد میں لکھی تھی اور یزید پر لعن اور عدم لعن کی بحث میں ہی خلیفہ ناصر اور شیخ عبدالمغیث کا مندرجہ مکالمہ نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۵۴)

لعن یزید اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حکم میں کہ یزید پر لعن کرنا چاہئے یا نہیں۔ توقف اس وجہ سے ہے کہ یزید پلید کے بارے میں معاملہ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام میں روایات متعارضہ و متخالفہ وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علیہ السلام کی شہادت پر یزید پلید راضی ہوا اور آپ کی شہادت پر خوش ہوا۔ اور اس نے اہلِ بیت اور خاندانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی۔ تو جن علماء کے نزدیک یہ ثابت ہوا کہ یہ روایات مرجح ہیں تو ان علماء نے یزید پلید پر لعن کیا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور کیا الھر اسی رحمۃ اللہ علیہ جو فقہائے شافعیہ سے ہوئے ہیں اور دیگر علمائے کثیر نے یزید پلید پر لعن کیا۔ اور بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ یزید کو شہادت سے امام علیہ السلام کے رنج تھا۔ اور شہادت کی وجہ سے یزید نے ابنِ زیاد اور اس کے اعوان پر عتاب کیا اور یزید کو اس کام سے ندامت ہوئی کہ اس کے نائب کے ہاتھ سے یہ واقعہ وقوع میں آیا۔ تو جن علماء کے نزدیک یہ ثابت ہوا کہ یہ روایات مرجح ہیں تو ان علماء نے یزید کے لعن سے منع کیا۔ چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ اور دیگر علمائے شافعیہ اور اکثر علمائے حنفیہ نے یزید کے لعن سے منع کیا ہے اور بعض علماء کے نزدیک ثابت ہوا ہے کہ دونوں طرح کی روایات میں تعارض ہے اور کوئی ایسی وجہ ثابت نہ ہوئی کہ اس کے اعتبار سے ایک جانب کی روایات کو ترجیح ہو سکے تو ان علماء نے احتیاطاً اس مسئلہ میں توقف کیا اور جب روایات

میں تعارض ہو اور کوئی وجہ کسی روایت کی ترجیح کے لئے نہ ہو تو علماء پر یہی واجب ہے یعنی حکم دینے میں توقف کرنا واجب ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ شمر و ابن زیاد پر لعن کرنا قطعی طور پر جائز ہے اس واسطے کہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ شمر و ابنِ زیاد شہادت پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی راضی تھے اور آپ کی شہادت سے وہ دونوں خوش ہوئے اور اس بارہ میں روایات میں تعارض نہیں اس لئے شمر و ابنِ زیاد پر لعن کرنے میں علماء سے کسی نے توقف نہیں کیا بلکہ بالاتفاق سب علماء کے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے کہ شمر اور ابن زیاد بدنہاد پر لعن کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ عزیزی مترجم اردو ص ۲۲۲ شائع کردہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(۲) لعن فاسق کے بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ لکھتے ہیں۔ مرد باایمان کہ مرتکب کبیرہ کا ہو یا بہ سبب غلط فہمی اور شبہ فاسد کے مصدر و مرتکب کسی امر شنیع کا ہو اس کو لعن و گالی جائز نہیں ہے کئی دلیل کے ساتھ:

اوّل قولہ تعالیٰ فاعلم انہ لا الٰہ الا اللّٰہ واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات۔

"جان لے کہ وہ بیشک اللہ ایسا ہے کہ کوئی معبود نہیں سو اس کے اور مغفرت مانگ اپنے گناہ کی اس سے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی" الخ (تحفہ اثناعشریہ مترجم اُردو جلد۲ ص ۳۱۵ باب بارہواں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک فاسق پر لعن کرنا جائز نہیں ہے اور اس کے لئے دلیل یہ پیش فرمائی ہے کہ آیت میں مومنین کے لئے طلب مغفرت کا حکم ہے۔ اور لعنت اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں طردِ رحمت کی بددعا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور فرمائیں۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یزید پر لعنت نہ کرنے میں یہی دلیل پیش کی ہے جس کو یزیدی گروہ نے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا جس کی بحث پہلے گزر چکی ہے کہ لعنت کے عدم جواز سے یزید کا صالح و عادل ہونا لازم نہیں آتا۔

(ب) حضرت شاہ صاحب کے فتاویٰ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ یزید پر لعن کرنے یا نہ کرنے میں محتاط موقف توقف کا ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی

موقف ہے (اور حضرات اکابر دیوبند نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے)

(ج) تحفہ اثنا عشریہ کی مندرجہ آیت میں لفظ ذنب کا ترجمہ مترجم نے گناہ کیا ہے حالانکہ یہاں رحمت للعالمین ﷺ کے لئے ذنب سے مراد آپ کے ارفع مقام کے مطابق ترک اولیٰ ہے۔ عصمتِ انبیاء کی مفصل بحث بندہ نے اپنی کتاب :۔ "علمی محاسبہ بجواب علمی جائزہ" میں کردی ہے۔ جو مودودی نظریات کے ابطال میں ہے۔ اس کا مطالعہ انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

حدیث مغفورٌ لھُمْ کی بحث

حامیانِ یزید عموماً بخاری شریف کی یہ حدیث یزید کے فاسق ہونے کی نفی میں پیش کیا کرتے ہیں:۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اوّل جیش من امّتی یغزون مدینۃ قیصر مغفورٌ لھم (بخاری کتاب الجھاد)

"نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (یعنی قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گا ان کے لئے مغفرت ہے"

فاضل سندیلوی صاحب بھی اپنے مکتوب محررہ ۲۲ جمادی الاولی ۱۳۹۵ھ بنام مولانا غلام یحییٰ مرحوم میں لکھتے ہیں۔ پھر یہ کہ حدیث نبوی (بخاری شریف) جس میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے پہلے لشکر کو مغفورٌ لہم کی بشارت دی گئی ہے اس کے سپہ سالار امیر یزید ہی تھے جبکہ خود بخاری شریف نیز تاریخ ابن خلدون وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کی جو تاویلیں کی گئی ہیں وہ تارِ عنکبوت کے برابر بھی قوت نہیں رکھتیں۔

الجواب

(ا) زیر بحث مسئلہ تو یہ ہے کہ یزید فاسق تھا یا نہیں اور اس حدیث سے یہ کیونکر لازم آ گیا کہ یزید فاسق نہیں تھا کیا سندیلوی صاحب اتنا نہیں جانتے کہ فسق اور مغفرت دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں کسی درجے میں فاسق تھا تو گو اس

کو جہنم کی سزا ہو بھی جائے مگر آخر میں اس کی مغفرت ہو کر جنت نصیب ہوگی چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ.

''اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے'' (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قرآن و حدیث و اجماع سے یہ مسئلہ ضروریات شرع سے ہے کہ شرک اور کفر دونوں غیر مغفور ہیں۔

(۲) حدیث کی مراد یہ ہے کہ جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہونے والوں کے اس وقت تو گناہ بخش دیئے گئے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آئندہ بھی گناہ نہیں کریں گے۔ بلکہ اس کے بعد ان سے فسق و فجور اور گناہوں کا صدور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء بحوالہ ابو داؤد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے:۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اکل طعامًا ثم قال الحمد للّٰہ الذی اَطعمنی ھذا الطعام ورزقنیہ من غیر حول منی ولا قوۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ و من لبس ثوباً فقال الحمدللہ الذی کسانی ھذا ورزقنیہ من غیر حول منی ولا قوۃ غفر لہ ما تقدمہ من ذنبہٖ وماتاخر.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کھانا کھایا پھر کہا الحمد للّٰہ الذی یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے کھانا کھلایا اور مجھے عطا کیا بغیر اس کے کہ مجھ (اس کے پیدا کرنے کی) کچھ طاقت اور قوت ہو''

تو جتنے گناہ اس سے سرزد ہوئے وہ سب معاف کر دیئے جائیں گے اور جس نے

کپڑا پہنا پھر کہا الحمد للہ الذی یعنی اللہ کا شکر جس نے مجھے یہ پہنایا اور یہ مجھے عطا کیا بغیر اس کے کہ مجھ میں (اس کے پیدا کرنے کی) کچھ طاقت اور قوت ہو۔ تو جتنے گناہ اس کے اگلے یا پچھلے ہوں گے وہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(۳) مشکوۃ شریف میں بحوالہ ابوداؤد و ابن ماجہ یہ حدیث مذکور ہے:۔

عن ام سلمة قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول من اَھَلَّ بحجّةٍ او عمرة من المسجد الاقصی الی المسجد الحرام غفرله ما تقدم من ذنبه وما تاخّرَ ووجبت له الجنة (مشکوٰۃ کتاب المناسك فی فریضة الحج)

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جو شخص حج یا عمرہ کا احرام مسجد اقصیٰ سے مسجد الحرام تک باندھتا ہے اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرائے جاتے ہیں اور اس کے لئے جنّت واجب ہو جاتی ہے''۔

علامہ قاری حنفی محدث اس کی شرح مرقاۃ ج ۵ میں فرماتے ہیں ای من الصغائر ''ان کے صغیرہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں''۔

(۴) نیز مشکوۃ شریف میں ہے:۔

وعن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا لقیت الحاج فسلم علیه وصافحه ومُره ان یستغفر لك قبل ان یدخل بیته فانه مغفورٌ له (رواہ احمد)

''اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تو کسی حاجی سے ملاقات کرے تو اس کو سلام کہو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے التماس کرو کہ وہ تمہارے لئے بخشش کی دعا کرے اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو۔ کیونکہ اس کی مغفرت ہو گئی ہے''

اب سابق شیخ الحدیث سندیلوی صاحب ہی فرمائیں کہ اگر کوئی شخص کھانا کھاتے یا

کپڑا پہنتے ہوئے وہ دعائیں پڑھے جو حدیث نمبر ایک میں مذکور ہیں تو کیا اس کے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے بعد اس سے گناہ سرزد نہیں ہو گا؟ یا حج کرنے والے کے لئے جو مغفورٌ لہٗ فرمایا ہے کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ اس کے بعد اس سے فسق و گناہ سرزد نہیں ہو سکتا؟ تو اگر حدیث مذکور میں غفرلہ کے الفاظ حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بعد اس سے فسق کا صدور نہیں ہوگا تو پھر بخاری کی حدیث مغفورٌلہم کے الفاظ سے یہ کیونکر لازم آجاتا ہے کہ اس کے بعد اہل لشکر میں سے کوئی بھی گناہ نہیں کرے گا اور یزید اس کے بعد لازماً صالح اور عادل ہی رہے گا؟

(۵) مشکوٰۃ شریف باب الاستغفار والتوبۃ میں ہے:۔

عن اُسامة بن زيد عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فی قول اللّٰه عزوجل فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابقٌ بالخيرات . قال كلهم فی الجنة . رواه البيهقی فی كتاب البعث والنشور.

"حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے متعلق کہ پھر بعضے تو ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں" فرمایا کہ یہ سب جنت میں ہوں گے"۔

تو اس ارشادِ رسالت سے بھی ثابت ہوا کہ ظالم لوگ بھی آخرکار جنت میں ہوں گے لہٰذا یزید کو مغفرت کا مستحق قرار دیتے ہوئے بھی اگر اس جہان کے اعتبار سے فاسق اور ظالم تسلیم کیا جائے تو اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔ یعنی فسق اور مغفرت جمع ہو سکتے ہیں۔

(۶) پارہ ۲۲۔ سورۃ الفاطر رکوع ۴ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

روی البغوی بسنده عن ابی عثمان النهدی قال سمعت عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه قرأ هذا فقال قال رسول

اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سابقنا سابق و مقتصد نا ناجٍ وظالمنا مغفور لہ (تفسیر مظہری)

بغوی نے اپنی سند کے ساتھ ابو عثمان نہدی سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا۔ آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا سابق سابق ہے اور ہمارا متوسط درجے کا نجات پانے والا ہے اور ہمارے ظالم (یعنی ہماری امت کے ظالم) کی مغفرت ہو جائے گی'' (نیز الجامع الصغیر للسیوطی جلد دوم ص ۲۹)۔

یہ حدیث اس بارے میں نص ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جو ظالم لوگ ہیں ان کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔ یہاں ظالم کے لیے مغفورٌ لہ فرمایا ہے۔ اور بخاری کی زیر بحث حدیث میں تمام اہل لشکر کے لئے مغفورٌ لھم فرمایا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ظالمین کے لئے بھی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفور لھم کی بشارت دی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ امّت میں سے جن کو مغفورٌ لھم کی بشارت دی گئی ہے وہ ضرور صالح اور عادل ہی ہیں۔ کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالمین کو بھی مغفرت اور جنت کی بشارت دی ہے۔ اور بعض امتی اس بشارت کا مصداق ہو کر بھی فاسق ہو سکتے ہیں۔ اب جب تک فاضل سندیلوی اپنے علم و فضل کا سارا زور لگا کر یہ نہ ثابت کریں کہ مغفور لھم کی بشارت کا مستحق صرف صالح اور عادل امتی ہے نہ کہ فاسق و ظالم۔ اس وقت تک زیر بحث حدیث بخاری سے وہ یزید کا صالح اور عادل ہونا ثابت نہیں کر سکتے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین۔

بشارت مغفرت اور بشارت رضائے الٰہی کا فرق

یہاں اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جس طرح حدیث مغفرت کا مصداق قرار دینے کے باوجود یزید کو فاسق و ظالم کہا جا سکتا ہے اسی طرح اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باوجود رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی قرآنی بشارت کے فاسق و ظالم کہا جا سکتا ہے یعنی اس وقت (مثلاً بیعت رضوان کے موقع ہے) اللہ ان سے راضی ہو گیا تھا لیکن بعد میں جب انہوں نے مخالف شریعت افعال کا ارتکاب کیا، (العیاذ باللہ) تو پھر اللہ تعالیٰ ان

سے ناراض ہو گیا"۔

کیونکہ مغفرت کی بشارت اور رضا کی بشارت میں فرق ہے۔ مغفرت کی بشارت سے دوام لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ مغفرت کی مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہو سکتا ہے۔ البتہ اس کے ساتھ کوئی قرینہ دوام کا ہو تو جدا بات ہے۔ جیسا کہ اصحاب بدر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی گئی ہے کہ:- اِعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم (بخاری) "تم جو چاہو کرو تحقیق میں نے تمہیں بخش دیا ہے"۔ اس میں مغفرت دائمی کے لیے اِعملوا ما شئتم قرینہ ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اصحاب بدر گناہ بھی کرتے رہیں تو سیدھے جنت میں جائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ان سے کوئی ایسا فعل سرزد ہی نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے۔ چنانچہ اہل جنت کو بھی اسی طرح کی بشارت دی گئی ہے کہ: وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ (سورہ صٰفّت آیت ۳۱) "اور تمہارے لئے جنت میں وہ کچھ ہوگا جو تمہارے نفس چاہیں گے" لیکن جنت میں کوئی آدمی گناہ کی خواہش کر ہی نہیں سکے گا اور برعکس مغفرت کے اللہ تعالیٰ جب اپنی رضا کی بشارت دیتا ہے تو اس سے دوام ہی مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص سے راضی ہونے کا اعلان نہیں کرتا جو بعد میں اس کو ناراض کرنے والا ہو۔ لہٰذا صحابہ کرام کو بیعت رضوان کے سلسلہ میں یا دوسرے مواقع پر جو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی قرآنی سند دی گئی ہے تو یہ اسی بنا پر ہے کہ وہ اس کے بعد کوئی ایسا فعل نہیں کریں گے جو اس کی ناراضگی اور غضب کا سبب بن سکے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر معارف القرآن (کراچی) فرماتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الصارم "المسلول علی شاتم الرسول ﷺ" میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی بندہ سے راضی ہو سکتا ہے جس کے بارے میں اس کو معلوم ہے کہ وہ آخری عمر تک موجبات رضاء کو پورا کرے گا۔ اور جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو پھر کبھی اس سے ناراض نہیں ہوتا"۔ (مقام صحابہ ص ۸۲-۷۳)

(۲) قرآن مجید میں ہے:-

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۰۰)

"اور جو مہاجرین وانصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا۔ اور وہ سب اس سے (یعنی اللہ سے) راضی ہوئے۔ اور اس نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔" (ترجمہ حضرت تھانوی)

اس میں مہاجرین وانصار۔ اور اُن کے متبعین سے اللہ تعالیٰ نے اپنے راضی ہونے کا اعلان کر کے یہ فرمایا ہے کہ ان کے لئے جنتیں تیار ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا ہمیشہ کے لئے ہے ورنہ یہ نہ فرماتے کہ مہاجرین اور انصار کے لئے بہشتیں تیار ہیں کہ وہ اُن میں داخل ہوں گے۔ اگر یہ احتمال ہوتا کہ وہ کوئی کام بعد میں رضائے الٰہی کے خلاف کریں گے۔ تو یہ نہ فرماتے کہ ان کے لئے جنتیں تیار ہیں لہٰذا آیت ہذا سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا اعلان ہمیشہ کے لئے ہے۔

اور امام ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ نے بھی لکھا ہے:۔

من رضی اللّٰہ عنہ لم یسخط علیہ ابدًا ان شآء اللّٰہ تعالٰی

"جس سے اللہ راضی ہو جائے اس سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ"

شارحین حدیث کے ارشادات

محمود احمد صاحب عباسی نے زیر بحث حدیث بخاری کی شرح میں شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانیؒ کی حسب ذیل عبارت پیش کی ہے۔

کان اوّل من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة ومعه جماعة من سادات الصحابة کابن عمرو ابن عباس وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری (رضی اللّٰہ عنہم)۔

"مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے اول جہاد یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا اور ان کے ساتھ سادات صحابہ مثل ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ، ابوایوب انصاری اور ایک جماعت تھی" (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۲۷)

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ ان جلیل القدر صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے نہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی اور نہ بعد میں خلافت کی۔ حتیٰ کہ لشکر حجاج کے حملہ سے وہ حرم مکہ شریف میں شہید ہو گئے۔ اگر حدیث قسطنطنیہ کا مطلب یہ ہوتا کہ یزید اب ہمیشہ کے لئے مغفور لہ اور جنتی ہو گیا ہے تو حضرت ابن زبیر اس کی مخالفت کیوں کرتے؟ اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس جہاد میں شریک تھے حالانکہ انہوں نے بھی آخر تک یزید کی مخالفت کی ہے۔ اور انجام کار جامِ شہادت نوش فرمایا ہے۔ انہوں نے بھی اس حدیث سے یہ نہیں سمجھا کہ یزید عادل اور صالح ہی رہے گا اور مرنے کے بعد سیدھا جنت میں جائے گا۔ ورنہ اس کی مخالفت کیوں کرتے۔

(۲) عباسی صاحب نے محدث قسطلانی کی حسبِ ذیل عبارت نقل نہیں کی جو ان کے موقف کے خلاف ہے۔

واستدل به المهلب علی ثبوت خلافة یزید وانه من اهل الجنة لدخوله فی عموم قوله مغفورٌ لهم واجیب بان هذا جارٍ علی طریق الحمیّة لِبَنِی اُمَیَّة.

اس حدیث سے مہلّب نے یزید کی خلافت اور اس کے جنتی ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ مغفور لہم کے عموم میں داخل ہے۔ (یعنی بشارت سب اہل لشکر کے لئے ہے) اور ان کے اس استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ (اس حدیث سے اس کا خلیفہ برحق اور جنتی ہونا بنی امیہ کی حمیت اور عصبیت کی بنا پر کہا گیا ہے الخ۔

عباسی صاحب کی واضح علمی خیانت

اسی حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے عباسی صاحب لکھتے ہیں۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہؓ اور اس کے فرزند امیر یزید

کی منقبت میں ہے ساتھ ہی محدث المھلب کا یہ قول ہے۔

قال المهلّب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر. (حاشیه صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰)

اس حدیث کے بارے میں (محدث) المھلّب نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے (حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا۔ اور منقبت میں ہے کہ ان کے فرزند (امیر یزید) کے انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا) (خلافت معاویہ طبع چہارم ص ۷۴)

عباسی صاحب کا یہ لکھنا بالکل غلط ہے کہ علامہ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث میں یزید کی منقبت پائی جاتی ہے۔ بلکہ یہ قول انہوں نے محدث المھلّب کا لکھا ہے۔ اور فتح الباری کی جو عبارت عباسی صاحب نے نقل کی ہے اس میں واضح طور پر لکھا ہے:۔ قال المھلّب اس حدیث کے بارے میں محدث (المھلّب) نے فرمایا ہے۔ الخ

(۲) حافظ ابن حجر نے تو بعد میں المھلّب متوفی ۴۳۵ھ کے اس قول کی تردید میں یہ لکھا ہے:۔

وتعقبه ابن التین وابن المنیر متوفی ۶۸۳ھ بما حاصله انه لا یلزم من دخوله فی ذٰلك العموم ان لا یخرج بدلیل خاصٍ اذلا یختلف اهل العلم ان قوله صلی اللّٰه علیه وسلم مغفورٌ لهم مشروط بان یکونوا من اهل المغفرة حتی لو ارتدّا احدٌ ممن غزاها بعد ذٰلك لم یدخل فی ذٰلك العموم اتفاقًا علی ان المراد مغفورٌ لمن وجد شرط المغفرة فیه.

''محدث ابن التین ومحدث ابن المنیر نے محدث المھلّب کا تعاقب کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث کے اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی اور خاص دلیل کی بنا پر اس عموم سے خارج نہ ہو۔

کیونکہ اہل علم میں سے کوئی بھی اس میں اختلاف نہیں کرتا کہ آنحضرت ﷺ کا مغفور لہم فرمانا اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ اہل مغفرت میں سے ہو حتیٰ کہ اگر کوئی ان میں سے مرتد ہو جائے تو اس جہاد کے بعد تو وہ بالاتفاق اس عموم میں داخل نہیں ہوگا۔ پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ مغفور سے مراد حدیث میں وہ لوگ ہیں جن میں مغفرت کی شرط پائی جائے"۔

علاوہ ازیں شارح بخاری حافظ بدر الدین عینی محدث نے بھی عمدۃ القاری شرح البخاری میں یہی توجیہ پیش کی ہے۔

عینی کی عبارت پر ایک اعتراض کا جواب

امام عینی حنفی محدّث متوفی ۸۵۵ھ نے حدیث مغفورٌ لھم کے تحت لکھا ہے:۔

وقال صاحب المِرأة والاصح ان یزید بن معاویة غزا القسطنطنیه فی سنة الثنتین وخمسین ۵۲ ھ. وقال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده یزید لانه اول من غزا مدینة قیصر. قلت ایّ منقبة کانت لزید و حالهٗ مشهور (فان قلت) قال صلی اللّٰه علیه تعالٰی علیه وسلم فی حق هذا الجیش مغفورٌ لهم قلت قیل لا یلزم من دخوله فی ذلك العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذلا یختلف اهل العلم انّ قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مغفورٌ لهم مشروط بان یکونوا من اهل المغفرة حتٰی لوارتد واحِدٌ مِمن غزاها بعد ذلك لَم یدخل فی ذلك العموم فدلّ علی ان المراد مغفورٌ لِمَن وُجِدَ شرط المغفرة فیه منهم (عمدة القاری ج ۱۴ ص ۱۹۹)

"اور صاحب المراۃ نے کہا ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے ۵۲ھ میں قسطنطنیہ کا جہاد کیا تھا۔ اور مہلب نے کہا کہ اس حدیث میں حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت پائی جاتی ہے کیونکہ آپ نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا تھا۔ اور آپ کے فرزند یزید کی بھی منقبت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (یعنی قسطنطنیہ) پر جہاد کیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں یزید کی کونسی منقبت پائی جاتی ہے؟ جبکہ اس کا حال مشہور ہے۔ پھر اگر تو کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے حق میں مغفور لھم فرمایا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث کے عموم میں اس کے داخل ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ (یزید) کسی اور خاص دلیل کی وجہ سے اس سے خارج نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس میں کسی اہل علم کا اختلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مغفور لھم مشروط ہے اس بات سے کہ وہ اہل مغفرت میں سے ہوں۔ حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی شخص جس نے وہ جہاد کیا ہے اس کے بعد مرتد ہو جائے تو وہ اس عموم میں داخل نہیں رہے گا۔ بس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بخشش کی بشارت اس کے لئے ہے جس میں ان میں سے مغفرت کی شرط پائی جائے (یعنی وہ اہل مغفرت میں سے ہو)

امام عینیؒ کی اس عبارت پر بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ سارا قول امام عینی نے سبط ابن جوزی مؤلف کتاب مراۃ الزمان کا نقل کیا ہے اور وہ شیعہ ہے اور شیعہ ہونے کی وجہ سے اس نے حدیثِ نبوی کا غلط مطلب نکالا ہے۔

الجواب

(۱) بے شک سبط ابن جوزی کو بعض ائمہ فن نے غالی شیعہ قرار دیا ہے لیکن اس کا قول جو مراۃ الزمان سے امام عینی نے نقل کیا ہے وہ حسب ذیل عبارت تک ہے:۔

والاظھر انّ ھٰؤلَاءِ السادات من الصحابة کانوا مع سفیان ھذا ولم یکنوا مع یزید بن معاویة لانه لم یکن اھلًا ان یکون ھٰؤلاءِ السادات فی خدمته.

"اور زیادہ ظاہر یہ بات ہے کہ صحابہ کرام میں سے مذکورہ سادات (یعنی

حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن الزبیر، اور حضرت ابوایوب انصاری) سفیان بن عوف کے ساتھ تھے اور وہ یزید بن معاویہ کے ساتھ تھے کیونکہ وہ اس بات کا اہل نہ تھا کہ یہ سادات اس کی خدمت میں ہوتے''

(۳) قال المھلب سے امام عینی کی عبارت شروع ہوتی ہے جس میں آپ نے مہلب کے استدلال کا جواب دیا اور یہ وہی جواب ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے فتح الباری میں محدّث ابن التین اور محدث ابن المنیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے نہ کہ سبط ابن الجوزی کے حوالہ سے۔ اور امام عینی نے المھلب کے استدلال کا مذکورہ جواب بغیر ابن التین وابن المنیر کے حوالہ کے نقل فرمایا ہے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری پہلے تصنیف ہوئی ہے اور حافظ عینی حنفیؒ کی عمدۃ القاری بعد میں۔ چنانچہ حنفی شافعی اختلافی مسائل میں امام عینی نے حافظ ابن حجر شافعی کا عمدۃ القاری میں جواب دیا ہے۔

(۳) اور بالفرض ''قال المھلب'' کی عبارت سبط ابن الجوزی کی ہے تو اس نے بھی مہلب کے قول کا جواب اپنی طرف سے نہیں دیا بلکہ اس نے بھی کسی اور مصنف کا جواب یہاں نقل کیا ہے۔ اس لئے قُــلْـتُ کے بعد اس نے قیل کا لفظ لکھا ہے (یعنی مہلب کے جواب میں یہ کہا گیا ہے) اس سے یہ ثابت ہوا کہ قیل سے مابعد کی عبارت کسی اور محدث کی ہے نہ کہ مؤرخ سبط ابن جوزی کی۔

علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ امام ابوالفرج جوزی محدث متوفی ۵۹۷ھ پہلے ہوئے ہیں۔ جو جامع المسانید کے مصنف ہیں جس کا ذکر امام عینی نے سبط الجوزی کی عبارت سے پہلے کیا ہے اور سبط ابن الجوزی متوفی ۶۵۴ھ ان کے بہت بعد کا ہے بہر حال محدثین نے المھلب محدث کے استدلال کی تردید کر دی ہے اور انہوں نے بھی مغفورلھم سے یہی استدلال کیا ہے کہ جن کے لئے مغفرت کی بشارت پائی جاتی ہے وہ دوام کے لئے نہیں ہوتی بلکہ مشروط ہوتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس رضائے خداوندی کی بشارت کے لئے

دوام لازم تھا۔ جیسا کہ اس پر پہلے بحث گذر چکی ہے۔

یزید غیر عادل ہے یزید کو امیر المؤمنین کہنے پر بیس ۲۰ کوڑوں کی سزا

تہذیب التہذیب کی عبارت

عباسی صاحب نے تو یزید کی منقبت کا قول حافظ ابن حجر محدّث عسقلانیؒ کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ وہ تو دوسرے حضرات کی طرح یزید کے خلاف ہیں چنانچہ یزید کے ترجمہ میں واقعہ حرہ کا بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔ ولیست له روایة تعتمد (یزید کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں ہے)

علاوہ ازیں اس میں ایک ثقہ راوی نوفل بن ابی عقرب سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

کنت عند عمر بن عبدؓ العزیز فذکر رجل یزید بن معاویة فقال قال امیر المؤمنین یزید فقال عمر تقول امیر المؤمنین یزید و امر به فضرب عشرین سوطًا (تهذیب التهذیب جلد ۱۱ ص ۳۶۱ مطبوعه حیدر آباد دکن هند)

"میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے یزید بن معاویہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ امیر المؤمنین یزید نے یہ کہا ہے اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کیا تو یزید کو امیر المؤمنین کہتا ہے؟ پھر حکم دیا اور اس کو بیس کوڑے لگائے گئے"

(۲) یہی ابن حجر محدث اپنی دوسری کتاب لسان المیزان مین لکھتے ہیں:۔

مقدوح فی عدالته ولیس باهل ان یروی عنه . وقال احمدؒ بن حنبل لا ینبغی ان یروی عنه الخ (ج ۶ ص ۲۹۳)

"یزید کی عدالت مجروح ہے اور وہ اس کا اہل نہیں ہے کہ اس سے روایت لی جائے اور امام احمدؒ بن حنبل نے بھی فرمایا ہے کہ یزید اس لائق نہیں ہے کہ اس سے روایت لی جائے۔ اس کتاب میں بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی

طرف سے اس شخص کو بیس ۲۰ کوڑوں کی سزا کا ذکر ہے۔ جس نے یزید کو
امیر المؤمنین کہا تھا"۔

(۳) علاوہ ازیں حافظ ذھبی محدث متوفی ۷۴۸ھ نے بھی یزید کے ترجمہ میں وہی الفاظ لکھے ہیں۔ جو لسان المیزان میں منقول ہیں فن اسماء الرجال کے ماہر محدثین نے تو یزید کو غیر عادل اور مجروح قرار دیا ہے لیکن سندیلوی صاحب اس کو عادل و صالح کہنے پر بضد ہیں۔ حالانکہ اصولاً جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔

ارشاد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

زیر بحث حدیث سے حامیان یزید کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:۔ رہا استدلال حدیثِ مذکور سے وہ بالکل ضعیف ہے کیونکہ وہ مشروط ہے۔ اسی طرح یقیناً اس کو مغفور کہنا بھی سخت زیادتی ہے کیونکہ اس میں بھی کوئی نص صریح نہیں۔ شرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور وہ امر مجہول ہے۔ چنانچہ قسطلانی میں بعد نقل قول المہلب کے لکھا ہے۔

وتعقبه ابن التين وابن المنير بما حاصله انه لا يلزم من دخوله في ذٰلك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذ لا يختلف اهل العلم عن قوله عليه السلام مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة حتى لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذٰلك لم يدخل في ذٰلك العموم اتفاقًا فدلّ على ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم

(حاشیہ بخاری جلد اول مطبوعہ احمدی ص ۴۱۰)

پس توسط اس میں یہ ہے کہ اس کے حال کو مفوض بعلم الٰہی کرے اور خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہے لان فیه خطرًا۔ اور اگر کوئی اس کی نسبت کچھ کہے تو اس سے کچھ تعرض نہ کرے (امداد الفتاویٰ جلد ۵ ص ۴۶۲)۔

فتح الباری میں المہلب کے جواب میں ابن التین اور ابن المنیر کا جو قول لکھا ہے وہی

قسطلانی میں بھی ہے اور عمدۃ القاری میں بھی یہی ہے ان تینوں شارحین بخاری کا مطلب بھی یہی ہے کہ حدیث مذکور کے الفاظ مغفورٌلھم یزید کے جنتی ہونے کے لئے کوئی نص نہیں ہیں۔

(ب) مغفرت کی بشارت سے دوام لازم نہیں آتا۔ (کہ اب ہمیشہ کے لئے بخشش ہوگئی۔ جیسا کہ مذکورہ احادیث سے ثابت ہے اس بشارت کے بعد بھی وہ شخص فسق وفجور کا مرتکب ہوسکتا ہے بلکہ کفر کا بھی مرتکب ہوسکتا ہے اور اسی بنا پر بعض حضرات اکابر اہل سنت یزید کے کفر کے بھی قائل ہیں حالانکہ وہ مغفورٌلھم کی حدیث کو جانتے اور مانتے ہیں۔

یہاں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ اصل بحث حدیث بخاری کے الفاظ مغفورٌلھم میں ہے کہ اس سے یزید کا بعد میں بھی عادل رہنا ضروری ہے یا نہ۔ سندیلوی صاحب ثابت کریں کہ ان الفاظ سے یزید کا ہمیشہ کے لیے صالح ہونا لازم ہے۔ اور جمہور اہل سنت کے نزدیک چونکہ وہ فاسق مسلمان ہے اس لئے خواہ بعد سزا کے ہی ہو آخر کار فاسق کی مغفرت ہو جائے گی اور وہ جنت میں داخل ہوگا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فاسق کو بجائے فاسق کے صالح وعادل ہی قرار دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد

گو سندیلوی صاحب نے تو ''جواب شافی'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول پیش نہیں کیا لیکن محمود احمد عباسی صاحب اور ان کی پارٹی کے مصنفین یزید کی تائید میں عموماً حضرت ابن عباس کا قول پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ عباسی صاحب نے مؤرخ بلاذری متوفی ۲۷۹ھ کی کتاب انساب الاشراف جزو رابع قسم ثانی ص ۴ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات رجب ۶۰ھ کی اطلاع ملی تو آپ نے دعا مانگی:

اللّٰھم اوسع لمعاویۃ اما واللّٰہ ما کان مثل من قبل ولا یأتی بعدہ مثلہ وان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم . قال فبینا نحن

كذلك اذجاءه رسول خالد بن العاص وهو على مكة يدعوه للبيعة فمضى فبايع.

"الٰہی معاویہ رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو۔ واللہ وہ ان لوگوں کی مثل تو نہ تھے جو ان سے پہلے گزر گئے لیکن ان کے بعد کوئی ان کے مثل بھی آنے والا نہیں۔ اور ان کے فرزند یزید پر اپنے خاندان کے نیکو کاروں میں ہیں۔ تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اور اطاعت کرنا اور بیعت کرنا (حضرت عامرؓ) نے کہا کہ اس طرح ہم ان کے (ابن عباس کے) پاس تھے کہ خالد بن عاص کا جو اس وقت مکہ کے عامل تھے قاصد آیا ان کو (ابن عباس کو) بیعت کے لئے بلایا گیا وہ گئے اور بیعت کی" (خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۹۰)

علاوہ ازیں عباسی صاحب نے یہ روایت ص ۹۱ پر کتاب الامامۃ والسیاسۃ سے بھی نقل کی ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں:۔

واللہ ان ابنه لخير اهله

"اور واللہ ان کا فرزند (یعنی یزید) یقیناً اپنے خاندان میں نیک اور اچھا فرزند ہے"۔ (ایضاً تحقیق مزید ص ۳۰۸)

الجواب

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ صحابہ کی بیعت یزید کی بحث انشاء اللہ بعد میں اپنے مقام پر آئے گی یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ حضرت ابن عباس کا مذکورہ قول کسی کتاب حدیث میں نہیں ہے۔ اور انساب الاشراف قابل اعتماد نہیں ہے چنانچہ خود عباسی صاحب لکھتے ہیں:

لوط بن یحییٰ ابومخنف دوسری صدی ہجری میں ایک شیعہ صاحب گزرے ہیں جنہیں داستان سرائی اور قصہ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ یہ سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے داستانِ کربلا کو ایک مربوط کہانی بلکہ ایک ناول کی حیثیت سے دنیا کو سنایا۔ ان کی مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے اگرچہ لوگ واقف تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ ان کے علاوہ

اور کوئی تاریخی روایات بیان کرنے والا کوئی نہ تھا۔ لہٰذا جو کچھ بھی انہوں نے رطب و یابس پیش کیا مقبول ہوا۔ اور بعد میں جب طبری اپنی تاریخ لکھنے بیٹھے تو ان صاحب کی روایات خوب خوب لیں۔ طبری ہی نہیں بلاذری کی اَنساب الاشراف اور ابن اثیر کی الکامل وغیرہ کا بڑا مبنیٰ بھی یہی صاحب اور ایک دوسرے نام نہاد صاحب ہشام بن محمد الکلبی ہیں پھر ذھبی رحمۃ اللہ علیہ اور سیوطی نے اپنا مآخذ زیادہ تر انہی تاریخوں کو بنایا تو اس کے سوا کیا کہا جائے گا کہ بنیاد اس پورے محل کی ریت ہی پر ہے" (تحقیق مزید ص ۴۱۲)

علاوہ ازیں عباسی صاحب نے کتاب الامامۃ والسیاسۃ کے مصنف کو مجہول الاسم رافضی لکھا ہے" (حقیقت خلافت وملوکیت۔ مآخذ کی بحث ص ۵۵۸) تو جب یہ دونوں کتابیں عباسی صاحب کے نزدیک ابومخنف وغیرہ شیعہ اور کذّاب راویوں کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں تو ان کی روایتوں سے یزید کا صالح ہونا کیونکر حجت ہوسکتا ہے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ شیعہ مذہب میں چونکہ ۹ حصے دین کے تقیہ پر مبنی ہیں اس لئے وہ متضاد روایتیں بھی درج کردیتے ہیں تاکہ اہل سنت کو اعتماد میں لیا جاسکے۔

عباسی صاحب کی تضاد بیانی

یہاں تو عباسی صاحب بلاذری کی اَنسابُ الاشراف کا ماخذ شیعہ مکذوبات قرار دیتے ہیں لیکن اپنی اسی کتاب تحقیق مزید ص ۳۱۰ پر لکھتے ہیں:۔ بلاذری متوفی ۲۷۹ھ و علامہ ابن کثیر کی کتب تاریخ مستند ماخذ ہیں۔

تو جب محقق عباسی کی تضاد بیانی یا کذب بیانی کا یہ حال ہے تو ان کی ریسرچ پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

(۲) بالفرض اگر بلاذری کی اس روایت کو صحیح قرار دیا جائے تو پھر بھی اس کو یزید کی عدالت اور صالحیت کے لئے بطور دلیل نہیں پیش کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس میں اس کا بات کا ذکر ہے کہ یزید اپنے اہل خاندان میں سے اچھا ہے۔ اگر وہ امت کے صالحین میں شمار ہوتا تو حضرت ابن عباس یوں فرماتے کہ انہ لمن صالحی الامۃ" کہ وہ امت کے

صالحین میں سے ہے" علاوہ ازیں یہاں صالح سے مراد شرعی اور اصطلاحی صالح نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یزید اپنے اہل خاندان میں حکومت کی صلاحیت رکھنے والا ہے۔

(۳) روایت کے یہ الفاظ کہ:۔تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یزید کی خلافت سے عام مسلمان مطمئن نہیں تھے۔اس لئے ان کو تاکید فرما رہے ہیں کہ اس کی مخالفت نہ کرو اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔

(۴) حضرت ابن عباس کا یہ قول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع پہنچنے پر ہی ہے لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ حصول اقتدار کے بعد یزید کا کردار خراب نہیں ہوا۔

قصہ یزید۔سلامہ۔احوص

عباسی صاحب نے خود اپنے خلیفہ یزید کے متعلق بعنوان "منصف مزاجی" لکھا ہے کہ:۔ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سَلامہ نامی ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن و جمال میں یکتا اور ہمہ صفت موصوف تھی۔قرآن شریف اچھی قرات سے سناتی۔شاعرہ اور مُغنّیہ (یعنی گانے والی) حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے فرزند عبدالرحمٰن نے جو خود بھی شاعر تھے اور جن کا ذکر ایک قصہ میں اوپر گزر چکا۔اس کنیز کی امیر یزید سے بہت کچھ صفت ثنا کر کے اس کی خریداری پر راغب کیا۔کنیز کے آقا کی خریداری کا معاملہ طے کر لیا گیا۔کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آکر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر فوقیت حاصل ہو گئی لیکن جب یہ راز افشا ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار ہیں۔امیر یزید نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا۔نیز سلامہ کو مُواجہ میں طلب کر کے تصدیق کی۔ان دونوں نے فی البدیہ اشعار میں اقرار محبت کیا۔سلامہ نے کہا کہ شدید محبت مثل رُوح کے میرے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے تو اب کیا روح اور جسم میں مفارقت ہو سکے گی۔امیر یزید نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا۔اے احوص اب یہ (سلامہ) تمہاری ہے تم اسے لے لو۔پھر اسے اچھا انعام عطا کیا" (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳۵) انصاف پسند طبیعت ہی کا

تقاضا تھا کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذبات محبت کا احترام کیا'' (خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۳۷۰)

علمی خیانت

عباسی صاحب نے درمیان میں سے اس قصہ کی حسب ذیل باتیں نہیں لکھیں۔

(۱) شاعر عبدالرحمٰن اور احوص دونوں سلامہ کی محبت میں گرفتار تھے لیکن سلامہ کا تعلق جب احوص سے ہوگیا تو یوں عبدالرحمٰن نے اس کے قبضہ سے نکالنے کیلئے یزید کے حرم میں داخل کرانے کی تدبیر کی اور پھر واپس آ کر احوص کو پریشان کرنے کے لئے یہ خبر سنائی۔ اس کے بعد احوص مدینہ سے آ کر دمشق میں خلیفہ یزید کا مہمان بنا۔ ادھر سلامہ نے ایک خادم کو لالچ دے کر بھیجا کہ وہ احوص کو اس کے پاس لے آئے۔ خادم نے یزید کو اس کی اطلاع دے دی تو یزید نے اس کو اجازت دے دی کہ وہ سلامہ کا احوص کو پیغام دے دے پھر خادم نے احوص کو سلامہ کے پاس پہنچا دیا۔ سحری تک ساری رات احوص اور سلامہ ایک کمرے میں باتیں کرتے رہے۔ اور یزید ان کی باتیں سنتا رہا۔ (فلم یزا لا یتحدثان إلی السحر یزید یسمع کلامهما) چنانچہ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں:۔ وجلس یزید فی مکان یراهما ولا یریانه (اور یزید ایسی جگہ بیٹھا کہ وہ ان دونوں کو دیکھ رہا تھا اور وہ اُس کو نہیں دیکھتے تھے) اس کے بعد لکھتے ہیں:۔ ثم ودعها وخرج فاخذه یزید و دعا بها الخ۔

پھر احوص نے سلامہ کو الوداع کہا اور باہر نکلا تو یزید نے احوص کو پکڑ لیا اور سلامہ کو بھی بلایا۔ اور پھر ان سے دریافت کیا تو سلامہ نے وہی جواب دیا جو عباسی صاحب نے نقل کیا ہے اس پر یزید نے سلامہ کو احوص کے حوالہ کیا اور ان کو انعام واکرام سے نوازا'' یہ ہے خلیفہ یزید کی منصف مزاجی اور شب بیداری کا حال جس کو مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی اور عباسی صاحب صالح و متقی اور زاہد و متبع سنت منوانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ عباسی صاحب ایک دوسرے مقام پر یزید کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ امیر یزید کو حکومت د

سیاسی امور میں ہی حضرت فاروق اعظم کی پیروی کا اہتمام نہ تھا بلکہ طرز معاشرت میں بھی ان کی پیروی کرتے۔ زندگی ہر درجہ سادہ تھی (خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۱۰۱) لَا حَولَ ولا قوة اِلاّ باللّٰہ۔

کیا حضرت فاروق اعظم اپنے حرم میں گانے والی لونڈیاں رکھتے تھے۔ کیا فاروق اعظم کسی فاسق فاجر جوڑے کو اسی طرح علیحدہ کمرے میں رات گزارنے کا موقع دیتے تھے، کیا عباسی صاحب ایسے کردار والے یزید کو حضرت فاروق اعظم کی پیروی کرنے والا قرار دے کر شیعوں کے لئے حضرت فاروق اعظم کو طعن و تشنیع کا نشان بنانے کا موقعہ نہیں دے رہے؟ کہاں حضرت فاروق اعظم اور کہاں یزید۔ ایسے کردار والے کو اگر فاسق نہ کہا جائے تو اس کو کیا دینی سرٹیفکیٹ دیا جائے گا۔ اس وقت کی وسیع وعریض مملکت اسلامیہ کا سربراہ اور خلیفہ محض ان دونوں کو دیکھنے اور ان کی باتیں سننے کے لئے ساری رات اسی مشغلہ میں گزار دیتا ہے اور پھر بجائے سزا دینے کے ان کو انعام دے کر رخصت کرتا ہے۔ کیا اس کو صالح ماننا اسلامی شریعت کی توہین نہیں ہے۔ کیا قرآن کے صالحین ایسے ہی ہوتے ہیں۔ پھر تو آج کل کے دلال جو بدکرداروں کو اس طرح کے مواقع مہیا کرتے ہیں سب صالحین میں شمار ہو جائیں گے۔

ایک سوال کا جواب

مذکورہ زیر بحث عبارت کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

وامرت فالقى له كرسیٌ فقعد عليه وجعل كل واحد منهما يشكو الى صاحبه شدة شوقه اليه فلم يزا لا يتحدثان الى السحر . ويزيد يسمع كلا مهما من غير ان يكون بينهما ريبة (البدايه والنهايه ج۸ ص ۲۳۵)

"اور سلامہ نے حکم دیا تو احوص کے لئے کرسی بچھائی گئی وہ اس پر بیٹھ گیا۔ اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ شدت شوق ومحبت کا اظہار کرتے رہے۔ پھر وہ دونوں سحری تک آپس میں باتیں کرتے رہے۔ بغیر اس کے کہ ان کے

درمیان کوئی بدگمانی پیدا ہو"

ایک صاحب نے سوال کیا ہے کہ اس سے تو ان کی پاک دامنی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ لکھا ہے:۔

من غير ان يكون بينهما ريبة

اس کا ترجمہ انہوں نے یوں کیا ہے:۔

"اوران کے درمیان کوئی نامناسب بات نہیں ہوئی"

الجواب:۔(۱) باندی ہو خلیفہ کی اور اس کی اجازت سے رات گزارے اپنے سابقہ عاشق احوص کے ساتھ۔ تو کیا شرعاً یہ کوئی نامناسب بات نہیں ہے۔ گویا جب تک وہ فعل حرام نہ کریں۔ ان کی ساری شب باشی پاک دامنی کی علامت ہے؟ (۲) ریبۃ کے لغوی معنی حسب ذیل کے ہیں۔

شک، شبہ، تہمت، بدگمانی، بے قراری، اضطراب، پریشانی (المعجم الاعظم) اور یہی معانی المنجد عربی اُردو میں لکھے ہیں۔ اور اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے درمیان کوئی پریشانی نہ تھی۔ نہ ایک دُوسرے سے وہ بدگمان تھے۔ یعنی وہ دونوں حسب سابق ایک دُوسرے کے محب تھے۔

بہرحال اگر کوئی اس ڈرامہ کے بعد بھی احوص اور سلامہ کو پاک دامن اور یزید کو صالح ومتقی مانتا ہے تو یہ حُب یزید ہی کا کرشمہ ہے۔ واللہ الھادی

کتاب ارشادات اکابر (مولوی عظیم الدین)

عباسی صاحب کے مقلد مولوی عظیم الدین صاحب مؤلف کتاب "حیات سیدنا یزید" کا ایک پمفلٹ ۲۴ صفحات کا مجلس عثمان غنی کراچی کی طرف سے پہلے شائع ہو چکا ہے جس کا نام ہے:۔ "امیر المؤمنین یزید بن معاویہ اکابر اسلام کی نظر میں" اس کی تاریخ تالیف ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۳۹۵ھ ہے۔ اس میں امام غزالی وغیرہ کے وہی ارشادات منقول ہیں۔ جن کا جواب گذشتہ اوراق میں دیا جا چکا ہے۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن صفحات ۶۴

محررہ ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۴۰۲ھ شائع ہوا ہے جس کا نام ہے ''امیر المؤمنین یزید، ارشادات اکابر کی روشنی میں''۔ اور یہ رسالہ مجھے انہی دنوں ملا ہے اس میں بھی ارشادات اکابر ص ۱۴۱ سے شروع ہوتے ہیں اس سے پہلے بعض تمہیدی مضامین ہیں۔

مولوی عظیم الدین کی تلبیس

مولوی عظیم الدین صاحب موصوف نے اس رسالہ میں مولانا سندیلوی کے ''جواب شافی'' کی ایک عبارت بھی پیش کی ہے اور لکھا ہے:۔

''امام اہل سنّت صدر شعبہ دعوت وارشاد۔ رکن مجلس دعوت وتحقیق جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں۔(ص ۱۷)

مولوی عظیم الدین صاحب نے پہلے اپنی کتاب ''حیات یزید'' میں محمود احمد عباسی صاحب کو شیخ الاسلام اور امام اہل سنّت لکھا تھا اب جب سے سندیلوی صاحب کی طرف سے ''جواب شافی'' میں یزید کو صالح اور عادل لکھا گیا ہے مولوی عظیم الدین صاحب کے نزدیک اب وقت کے امام اہل سنّت مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی ہیں۔ (۲) اسی رسالہ میں بعنوان ''ناصبی کون ہیں'' مولوی عظیم الدین صاحب نے ''فروع کافی'' اور ''من لا یحضرہ الفقیہ'' وغیرہ شیعی کتب کی عبارتیں نقل کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:۔ شیعوں کی اصطلاح میں ہر وہ شخص ناصبی ہے جو حضرات خلفائے راشدین سیّدنا صدیق اکبر، سیّدنا فاروق اعظم اور سیّدنا عثمان ذی النورین کی خلافت کو برحق سمجھتا ہو اور انہیں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل ومقدم خیال کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ ائمہ و مجتہدین قدیم زمانے سے اہل السنّت والجماعت کو اس لقب سے موسوم کرتے چلے آ رہے ہیں'' (ص ۳۶)۔

الجواب

یہ تو شیعوں کی اصطلاح ہے جو اہل سنت والجماعت کو ناصبی قرار دیتے ہیں اور مولوی

عظیم الدین صاحب نے یہاں تلبیس سے کام لیا ہے۔ کیونکہ اہل السنّت والجماعت کے ہاں ناصبی کا اور مفہوم ہے۔

(۲) نصب کا لغوی معنیٰ جہاں کھڑا کرنا اور گاڑنا ہے وہاں اس کا معنی دشمنی کرنا بھی ہے۔ چنانچہ المعجم الاعظم میں ہے:۔ نصب نصبًا۔ ٹھکانا۔ تکلیف دینا۔ نصب لہ الحرب۔ کسی سے لڑائی کی بنیاد رکھنا۔ نصب لہ الشرّ ۔ برائی ظاہر کرنا۔ نصب لفلان۔ دشمنی کرنا) اور۔

ناصبی کون ہیں

اور شیعہ بھی اسی لغوی معنی کی مناسبت سے اہل السنّت والجماعت کو ناصبی کہتے ہیں۔ کہ ان کے زعم باطل میں العیاذ باللہ سُنّی مسلمان حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ اہل بیت کے مخالف ہیں اور مولوی عظیم الدین صاحب نے شیعہ کتب سے جو عبارتیں نقل کی ہیں ان کا یہی مطلب ہے۔ مگر اہل السنّت والجماعت کے نزدیک لغوی معنی کی مناسبت کی وجہ سے ہی ان لوگوں کو ناصبی کہا جاتا ہے۔ جو العیاذ باللہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ اہل بیت کی مخالفت کرتے ہیں اور حسب موقع ان پر جرح وتنقید کرتے ہیں۔

اہل السنّت والجماعت کون ہیں

علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ محدث لکھتے ہیں:۔

وفی المنتقی . سئل ابو حنیفة عن مذهب اهل السنة والجماعة فقال اَنْ نُفَضِّلَ الشَّيخين اى ابابکرؓ و عمرؓ ونُحِبَّ الْخَتَنَين اى عثمانؓ وعَلِيًّاؓ وان نَرى المسح على الْخُفَّين ونُصلى خلف كل برٍّ وفاجرٍ (شرح فقه اكبر ص ۹۲)

''المُنتقی میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اہل السنّت والجماعت کے متعلق سوال کیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افضل مانیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادوں حضرت عثمانؓ اور حضرت

علیؓ سے محبت رکھیں اور موزوں پر مسح کرنے کو جائز مانیں اور ہم نیک اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لیں"۔

نیز علامہ علی قاری فرماتے ہیں:۔

سئل انس بن مالك رضى الله عنه عن علامات اهل السنة والجماعة فقال اَن تُحِبَّ الشيخَين ولا تطعنَ الختنين وتمسح على الْخُفَّيْن (مرقاة شرح مشكوٰة جلد دوم باب المسح على الخفين ص ۷۷)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اہل السنت والجماعت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ) سے محبت رکھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دامادوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن نہ کرے اور موزوں پر مسح کرے"

اس تعریف کی بنا پر تو عباسی گروہ اہل السنت والجماعت میں شمار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے مطاعن کا نشانہ بناتے ہیں۔ ملاحظہ ہو "خارجی فتنہ حصہ اوّل" "خارجیت کا طوفان"۔

اور ناصبیوں کے متعلق علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:۔

(۱) فكان بالعراق طائفتان طائفة من النواصب تبغض عليًا وتشتمه وكان منهم الحجاج بن يوسف وطائفة من الشيعة تظهر موالاة اهل البيت منهم المختار بن ابى عبيد الثقفى وَقَدْ ثبت فى صحيح مسلم عن اسمآء عن النبى صلى الله عليه وسلم سيكون فى ثقيفٍ كذّاب ومبير فكان الكذاب هو المختار بن ابى عبيد الثقفى والمُبيرُ هو الحجاج بن يوسف الثقفى (سوال عِن يزيد ص ۱۷)

"یعنی عراق میں دو گروہ تھے۔ ایک گروہ ناصبیوں کا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے اور آپ کو سبّ وشتم کرتے تھے اور ان میں سے حجاج بن

یوسف تھا۔ اور ایک گروہ شیعوں کا تھا جو اہل بیت کی دوستی کا اظہار کرتے تھے۔ ان میں سے مختار بن ابی عُبید ثقفی ہے اور صحیح مسلم سے ثابت ہے۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا (بنت ابی بکر) نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عنقریب قبیلہ ثقیف میں ایک کذّاب (بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا) ہوگا۔ اور ایک مُبیر (لوگوں کو ہلاک کرنے والا) ہوگا۔ سو کذّاب ہے تو مختار ثقفی ہے اور مُبیر حجاج بن یوسف ہے) یہ حدیث صحیح مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کذاب ثقیف ومبیر ھا میں ہے (نووی جلد دوم ص ۳۱۲)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے بھی کذّاب کا مصداق مختار ثقفی کو قرار دیا ہے کیونکہ اس ی بھی تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس کے پاس آتے ہیں اور مُبیر سے مراد حجاج سف لیا ہے کیونکہ وہ بڑا ظالم تھا۔ امام نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

واتفق العلماء علی ان المراد . الکذّاب ھھنا المختار بن ابی عبید و بالمُبیر الحجاج بن یوسف واللّٰہ اعلم.

”علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں حدیث میں کذاب سے مختار ابن ابی عبید ثقفی مراد ہے اور مُبیر سے حجاج بن یوسف ثقفی واللہ اعلم“

(۲) علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ دوم ص ۲۴۸ میں بھی شیعہ اور نواصب دونوں دونوں کا ذکر کر کے حدیث صحیح مسلم کا حوالہ دیا ہے وہاں نواصب کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

وقوم من الناصبة مُبغِضین. لعلیٍ رضی اللّٰہ عنہ واولادہ ومنھم الحجاج بن یوسف الثقفی.

”اور کوفہ میں ناصبیوں کی قوم بھی رہتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد سے بغض رکھتے ہیں۔ ان میں سے حجاج بن یوسف ثقفی ہے۔

اس کے بعد حدیث کی مراد بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فکان ذلک الشیعی ھو الکذاب وھذا الناصبی ھو المبیر واحدث اولئک الحزن واحدث ھؤلاء السرور.

حدیث میں کذّاب سے مراد وہی مختار بن ابی عبید ثقفی شیعہ ہے اور مُبیر سے مراد

یہی حجاج بن یوسف ناصبی ہے۔ ان شیعوں نے (یوم عاشورا میں) حزن و ماتم کی بدعت نکالی ہے اور ان ناصبیوں نے (اس دن میں) خوشی منانے کی بدعت بنائی ہے)

(۳) مشاجرات صحابہ کی بحث میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

فاذا كان ما فعله عليؓ مما لا يوجب القدح فی علیؓ بل كان دفع الظلمين لعلیؓ من الخوارج وغيرهم من النواصب القادحين فی علی واجبًا فلان يجب دفع الظلمين القادحين فی عثمان بطريق الاولىٰ والاخرىٰ .

(منهاج السنة جلد سوم ص ۲۰۳)

"اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ردوقدح کرنا لازم نہیں آتا بلکہ جو لوگ ظالم ہیں اور خارجیوں اور ناصبیوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ردوقدح کرنے والے ہیں ان کا دفاع ضروری ہے تو جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ردوقدح کرنے والے ہیں ان کا دفاع اس سے بھی زیادہ ضروری ہوگا"۔

مندرجہ بالا عبارت سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ردوقدح کرنے والے ناصبی اور خارجی ہیں۔

(۴) نیز لکھتے ہیں:۔

واما الرافضی اذا قدح معاوية رضی الله عنه بانه كان باغيًا ظالمًا قال له الناصبی وعلیؓ ايضًا كان باغيًا ظالمًا قاتل المسلمين علی امارته وبدأهم بالقتال وصال عليهم وسفك دماء الامة بغير فائدة لا فی دينهم ولا دنياهم وكان السيف فی خلافته مسلولًا علی اهل الملّة مكفوفًا عن الكفار .(منهاج السنة جلد ۳ ص ۲۰۴)

"اور جب رافضی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ردوقدح کرتا ہے کہ آپ باغی اور ظالم تھے۔ کیونکہ آپ نے اپنی حکومت کی وجہ سے مسلمانوں سے قتال کیا اور

اس جنگ میں ابتداء کی۔ اور ان پر حملہ آور ہوئے اور امت کی خونریزی کی بغیر کسی فائدہ کے نہ ان کو دین کا نفع ہوا نہ دنیا کا اور آپ کی خلافت میں تلوار کفار کے بجائے اہل ملت (مسلمانوں) پر چلائی گئی"۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ ناصبی وہ لوگ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مندرجہ بالا اعتراضات وارد کرتے ہیں۔ عباسی لٹریچر میں یہی جرح قدح حضرت علی المرتضی اور ان کی خلافت کے بارے میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہی مولوی عظیم الدین صاحب حضرت علی المرتضی کی خلافت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"پھر نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ آپ کا ساڑھے چار سالہ دور اندرونی خلفشار طوائف الملوکی اور حصول و استحکام حکومت کے لئے کشت و خون اور قتل و غارت گری کی نذر ہو گیا۔ خدمت دین، اسلامی فتوحات، تمکین فی الارض، باہمی الفت و بھائی چارگی اور امن و اطمینان کی وہ تمام نعمتیں خانہ جنگیوں کی بھینٹ چڑھ کر رہ گئیں۔ جو حضرات خلفائے ثلثہ کے عہد مبارک میں مسلمان قوم کو حاصل تھیں (حیات یزید ص ۱۰۰)

عباسی گروہ کی دوسری عبارتیں خارجی فتنہ جلد اوّل میں منقول ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ نے ناصبیوں کی جو علامات بتائی ہیں وہ سب محمود احمد عباسی اور مولوی عظیم الدین وغیرہ پر فٹ آتی ہیں اب ناظرین اندازہ فرمالیں اور سندیلوی صاحب بھی دیکھ بھال کرلیں کہ پاکستان میں ناصبی کون لوگ ہیں؟

یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ علامہ ابن تیمیہ نے شیعوں کی یہ علامت بیان کی ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی اور ظالم کہتے ہیں اس لئے جن علمائے اہل سنت نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی قرار دیا ہے۔ وہ شیعہ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن اکابر علماء نے حضرت معاویہ کو حضرت علی المرتضی کے ساتھ قتال کرنے میں باغی قرار دیا ہے۔ اس سے مراد صورتاً باغی ہونا ہے نہ حقیقتاً۔ اور چونکہ حضرت معاویہ مجتہد تھے اس لئے اس کو اجتہادی خطا کہا جاتا ہے۔ اس موضوع پر خارجی فتنہ حصہ اوّل میں مفصل بحث کی جا چکی

ہے وہاں دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔

(۵) نیز ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

کان ذمّ الشیعة الذین سَبّوا الثلٰثة اعظم من الناصبة الذین سبّوا علیًا وحدةً (منهاج السنة جلد دوم ص ۲۲۵)

''اور شیعہ جو خلفائے ثلاثہ کو سَب کرتے ہیں ان کی برائی ناصبیوں سے زیادہ ہے جو تنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سبّ کرتے ہیں''

اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُرا کہنے والے ناصبی ہیں۔

(۶) شیعوں اور ناصبیوں کے غلو کے بارے میں ابن تیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

وقاتل عثمان اعظم اثمًا من قاتل الحسینؓ فهذا الغلوا لزائد یقابل بغلوّ الناصبة الذین یزعمون ان الحسین کان خارجیًا وانه کان یجوز قتله لقوله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم من اتاکم وامرکم علی رجل واحد یرید ان یفرق جماعتکم فاضربوا عنقه بالسیف کائنا من کان رواه مسلم واهل السنة والجماعة یَرُدّون غلوّ هؤلاء ویقولون ان الحسین قتل مظلومًا شهیدا والهین قتلوه کانوا ظالمین معتدین واحادیث النبی صلی اللّٰه علیه وسلم التی یأمر فیها بقتل المغارق للجماعة لم تتناوله فانه رضی اللّٰه عنه لم یفارق الجماعة ولم یقتل الا وهو طالب الرجوع الی بلده او اِلَی الثَغرا والی یزید داخلًا فی الجماعة مُغرضا عن التفریق بین الامة (منهاج السنة جلد دوم ص ۲۵۶)

''اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل بہ نسبت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل کے زیادہ گنہگار ہے اور شیعوں کا یہ غلو زیادہ ہے مقابلے میں ناصبیوں کے غُلو کے، جو یہ گمان کرتے ہیں کہ حسین نے خروج کیا تھا اور آپ کا قتل جائز تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی ایک مرد پر تمہارا اتفاق ہو چکا ہو اور پھر

جو شخص آ کر تمہاری جماعت میں تفریق ڈالے اس کو تلوار سے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو۔ اس حدیث کو مسلم نے بیان کیا ہے اور اہل السنت والجماعت ان دونوں (شیعوں اور ناصبیوں) کے غلو کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مظلوم شہید ہوئے ہیں اور جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا ہے وہ ظلم اور زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جن میں جماعت سے جدا رہنے والوں کو قتل کا حکم دیا ہے وہ آپ (حسین رضی اللہ عنہ) کو شامل نہیں ہیں کیونکہ آپ نے جماعت کو نہیں چھوڑا۔ اور آپ اس حال میں قتل کئے گئے کہ آپ نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان کو واپس ان کے شہر میں جانے دیا جائے یا سرحد کی طرف (جہاد کے لئے) جانے دیا جائے یا یزید کے پاس لے چلیں۔ آپ جماعت میں داخل ہونے والے اور امت میں تفریق ڈالنے سے اجتناب کرنے والے تھے"۔

مندرجہ عبارت سے بھی ثابت ہو گیا کہ ناصبی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خروج کرنے والا اور خطا کار قرار دیتے ہیں اور ان کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور یہی نظریہ عباسی پارٹی کا ہے۔ چنانچہ محمود احمد عباسی (1) لکھتے ہیں:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نسبی و خاندانی دعویٰ سے بے جا اور بے محل خروج کرنے میں بقول مؤرخ الخضری ص ۲۳۴ عظیم ترین غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ الخ

(خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۴۶۸)

---

(1) محمود احمد عباسی اور ان کے پیروکار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تنقیص و توہین کرتے ہیں ان کو طالب جاہ و اقتدار قرار دیتے ہیں ان کے خلوص کے منکر ہیں۔ اس لئے ان کے ناصبی اور خارجی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ خارجی فتنہ حصہ اول میں "خارجیت کا طوفان" ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن ان کے برعکس قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو خلوص پر مبنی قرار دیتے ہیں ان کی دینی عظمت کے قائل ہیں البتہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف کے پیش نظر ان کو حضرت حسینؓ کے اقدام کے بارے میں مسئلہ سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے۔ اس کے متعلق پہلے بھی عرض کر دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۲۸)۔

(ب) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام سیاسی انقلاب پیدا کر کے اپنی حکومت قائم کرنے ہی کی غرض سے تھا۔ اس لئے خروج سے تعبیر کیا گیا ہے۔ الخ (ایضاً ص ۴۵۱)

(ج) مثلاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج سے جو ملّت اسلامیہ میں پہلا اور ناکام خروج تھا (ایضاً ص ۴۵۸)

(۷) نیز ابن تیمیہ اہل سنت کے عقائد میں لکھتے ہیں:۔

ویتبراؤن مِنْ طریقة الروافض الذین یُبْغِضُو۔نَ الصحابة ویسبونهم وطریقة النواصب الذین یُوذونَ اهل البیت بقول او عملٍ الخ (شرح عقیده واسطیه ص ۴۴۹).

"اور اہل سنت روافض کے طریقہ سے بھی براءت کرتے ہیں جو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور اُن کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور ناصبیوں کے طریقہ سے بھی براءت کرتے ہیں اور جو اپنے قول اور عمل سے اہل بیت کو ایذا دیتے ہیں"

(۸) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:۔ "تاہم اہلِ سنت کے اصول پر کوئی دشواری باقی نہیں رہتی کیونکہ یزید اس صورت میں یا کھلم کھلا فاسق تھا نماز کا ترک کرنے والا وغیرہ یا بدعت کا مرتکب تھا کیونکہ وہ نواصب کے سرداروں میں سے تھا۔ ان سب پہلوؤں کے پیش نظر اس کی عام خلافت کا ہونا مسلّم نہیں"۔

(مکتوبات حضرت نانوتوی مترجم ص ۱۸۲)

حضرت نانوتوی نے یزید کو ناصبیوں کا سردار اس لئے کہا ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مخالفت اور کینہ رکھتا تھا خواہ کسی درجہ میں ہو۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی مرحوم ردِ ماتم ونوحہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

ولا یتخذه للندب والنیاحة والحزن كفعل الجهلة اذلیس ذٰلك من اخلاق اهل البیت النبوی ولا من طریقهم ولو كان ذٰلك من طرائقهم لا تخذت الامة یوم وفاة نبیهم

صلی اللّٰہ علیہ وسلم مأتمًا فی کلّ عام فما ھذا الامن تزئین لشیطٰن واِغوائہٖ . وھذا کما زین لقوم اُخرین معارضۃ ھٰؤلآء فی فعلھم فاتخذوا ھٰذا الیوم عیدًا واخذوا فی اظھار الفرح والسّرور اما لکونھم من النواصب المتعصّبین علی المقابلین الحسین رضی اللّٰہ عنہ واھل بیتہ واما من الجھّال للفساد بالفساد والشرّ بالشرّو البدعۃ فاظھروا الزینۃ کالخضاب ولبس الجدید من الثیاب.

(رسالہ فی الردّ علی الرافضۃ ص ۴۸)

''اور یوم عاشورا کو جاہلوں کی طرح نوحہ اور غم واندوہ کا دن نہ بنائے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کے اخلاق میں سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ ان کا طریقہ ہے۔ اگر یہ افعال ان کے طریقے میں ہوتے تو امت نبی کریم ﷺ کے یوم وفات کو ماتم کر کے ہر سال اسی طرح مناتی۔ یہ افعال صرف شیطان کی طرف سے گمراہ کرنے اور مزیّن کرنے کی وجہ سے ہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شیطان نے ماتمیوں کی مخالفت میں دوسرے لوگوں کے لئے مزیّن کیا ہے کہ وہ عاشورا کو بطور عید کے مناتے ہیں اور اس دن وہ خوشی اور مسرّت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ ناصبیوں میں سے ہیں جو حضرت حسینؓ اور آپ کے اہل بیت سے تعصب رکھتے ہیں اور یا وہ لوگ جاہلوں میں سے ہیں کہ فساد کا مقابلہ فساد سے کرتے ہیں اور شر کا مقابلہ شر اور بدعت سے کرتے ہیں پس یہ لوگ اس دن زینت کا اظہار کرتے ہیں مثلاً خضاب لگانا اور جدید کپڑے پہننا''۔

مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ ناصبی وہ لوگ ہیں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے گھر والوں سے تعصب (اور بَیر) رکھتے ہیں نہ وہ خلفائے ثلاثہؓ کو مانتے ہیں۔

(۱۰) مولانا محمد اسحٰق سندیلوی بھی لکھتے ہیں:۔

''اس کیفیت میں مزید شدّت اس وجہ سے بھی پیدا ہوئی کہ خوارج اور

نواصب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں بے ادبیاں اور گستاخیاں کیں‘‘
(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۴)

اب تو مولوی عظیم الدین صاحب کو اپنے امام اہل سنت سندیلوی صاحب کی بات مان لینی چاہیے کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں انہی کو نواصب اور خوارج کہا جاتا ہے۔

(۱۱) علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

فالخوارج والمروانية وكثير من المعتزلة وغيرهم يقلحون في علي رضي الله عنه و كلهم مخطئون في ذلك ضالون مبتدعون (منهاج السنة جلد دوم ص ۲۰۴)

’’پس خارجی اور مروانی اور اکثر معتزلہ وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جرح وقدح کرتے ہیں اور یہ سب اس میں خطا کار، گمراہ اور بدعتی ہیں‘‘

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ردوقدح کرنے والے خارجی ہیں۔

(۱۲) غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ

غوث اعظم حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

’’خارجی تو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام نہیں مانتے‘‘
(غنیۃ الطالبین مترجم اردو ص ۱۲۸)

(۱۳) علامہ شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ موصوف لکھتے ہیں:۔

ولو صار من اعترض على الامام الحق خارجيًا فمن اعترض على الرسول الحق اولى ان يكون خارجيًا.

(الملل والنحل جلد اول ص ۱۸)

’’اور اگر وہ شخص جو امام برحق (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) پر اعتراض کرتا ہے

خارجی ہوا، تو جو شخص رسول برحق ﷺ پر اعتراض کرتا ہے وہ بطریق اولی خارجی ہوگا"۔

علامہ ابن تیمیہ، غوث اعظم اور علامہ عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہم کی مندرجہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ ناصبی اور خارجی وہی لوگ ہیں جو خلیفہ راشد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور آپ کی خلافت راشدہ کو مختلف حربوں سے مجروح کرتے ہیں۔ یہی لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے مقابلہ میں خطا کار اور ناجائز خروج کرنے والا قرار دیتے ہیں۔

اگر عباسی گروہ کے شائع کردہ لٹریچر کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ نواصب اور خوارج کی جو علامات وصفات علمائے اہل السنّت والجماعت کی تصانیف میں مذکور ہیں۔ اس کا مصداق دور حاضر میں محمود احمد صاحب عباسی اور ان کا گروہ ہے اور اسی مشن پر وہ ہر پہلو سے محنت کر رہے ہیں۔ عباسی گروہ کی عبارتیں خارجی فتنہ حصّہ اوّل میں بعنوان "خارجیت کا طوفان" نقل کی جا چکی ہیں دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور یزید

• یزید کے فضل وکمال کو ثابت کرتے ہوئے عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ امیر یزید کبار تابعین میں تھے اپنے والد ماجد کے علاوہ بعض اجلّہ صحابہؓ سے فیض صحبت اُٹھایا یعنی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے جو جلیل القدر صحابی تھے اور رسول اللہ ﷺ کے سفیر بھی رہے تھے ان کی حقیقی بہن سیّدہ شراف بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح کیا تھا اور وہ امیر یزید کے رشتہ میں ماموں ہوتے تھے۔ نیز حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حبّ رسول اللہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور دوسرے دیگر متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے استفادہ کیا۔ صحابہ اور اپنے والد ماجد سے حدیث کی روایت کی" (خلافت معاویہ ویزید ص ۹۲)۔

الجواب

(۱) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے متعلق خود عباسی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بقید

حیات تھے" (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۵۵۸) اور یزید کی ولادت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

سنِ ولادت کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ بروایت اُصح یزید کی ولادت ۲۲ھ میں بعہد خلافت فاروقی ہوئی۔ دوسری روایت میں سن ولادت ۲۵ھ ہے۔ علامہ ابن کثیر ۲۲ھ کے حالات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

وفیھا ولد یزید بن معاویہؓ و عبدالملک بن مروان. (البدایہ والنہایہ ج۷ ص۱۲۵)

ولادت یزید

عباسی صاحب نے ابن کثیر کی طرف یزید کی مندرجہ تاریخ ولادت تو منسوب کر دی ہے لیکن یہ نہیں ظاہر کیا کہ یہ واقدی کی روایت ہے۔ حالانکہ واقدی مجروح ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

قال الواقدی وفیھا وُلِدَ یزید بن معاویہؓ و عبدالملک بن مروان.

"یعنی اس سال (۲۲ھ) میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبدالملک بن مروان پیدا ہوئے"۔

اور حافظ ابن کثیر نے خود واقدی کی اس روایت پر اعتماد نہیں کیا۔ چنانچہ یزید کے ترجمہ (حالات) میں لکھتے ہیں:۔

بُویع لہ بالخلافۃ بعد ابیہ فی رجب سنۃ سِتّین وکان مولدہ سنۃ ستٍ و عشرین. فکان یوم بویع ابن اربع وثلاثین سنۃ.

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۴۶)

"اس یعنی یزید کے والد صاحب کی وفات کے بعد رجب ۶۰ھ میں اس سے خلافت کی بیعت کی گئی اور اس کا سن ولادت ۲۶ھ ہے اور جس دن اس کی بیعت کی گئی، اس کی عمر ۳۴ سال تھی"۔

دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ عباسی صاحب حافظ ابن کثیر کی اپنی تحقیق بھی نقل کر

دیتے تاکہ قارئین پر حقیقتِ حال واضح ہو جاتی۔ کیا تحقیق وریسرچ اسی بلا کا نام ہے جس کا ڈھنڈورہ عباسی گروہ پیٹ رہا ہے۔

(۲) علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

فان یزید بن معاویہؓ وُلد فی خلافة عثمانؓ .

"کیونکہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیدا ہوا ہے"۔ (منہاج السنۃ ج ۲، ص ۲۱۷)

(ب) نیز لکھتے ہیں:

واما ابنه یزید الذی تولی الملك وجری فی خلافته ماجری فانما ولد فی خلافة عثمان باتفاق اهل العلم . (ایضاً ص ۲۱۹).

"اور حضرت معاویہ کا بیٹا یزید جو ملک کا والی بنا اور اس کی خلافت میں جو کچھ ہوا سو ہوا۔ وہ حضرت عثمان کی خلافت میں پیدا ہوا ہے، جس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔"

پھر لکھتے ہیں:

وولد له یزید فی زمن عثمان بن عفان رضی الله عنه سنة سبع وعشرین من العجرة. (ایضاً ص ۲۱۹)

"اور حضرت معاویہ کے ہاں یزید ۲۷ھ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوا۔"

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ولد فی خلافة عثمانؓ.

"یزید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خالفت میں پیدا ہوا۔"

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱، ص ۳۶۰)

(۴) اور حضرت ابو الدرداء کی وفات ۳۲ھ میں خود عباسی صاحب نے تسلیم کر لی ہے۔ لیکن اس میں کچھ اختلاف ہے:۔

مات ابو الدرداء سنة اثنتين وثلاثين بدمشق وقيل سنة احدى وثلاثين (الاستيعاب جلد ٣ ص ١٨)

"حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:۔

"حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے ۳۲ھ نے کو دمشق میں وفات پائی ہے اور یہ بھی قول ہے کہ آپ کی وفات ۳۱ھ میں ہوئی ہے"

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

واصح عند اصحاب الحديث انه مات فی خلافة عثمان. (الاصابه فی تميز الصحابة جلد ٣ ص ٤٦)

"اور زیادہ صحیح محدثین کے نزدیک یہی ہے کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی ہے"

بہر حال اگر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۲ھ میں تسلیم کی جائے اور یزید کی پیدائش ۲۶ھ میں ہو تو اس وقت یزید کی عمر قریباً چھ سال ہوتی ہے اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۱ھ میں ہوئی ہے تو یزید اس وقت پانچ سال کا تھا۔ اور یزید کی پیدائش ۲۷ھ کو مانی جائے تو پھر حضرت ابو درداء کی وفات پر اس کی عمر چار یا پانچ سال بنتی ہے۔

اب عباسی گروہ سے پوچھئے کہ ۴۔ ۵ یا ۶ سال کی عمر میں یزید نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ صحابی سے کیا استفادہ کیا ہوگا؟ عباسی صاحب نے یہ بھی عجیب بات لکھی ہے کہ:۔

"حضرت ابو الدرداء جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے انہی کی صاحبزادی کو نکاح کا پیغام دیا تھا" (ص ۱۰۱)۔

کس عمر میں نکاح کا پیغام دیا تھا؟ چار پانچ سال کی عمر میں یا بقول عباسی صاحب نو سال کی عمر میں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اتنا سفید جھوٹ۔

حضرت اسامہ بن زید اور یزید

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

واعتزل اُسامة الفتن بعد قتل عثمان الی ان مات فی اواخر خلافة معاویةؓ وکان قد سکن المِزّة من عمل دمشق ثم رجع فسکن وادی القری ثم نزل الی المدینة فمات بها بالجرف وصحح ابن عبدالبّر انه مات سنة اربع وخمسین.

(الاصابة فی تمییز الصحابة ج اول ص ۳۱)

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فتنوں سے علیحدہ رہے حتیٰ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری سالوں میں وفات پا گئے اور آپ نے دمشق کے مضافات میں بمقام مزّہ سکونت اختیار کی۔ پھر آپ وہاں سے واپس لوٹے تو وادی القریٰ میں سکونت پذیر ہو گئے پھر مدینہ حاضر ہوئے اور وہاں بمقام جرف وفات پائی اور حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ۵۴ھ میں وفات پائی۔ آخر آپ یزید کے ساتھ قسطنطنیہ کے جہاد میں شریک ہوئے اور وہاں ہی وفات پائی"۔

اب فرمایئے کہ یزید نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کب اور کتنا فیض حاصل کیا ہے۔ پھر یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ خود عباسی صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یزید نے چیتا سدھایا ہوا تھا جس کو شکار میں گھوڑے کی پیٹھ کے پیچھے بٹھا دیا جاتا تھا۔ یزید موسیقی کا شوقین تھا۔ اس نے سلامہ (المغنیہ) گانے بجانے والی لونڈی اپنے حرم میں رکھی تھی۔ وہ ساری رات احوص اور سلامہ کا معاشقہ چھپ کر دیکھتا رہا) ملاحظہ ہو کتاب "خلافت معاویہ ویزید ص ۳۷۰) (بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد ۸)

فرمایئے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یزید کو کیا یہی زہد وتقویٰ کے فیوضات حاصل ہوئے تھے؟ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت حسین رضی اللہ عنہ

یزید کے زہد وتقویٰ کی تو عباسی صاحب اور ان کی پارٹی اتنی تشہیر کرتی ہے اور اس کا سبب وہ زہاد صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہم نشینی قرار دیتے ہیں لیکن کیا حضرت علی المرتضیٰ کو حضور رحمت

للعالمین ﷺ کے زیر تربیت رہنے اور پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بچپن میں محبوب خدا ﷺ کی گود میں پرورش پانے اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے استفاضہ کرنے کے باوجود کچھ بھی حاصل نہ ہوا تھا کہ وہ بجائے رضائے الٰہی کے ذاتی اقتدار کے حصول کے لئے کوششیں کرتے رہے۔ العیاذ باللہ

چنانچہ عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔

"اور یہ خطوط جو شیعہ مؤرخین نے درج کئے ہیں مُسکِت ثبوت ہیں اس بات کا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہم کا اقدام محض سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے تھا"۔ (خلافتِ معاویہ و یزید ص ۱۲۲ ایضاً ص ۴۶۸)

حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت اللہ تعالیٰ کے موعودہ خلیفہ راشد قرار پاتے ہیں۔ کیا یہ خارجی ذہنیت کے کرشمے نہیں ہیں؟ حضرت عبداللہ بن الزبیر رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں بڑے متقی اور بہادر تھے۔ لیکن ان کا شرف صحابیت عباسی صاحب کی نگاہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

حضرت ابن زبیر کی توہین (عباسی)

چنانچہ عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ یزید سے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند معاویہ ثانی نے کہ:۔

"اے امیر المؤمنین۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ ضدی اور جھگڑالو شخص ہیں انہیں انہی کے حال پر چھوڑ دیجئے"۔ (خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید، ص ۴۱۹)

نیز بلاذری کی انساب الاشراف جلد ۴ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

کہ ابن الزبیرؓ نے یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی زبان کھولی اور ان کی تنقیص کی اور کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ نشہ کی حالت میں وہ صبح کرتے ہیں ایسے ہی شام۔ (ایضاً ص ۴۱۸)

اس روایت کے الفاظ سے یزید کی فضیلت اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی منقصت

صاف ظاہر ہوتی ہے۔ گویا کہ عباسی صاحب یزید کو ایک جلیل القدر صحابی کی تنقید سے بالاتر مانتے ہیں۔

"زبان کھولی اور انکی یعنی یزید کی تنقیص کی"۔۔۔ایسی روایتیں تو عباسی صاحب کو پسند آتی ہیں لیکن جن میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب مذکور ہیں ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں

جب شہید کرنے کے بعد حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش کو سولی پر لٹکایا اور اس حال میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گذر ہوا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو تین باران الفاظ سے سلام کیا:۔ السلام علیك یا ابا خُبیب اور پھر فرمایا کہ:۔ اما واللہ لقد کنت انھاك عن ھذا (اللہ کی قسم میں تجھ کو اس سے منع کرتا رہا ہوں اور پھر آپ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ واللہ ان کنتَ ما علمت صوّاما قوّامًا وَصولاً للرحم "اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ بہت روزے رکھنے والے تھے۔ رات کو بہت زیادہ نماز میں قیام کرنے والے تھے اور بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے"۔

اور پھر ابن زبیر کے دشمنوں کی ان الفاظ میں مذمت فرمائی کہ:۔

لَاُمّةٌ انت شرھا لامة سوءٍ.

"وہ لوگ بہت بُرے ہیں جو آپ کو بُرا کہتے ہیں"۔

(صحیح مسلم جلد ثانی ص ۳۱۲)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے تحت فرماتے ہیں:۔

فاراد ابن عمرؓ براٰءۃ ابن الزبیرؓ من ذلك الذی نسب الیه الحجاج واعلام الناس بمحاسنه وانه ضدما قاله الحجاج ومذھب اھل الحق ابن الزبیر کان مظلومًا وان الحجاج ورفقته کانوا خوارج علیه.

''حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو جو حجاج نے عدو اللہ اور ظالم کہا تھا حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کے محاسن (اوصاف حسنہ) بیان کر کے حجاج کے الزامات کی تردید کی اور حضرت ابن زبیر کی صفائی پیش فرمائی اور اہل حق کا یہی مذہب ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ مظلوم تھے اور حجاج اور اس کے ساتھی ان کے خلاف خروج کرنے والے تھے''۔

فرمایئے! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی صفائی پیش کر کے ان کی مدح کرتے ہیں اور عباسی گروہ ان کو باغی اور ملحد قرار دیتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

گو حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر کے درمیان یزید کی خلافت تسلیم کرنے اور نہ کرنے میں اجتہادی اختلاف تھا لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کی دینی عظمت کے پوری طرح قائل تھے اور ان لوگوں کے سخت خلاف تھے جو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف (عباسی)

لیکن عباسی صاحب یہاں تک اقرار کر رہے ہیں کہ یزید نے اپنے اشعار میں حضرت عبداللہ بن زبیر کو ملحد کہا تھا۔ پھر اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''سیاسی اغراض کی خاطر مذہب کی آڑ لینے اور اس طرح دین میں نئی بات پیدا کرنے کی بنا پر ملحد کہا'' (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۲۱)

نیز عباسی صاحب ایک شاعر کے چند اشعار نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

غالباً یہ اشارہ ہے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے شروع ہی سے مخالف تھے اور اس کی ولی عہدی کی مخالفت انہوں نے کی تھی اور کرائی تھی''

(ایضاً حاشیہ ص ۴۰۷)

اور اسی سلسلہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''حضرت حسین کا اقدام سیاسی انقلاب پیدا کر کے اپنی حکومت قائم کرنے ہی کی غرض سے تھا اس لئے خروج ہی سے تعبیر کیا گیا ہے (ص ۴۵۱)

''ظاہر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یہ بھائی بھی ان کے خروج کو طلب حکومت وخلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز ومناسب نہ تھا''۔(ایضاً ص ۱۲۹)

نیز لکھتے ہیں:۔

''اسی طرح کے بعض اور واقعات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حسین اور ابن الزبیر جو بعد میں طالب خلافت ہوئے امیر یزید کی بیعت خلافت کی تحریک کے پہلے ہی سے حکومت کے خلاف حریفانہ روش رکھتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرنے کے منتظر تھے اور اپنے طرفداروں سے کہہ رکھا تھا کہ اس وقت تک خاموش گھروں میں بیٹھے رہو کہ مادام هذا الرجل حيًا'' جب تک یہ شخص زندہ ہے'' (تحقیق مزید ص ۱۰۴)۔

یہاں بھی عباسی صاحب نے محض یزید کی شخصیت کے تحفظ کے لئے ان دونوں جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلوص نیت پر حملہ کیا ہے بلکہ عباسی صاحب تو حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی بھی باہمی مخالفت کے قائل ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''حضرت علی کی حضرت عثمان سے مخالفت اس قدر نمایاں تھی کہ ان کے عزیز قریب ان کا مدینہ میں رہنا اس نازک وقت میں مناسب نہ سمجھتے تھے مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کا کہ وہ قتل کی سازش میں شریک تھے، کوئی ثبوت نہیں ہے'' (تحقیق مزید ص ۸۴)۔

مندرجہ عبارتوں سے واضح ہے کہ عباسی صاحب حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو مخلص اور متقی نہیں مانتے اور ان کو محض حصول اقتدار کا خواہشمند قرار دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض صحابہ کو بعض کا مخالف اور دشمن سمجھتے ہیں اور یہی نظریہ سبائی پارٹی کی دونوں شاخوں کا ہے خواہ وہ رافضی ہوں یا خارجی! حالانکہ اہل السنت والجماعت صحابہ کرام کے اختلاف کو اجتہادی اختلاف قرار دیتے ہیں اور کسی کے خلوص نیت پر حملہ نہیں کرتے اور حسب اعلانِ خداوندی يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ''وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص میں شبہ نہیں

رسول پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت وصحبت کا شرف حاصل کرنے والوں کے خلوص وللٰہیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص نیت میں بھی شبہ نہیں کرتے اور ان کی غلطی کو اجتہادی غلطی قرار دیتے ہیں حالانکہ بظاہر انہوں نے قرآن کے خلیفہ موعود وراشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے قتال بھی کیا تھا۔ جیسا کہ خطائے اجتہادی کی بحث میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ لیکن برعکس اس کے عباسی صاحب اور ان کی پارٹی (روافض کی طرح) تمام صحابہ کرام کو مخلص نہیں تسلیم کرتی اور بعض اکابر کو اپنے مطاعن واہیہ کا نشانہ بناتی رہتی ہے لیکن ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ یزید کو وہ بہر حال مخلص زاہد اور متقی مانتے ہیں، اور مجھے یاد نہیں ہے کہ انہوں نے کہیں یزید کے کسی عیب کی بھی نشاندہی کی ہو۔ یا اس کی طرف کسی سیاسی غلطی کو بھی منسوب کیا ہو۔ آخر یہ کونسی ذہنیت کارفرما ہے۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

خلافت یزید اور اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں یزید کو اپنا ولی عہد قرار دے کر اس کی ولی عہدی کی بیعت لے لی تھی۔ لیکن حسب ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس میں اختلاف ظاہر کیا اور یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہیں کی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ محدث لکھتے ہیں:۔

ولما اخذت البیعة لیزید فی حیاة معاویة کان الحسینؓ ممن امتنع من مبا یعته هو و ابن الزبیرؓ و عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ و ابن عمرؓ و ابن عباسؓ (البدایه والنهایة ج۸ ص ۱۵۱)۔

”جب حضرت معاویہ کی زندگی میں یزید کی بیعت لی گئی تو حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے بیعت نہیں کی“۔

حالانکہ اس وقت یہ پانچوں صحابہ کرام ایک ممتاز شان رکھتے تھے اب خواہ انہوں نے باپ کے بعد بیٹے کو جانشین بنانے کی وجہ سے، یا یزید کو خلافت کا اہل نہ سمجھنے (کی وجہ سے) اختلاف کیا۔ اس کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرما دیا تھا کہ:۔

یہ سنت قیصر و کسریٰ ہے نہ کہ سنت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ! چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ دہلوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت نبوت کی بحث میں فرماتے ہیں:۔

اور خلافت نبوت میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ نبوت کے ساتھ ملحق ہو اور اس میں توارث جاری نہ ہو۔ (یعنی باپ کے بعد بیٹے کو ہی خلیفہ نہ بنایا جائے) دوسرا یہ کہ بادشاہی کی طرف راجع ہو اور بہ مقتضاء طبیعت بشر اس میں توارث جاری کر دیں۔ اگر نبوت کے ساتھ ملحق کریں گے تو کسی ایسے کو خلیفہ بنانا چاہیے جو نبوت کے کاموں کو پورا کرنے والا ہو۔ اور اگر بطور بادشاہی کے لیں گے تو لوگوں کے نفوس اور طبائع وارث کے قائم کرنے کی طرف رغبت کریں گے۔ جب ہم نے دیکھا کہ سب لوگوں نے اس طریق کے خلاف عمل کیا جو بادشاہوں میں جاری تھا تو ہم نے جان لیا کہ ان کی مراد انبیاء کی سنت صالحہ کو قائم کرنا تھا۔ اس نکتہ کی طرف عبدالرحمٰن بن ابی بکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) نے اشارہ فرمایا تھا۔ اس قصہ میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو خلیفہ قرار دینا چاہا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ یہ کسریٰ و قیصر کی سنت ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت نہیں ہے [1] (ازالۃ الخفاء مترجم جلد دوم ص ۴۳۷)

---

[1] مولوی عظیم الدین اور ولی عہدیٔ یزید:۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما جس امر کو سنت قیصر و کسریٰ قرار دے رہے ہیں اس کو مولوی عظیم الدین صاحب (کراچی) سنت انبیاء بلکہ سنت خدا قرار دیتے ہیں چنانچہ بعنوان "باپ کے بعد بیٹا" لکھتے ہیں:۔ بعض لوگ سیدنا یزید کی ولی عہدی کو بنیاد بنا کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا کر ایک ناجائز فعل کا ارتکاب ہی نہیں کیا بلکہ اسلامی خلافت کو موروثی بادشاہت (باقی اگلے صفحہ پر)

(گذشتہ سے پیوستہ) میں بدل ڈالا۔ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن مجید سے تو باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کو کسی قسم کی تنقید کے بغیر سراہا گیا ہے۔ اگر باپ کے بعد بیٹے کا جانشین ہونا ناجائز اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا تو پھر کیسے ممکن تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد ماجد کے جانشین ہوں۔ یاد رہے کہ حضرت داؤد اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہما السلام یکے بعد دیگرے ہونے والے حکمران ہی نہیں انبیائے کرام علیہم السلام کے اس زمرہ میں بھی شامل ہیں جن کے اعمال وافعال کو پسندیدہ دین کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے ماننا ہوگا کہ والد کے بعد جانشینی کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی حکمرانی وخلافت کو قرآن مجید میں بلانکیر نقل فرما کر اللہ تعالیٰ نے سند جواز ہی عنایت نہیں فرمائی بلکہ سورۃ النور میں کما استخلف الذین من قبلھم ارشاد فرماتے ہوئے اسی طریق انتخاب کو مسلمانوں کے لئے پسند فرمایا ہے (حیات سیدنا یزید ص ۲۰۳)

الجواب:۔ میں نے مولوی عظیم الدین صاحب کے اس استدلال کا ابطال کرتے ہوئے اپنے رسالہ "دفاع صحابہ" ص ۲۵ پر لکھا ہے کہ مصنف "حیات یزید" کا یہ قرآنی استدلال دجل وفریب ہے جہالت وغباوت اور قرآن کی تحریف معنوی کا شاہکار ہے (۱) موروثی خلافت وامامت تو شیعہ نظریہ ہے جس کی تائید یہاں پیش کی جارہی ہے۔ کیا عظیم مصنف یہ بھی نہیں جانتے کہ انبیائے کرام کا سلسلہ نبوت بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری تھا جس کا طریق بھی ختم نبوت کے بعد ختم ہوگیا (۲) حضرت داؤد کا جانشین تو بحیثیت نبی (حضرت سلیمان علیہ السلام کو) اللہ تعالیٰ نے نامزد فرمایا تھا۔ کیا یزید کو بھی خداوند عالم نے نامزد کیا ہے؟ یہ نامزدگی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے (۳) قرآن سے غیر نبی کے انتخاب برائے خلافت وحکومت کی صورت تو یہ ثابت ہے کہ باوجود حضرت شموئیل پیغمبر علیہ السلام کے ہوتے ہوئے حق تعالیٰ نے حضرت طالوت کو منتخب فرمایا تھا۔ کیا طالوت حضرت شموئیل یا کسی پیغمبر کے بیٹے تھے۔ کیا یہ غیر نبی کا انتخاب آپ کے لئے پسندیدہ نہیں ہے؟ (۴) آیت استخلاف (سورۃ النور رکوع ۷) میں اگر كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد بالفرض یہی لی جائے کہ باپ کے بعد بیٹے کو جانشین بنایا جائے گا تو کیا یہ حکم صرف آپ کے امیر یزید کے لئے ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ کے لئے بھی ہے۔ اگر ان کے لئے بھی ہے تو ان خلفاء میں سے کوئی بھی اپنے باپ کا جانشین نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت عبدالرحمٰن ابن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ یزید کو جو ولی عہد بنا رہے ہیں تو یہ کسریٰ اور قیصر کا طریقہ ہے کہ ان کا جانشین ان کا بیٹا ہی ہوتا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو جانشین نہیں بنایا۔ تو یہاں یہی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ

(گذشتہ سے پیوستہ) ہوا تو آپ کے طریق استدلال سے تو یہ لازم آئے گا کہ خلفائے ثلاثہ کا انتخاب بھی قرآن کے پسندیدہ انتخاب کے خلاف تھا العیاذ باللہ۔ تو کیا آپ اپنے امیر یزید کو قرآن کا پسندیدہ خلیفہ منوا کر یہی نتائج امت کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ بغض علی رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ نے کیا آپ کی عقل مسخ نہیں کر دی۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔ (ایضاً ملاحظہ ہو دفاع صحابہ طبع سوم ص ۴۱) علاوہ ازیں اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق خلفائے اربعہ میں جو مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ اور اس کو مولوی عظیم الدین صاحب کے موجودہ امام اہل سنت مولانا محمد اسحٰق سندیلوی بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کی مصداق ہے یعنی خلفائے ثلاثہ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے اور آں محترم کی خلافت بھی اللہ تعالیٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ خلافت تھی۔ (جواب شافی ص ۱۰) کاش کہ مولوی عظیم الدین صاحب اپنے امام اہل سنت کی بات ہی مان لیتے۔ لیکن وہ تو یزید کی محبت میں اس قدر فنا ہیں کہ قرآن کی معنوی تحریف کر کے بھی اس کی ولی عہدی کو قرآن کے پسندیدہ طریقہ کے مطابق مانتے ہیں اور برعکس اس کے ان کو حضرت علی المرتضیٰ سے اتنا بیر ہے کہ (ان کو قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق ہونے کے باوجود) چوتھا خلیفہ راشد نہیں مانتے بلکہ ان کی خلافت کو برائے نام خلافت قرار دیتے ہیں اور خلفائے راشدین کے سلسلہ میں چوتھے نمبر پر بجائے حضرت علی المرتضیٰ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لکھتے ہیں چنانچہ لکھا ہے:۔

حضرت خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت معاویہ نیز دیگر خلفائے بنی امیہ کی خوش نصیبی کہ انہیں نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی کا مصداق ہو کر دین اسلام کو سرسبز و سربلند کرنے کی توفیق ملی۔ ذٰلک الفضل من اللہ و نعمۃ (حیات یزید ص ۱۵۹) فاعتبروا یا اُولی الابصار۔

موجود تھے جن میں حسبِ آیت استخلاف خلافت کی سب سے زیادہ اہلیت پائی جاتی تھی اوران کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی رضامندی کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے خلافت کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یزید کو کیوں ترجیح دی اور عباسی صاحب خود تسلیم کر رہے ہیں کہ عشرہ مبشرہ میں سے یہ دو جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ امیر یزید کی ولی عہدی کے زمانہ میں حیات تھے (۱) حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص (۲) حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ (ملاحظہ ہو تحقیق مزید ص ۴)۔

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران کو تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان چھ ارکان شوریٰ میں شامل کیا تھا جن میں سے خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ اگر عباسی گروہ سے یہ سوال کیا جائے کہ ایک قطعی جنتی صحابی کو (جنہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی خلافت کے لئے منتخب کیا تھا) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نظر انداز کر کے یزید کو کیوں ولی عہد بنایا؟ تو اس کا ان کے پاس کیا جواب ہے؟ اور پھر عباسی صاحب نے تحقیق مزید میں اٹھارہ ۱۸ بدری صحابہ کے نام بھی دیئے ہیں، جو اس وقت موجود تھے، تو ان مجاہدین بدر پر یزید کو کیوں کر ترجیح دی گئی؟ اور تمام مملکت اسلامیہ کی باگ دوڑ اس شہزادے کے سپرد کر دی۔ پھر اصحاب بیعتِ رضوان میں سے بھی چودہ اصحاب کے نام عباسی صاحب نے ذکر کئے ہیں ان کو بھی نظر انداز کر دیا گیا جن کو قطعی طور پر از روئے قرآن رضائے الٰہی کی سند عطا ہو چکی تھی۔ پھر ان حضرات کے علاوہ عباسی صاحب نے ۲۳۳ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں کی بھی فہرست دی ہے جو اس وقت موجود تھے۔ لیکن خلافت اسلامیہ کے اہم منصب کے لئے ان حضرات میں سے کسی کے حق میں رائے نہیں لی گئی اور یزید کو ہی ولی عہد نامزد کر دیا گیا۔ پہلے فاضل سندیلوی اور عباسی گروہ اس معمہ کو تو حل کریں پھر اس کے بعد یہ مسئلہ حل کیا جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کی خلافت کو کیوں تسلیم کیا؟

عباسی صاحب نے مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفصیلی فہرست تحقیق مزید ص ۳ سے ص ۵۷ تک پیش کی ہے اور ص ۵۸ پر اس کا خلاصہ لکھ دیا ہے۔ ناواقف سنی مسلمان اس طویل فہرست کو دیکھ کر متاثر ہو جاتے ہیں کہ واقعی یزید کوئی بہت بڑا دیندار اور متقی بزرگ

تھا جس کی خلافت ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تسلیم کر لی تھی لیکن دوسرے پہلو کے پیش نظر حامیان یزید سے یہ نہیں پوچھتے کہ ان جنّتی اصحاب پر یزید کو کیوں ترجیح دی گئی ہے؟ جن کے متعلق عباسی صاحب اعتراف کرتے ہیں کہ موسیقی کا شوق رکھتا تھا۔ مشہور حسین وجمیل مغنیّہ (گانے والی) سلامہ کو اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا اور پھر ساری رات یہ زاہد و عابد خلیفہ احوص اور سلامہ کے معاشقہ کا سین چھپ کر دیکھتا رہا) (ملاحظہ ہو خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۳۷۰) (بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد ۸)

اگر یہ عقدہ حل ہو جائے تو پھر صحابہ کرام کا یزید کی خلافت کو تسلیم کرنے کا عقدہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔

حلِ اشکال

گو صحابہ کرام کو چھوڑ کر یزید کو خلیفہ بنانے کا پہلو بظاہر سخت قابل اعتراض ہے اور اسی بنا پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ سے فرمایا تھا کہ یہ سنّت قیصر و کسریٰ ہے نہ کہ سنّت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ لیکن ایک دوسرا پہلو ایسا ہے جس کے پیشِ نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن مجروح نہیں ہوتی۔ اور وہ یہ ہے کہ سابقہ جنگ جمل اور جنگ صفین کی لڑائیاں ان کے اور دیگر صحابہ کرام کے سامنے تھیں جن میں ہزارہا مسلمان شہید ہوئے تھے۔ شام بنو امیہ کا مضبوط مرکز تھا اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے جنّتی خلیفہ راشد کے سامنے بھی سر تسلیم خم نہیں کیا تھا۔ ان حالات میں اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد مقرر کرتے یا انتخاب خلیفہ کے لئے شوریٰ کا تقرر کرتے تو اتفاق بہت مشکل تھا۔ شامی مرکز کی طرف سے پھر اس کی شدید مزاحمت کا خطرہ تھا۔ اس لئے آپ نے اپنے اجتہاد میں اھون البلیتین پر عمل کیا۔ یعنی دو متوقع مصیبتوں میں سے کمزور مصیبت کو اختیار کیا۔ اگر یزید کو ولی عہد مقرر نہ کیا جاتا تو عموماً بنی امیہ کی طرف سے شدید مخالفت ہوتی جس کے نتیجہ میں بہ نسبت جمل اور صفین کے زیادہ خونریزی کا خطرہ تھا۔ تو امت مسلمہ کو مزید تفرقہ و انتشار اور جنگ وقتال

سے بچانے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیانتداری سے یہی راستہ اختیار کیا۔ ہم اہل سنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص نیت میں شبہ نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو اجتہادی غلطی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غیر معصوم ہیں۔ اگر ان سے دربارہ استحقاق خلافت اور شروط خلافت غلطی اجتہادی ہو جائے اور وہ یزید کو مستحق خلافت سمجھ کر نامزد فرما دیں یا یہ کہ خلافت میں قریشیت، اسلام، حریت، بلوغ اور حسن تدابیر انتظام ہی کو شرط سمجھیں۔ تقویٰ اور دیانت ضروری قرار نہ دیں تو کیا اس پر گرفت سے بچ نہیں سکتے؟

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل ص ۲۹۰)

ابن خلدون کی رائے

اور مشہور محقق مورّخ ابن خلدون نے بھی یہی توجیہ پیش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسروں کو چھوڑ کر یزید کو مصلحت کے ماتحت ولی عہد چنا تھا کیونکہ بنو امیہ کے ارباب حل وعقد کا یزید کی ولی عہدی پر اتفاق تھا کیونکہ اس وقت بنو امیہ اپنے سوا کسی اور کے لیے خلافت نہیں چاہتے تھے۔ بنو امیہ قریش تھے انہیں تمام مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی اور یہی اربابِ اقتدار تھے اس لئے انہیں میں سے ولی عہد چنا گیا اور جو بظاہر خلافت کے اہل تھے انہیں نظر انداز کر دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے اتفاق واتحاد میں جو شارع کے نزدیک نہایت اہم ہے خلل نہ آئے اور ملک میں انتشار نہ پھیلے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی حسنِ ظن رکھنا چاہیے کیونکہ آپ کی عدالت اور صحبت رسالت کا یہی تقاضا ہے اور پھر بڑے بڑے صحابہ کا اجتماع اور ان کی خاموشی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں حضرت معاویہؓ بدگمانی سے بَری ہیں کیونکہ صحابہ کی یہ شان نہ تھی کہ وہ حق سے چشم پوشی کریں اور مروت سے کسی کے ساتھ نرمی برتیں (مقدمہ ابن خلدون مترجم جلد دوم ص ۲۷) اور افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت وخلافت جائز ہے اس لئے صحابہ کرام نے ملّت کو افتراق وانتشار سے بچانے کے لئے یزید کی خلافت گوارا کر لی۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ کا ارشاد

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب محدث مدنی رحمۃ اللہ علیہ (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند) نے یزید کی ولی عہدی اور خلافت پر مفصّل محققانہ بحث فرمائی ہے جو بڑی اطمینان بخش ہے۔ ملاحظہ ہو مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل مکتوب نمبر ۸۸ ونمبر ۸۹ از صفحہ ۲۵۸ تا ۲۹۰) اسی بحث کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔ خلاصہ کلام یہ کہ مؤرخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حیات میں یزید مُلعن بالفسق تھا اوران کواس کی خبر تھی اور پھر انہوں نے اس کو نامزد کیا۔ بالکل غلط ہے۔ ہاں ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہو۔ مگر ان کو اس کے فسق و فجور کی اطلاع نہ ہو۔ ان کی وفات کے بعد وہ کھیل کھیلا اور جو کچھ نہ ہونا چاہیے تھا کر بیٹھا۔ (ایضاً ص ۲۸۵)

اس کے بعد لکھتے ہیں:۔ اب اس کی نامزدگی کی خبر ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ انہوں نے رومیوں اور عیسائی مما لک پر جہاد میں اس کی متعدد دفعہ جدوجہد اور کامیابیاں اور حسنِ تدبیر وانتظام کو مشاہدہ کر کے اپنی رائے کی بنا پر کہ خلافت کے لئے قریشیت اور حریت۔ عقل وبلوغ کے ساتھ لازم ترین شرط لیاقت انتظام مملکت اور حسن تدبیر ہے اور یہ اس میں پائی جاتی ہے یا بدرجہ کمال موجود ہے جو کہ اوروں میں نہیں ہے اور اگر ہے تو اس درجہ پر نہیں ہے۔ اس کی نامزدگی کر دی ہو (جیسا کہ بعض مؤرخین کا قول ہے)۔ یا یہ جدوجہد دوسرے اراکین خاندان بنی امیہ کی طرف سے کی گئی ہو اور یزید بھی اس میں کوشاں رہا ہو مگر عام لوگوں نے اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا ہو کیونکہ انہوں نے روکا نہیں (جیسا کہ بعض مؤرخین کا خیال ہے) یا یہ کہ نامزدگی ان کی طرف سے حقیقتاً یا حکماً کسی طرح نہیں ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد اہل شام میں سے اہل حل وعقد نے اس کو جانشین اور خلیفہ بنا دیا (جیسا کہ بعض دوسرے مؤرخوں کا قول ہے) یا یہ کہ وہ خود بالتغلب خلیفہ بن بیٹھا ہو (بعض مؤرخ اسکے بھی قائل ہیں) بہر حال ان وجوہ کی بنا پر اس کی خلافت منعقد ہوگئی۔ آپ اس کو تسلیم فرماتے ہیں کہ نامزدگی یا اہل حل وعقد کا بیعت کرنا یا

تغلب یہ تینوں امور انعقاد خلافت کے طُرق سے ہیں اگرچہ تیسرا امر بالضروریۃ والمجبوریۃ ہے۔ (ایضاً ص ۲۸۵)

فاضل سندیلوی فرماتے ہیں کہ:۔ یہ بزرگانِ امت مخلص اور حق پسند تھے اگر تحقیق فرماتے تو وہی کہتے جو میں کہتا ہوں۔ لیکن اہم ترین دینی خدمات میں مصروفیت ومشغولیت کی وجہ سے ان حضرات کو اس تاریخی مسئلہ کی تحقیق کی فرصت نہ مل سکی۔ (جواب شافی ص ۱۶)

سندیلوی صاحب انصاف کریں۔ بحث خلافت یزید میں کیا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہر پہلو پر تحقیقی روشنی نہیں ڈال رہے۔ کیا متعدد تاریخی کتب ان کے پیش نظر نہیں ہیں؟ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو تو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے کتب خانوں سے سالہا سال تک استفادہ کرنے کا موقع نصیب ہوا تھا۔ پھر آپ صرف محدث نہیں بلکہ مجاہد فی سبیل اللہ بھی ہیں انگریزی اقتدار کو جڑ سے اُکھاڑنے کے لئے آپ کی قربانیاں مسلّم ہیں۔ میدانِ سیاست کے شاہسوار ہیں۔ سندیلوی صاحب تو کراچی کی ناصبی تحریک سے ہی ناواقف ہیں۔ جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں۔ وہ بے چارے چودہ سو سال پہلے کی تاریخ کو کیونکر سمجھ سکتے ہیں۔

وہ طفل کیا لڑے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

یہاں اصل بحث یہ نہیں ہے کہ باپ کے بعد بیٹے کو نامزد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بلکہ اصل مسئلہ اہلیت وعدم اہلیّت کا ہے۔ خصوصاً اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان کو چھوڑ کر یزید کو خلیفۃ المسلمین بنانا ایک اہم سوال ہے۔ جس کا مختصراً جواب میں نے عرض کر دیا ہے۔

کیا صحابہ کی اکثریت یزید کی حامی تھی

یزیدی گروہ اس بات کا زیادہ چرچا کرتا ہے کہ یزید کی مخالفت صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کی ہے ورنہ باقی تمام صحابہ نے یزید کی خلافت تسلیم کر لی تھی اور اسی امر کے ثبوت کے لئے عباسی صاحب نے تحقیق مزید میں

صحابہ کرام کی ایک فہرست درج کر دی ہے اور انہی کی پیروی میں مولوی عظیم الدین صاحب نے تحقیق مزید کے حوالہ سے ہی اپنی کتاب "حیات یزید" از ص ۱۴۶ تا ص ۱۵۰۔ صحابہ کرام کے نام مع سن وفات درج کر دیئے ہیں اور ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان تمام صحابہ نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور اس کے حامی اور مددگار تھے۔ حالانکہ اکثر صحابہ کرام گوشہ نشین ہو گئے تھے چنانچہ خود عباسی صاحب اقرار کرتے ہیں:۔

وقد کان فی ذلک العصر کثیرٌ من الصحابة بالحجاز والشام والبصرة والکوفة ومصر وکلهم لم یخرج علی یزید لاوحده لا مع الحسینؓ ولم یقاتلوا مع یزید ایضاً بل اعتزلوا هٰذه الفتنة (اتمام الوفاء فی سیرة الخلفاء ص ۱۴)

"اس زمانہ میں صحابہ کی کثیر تعداد حجاز وشام وبصرہ وکوفہ ومصر میں موجود تھی۔ ان میں سے کوئی بھی یزید کے خلاف نہ کھڑا ہوا۔ نہ خود نہ حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور نہ انہوں نے یزید کے ساتھ ہو کر قتال کیا۔ بلکہ اس فتنہ سے الگ تھلگ رہے"۔

صحابہ کرام کی اکثریت کا یزید کے ساتھ ہو کر لڑائی نہ کرنا اور اس فتنہ سے الگ تھلگ رہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یزید کو صالح وعادل اور برحق خلیفہ نہیں مانتے تھے ورنہ ان پر لازم تھا کہ جن صحابہ نے یزید کی مخالفت کی تھی جس کے نتیجہ میں حضرت امام حسین کربلا میں اور حضرت عبداللہ بن الزبیر حرم مکہ میں شہید ہوئے۔ یہ حضرات ان کو باغی قرار دے کر یزید کی اعانت میں ان سے قتال کرتے۔ تو اب دور یزید کے صحابہ کرام کے نام شائع کرنے کا کیا فائدہ ہے جبکہ وہ اس فتنہ سے بالکل ہی الگ تھلگ رہے ہیں؟ کیا یہ تلبیس وفریب نہیں ہے؟

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس وقت کتنے صحابہ ایسے ہیں جن کی عمریں سو سال سے تجاوز کر چکی تھیں۔ وہ جنگ وقتال کے سلسلہ میں معذور تھے جس کی وجہ سے انہوں نے عملی طور پر کسی جانب حصہ نہیں لیا۔

سندیلوی اور عباسی استدلال کا ابطال

مولانا غلام یحیٰی صاحب مرحوم نے سوال کیا تھا کہ:۔

یزید نہ ہمارے مقتداء ہیں اور نہ پیشوا، ہمیں ان کے دفاع کی ضرورت کیا ہے؟

اس کا جواب سندیلوی صاحب نے یہ دیا کہ:

بے شک ہمیں یزید سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عام مسلمانوں کی طرح وہ بھی ایک مسلمان ہے۔ ہمیں اس کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ لیکن اگر اظہار واقعہ نہ کیا جائے اور ان پر جھوٹے الزاموں کی کوئی تردید نہ کی جائے۔ تو وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنے صحابہ کرام اور اکابر تابعین نے کیا کیا؟ اور ان حضرات پر اعتماد کی عمارت بہت کمزور بلکہ منہدم ہو جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سربراہ مملکت قوم کی اخلاقی و ذہنی کیفیت کی علامت ہوتا ہے۔ اگر قوم میں دینداری اور تقویٰ عام ہو تو کسی فاسق کا سربراہ مملکت بن جانا یا اس منصب پر باقی رہنا غیر ممکن ہے۔ اگر یزید ایسے ہی ہے جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں یا جیسے کہ شیعوں میں شہرت ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس دور میں فسق و فجور عام اور فضا میں دینداری اور تقویٰ کا اثر مفقود ہو گیا تھا۔ کثیر تعداد میں صحابہ اور بہت سے تابعین موجود تھے۔ جن کے معتقدین کی تعداد بھی کثیر تھی۔ اس صورت میں فضا پر فسق و فجور کا غلبہ بالکل بعید از قیاس ہے اور بغیر اس کے کوئی فاسق شخص تخت حکومت پر قابض نہیں ہو سکتا۔ (مکتوب محررہ، ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ)

اور محمود احمد صاحب عباسی بھی یہی فلسفہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"امیر المومنین یزید کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب ان کے لئے ہوا اس سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا اور ان کی یہ سعادت ہے کہ جمہور امت نے نہایت خوش دلی سے ان کی ولایت عہد کا استقبال کیا لوگ چونکہ اس اجماع کا انکار نہیں کر سکے اس لئے اسے بے وقعت بتانا چاہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ امت نے یہ رائے جبر کے تحت دی اور کبھی کہتے ہیں کہ لالچ کے سبب۔ گویا امت محمد یہ جو آج بھی خوف اور لالچ سے بالا ہے وہ خیر القرون

میں ان دونوں قسم کی پستیوں میں مبتلا تھی اور وہ بزرگوار جنھوں نے دین قائم کرنے کے لئے جانی و مالی اور ظاہری و باطنی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا وہ سب باطل پرست ہو گئے۔ عقبہ اور شجرہ کی بیعت۔ بدر و احد و خندق کے غزووں نے انہیں کندن بنا دیا تھا (خلافت معاویہ و یزید ص ۸۴ طبع چہارم)

علاوہ ازیں اسی سلسلہ میں عباسی صاحب لکھتے ہیں:

چند سالوں بعد (یعنی بیعت ولی عہدی یزید کے بعد) رجب ۶۰ھ امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سفر آخرت پیش آیا۔ ممالک اسلامیہ کے ہر ہر علاقہ میں ولی عہد خلافت کی بیعت مؤکد کی گئی سوائے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے، جنھوں نے بعد میں دعویٰ خلافت کیا اور سب نے بیعت کی۔ اس زمانہ میں حجاز و شام و عراق و مصر و یمن و بلاد مغرب (افریقہ) و بلاد مشرق (ایران و ترکستان) میں جابجا صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بزرگ ہستیاں ضوفشاں تھیں۔ جنھوں نے سالہا سال تک شمع نبوت سے براہ راست اخذ نور کیا تھا۔ ان میں سے بہت سوں نے نبی کریم کی معیت میں غزوات میں اور آپ کے بعد جہادوں میں شریک ہو کر باطل قوتوں کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی وہ کسی حالت میں نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ وہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لا سکتے تھے۔ صحابہ کی اس کثیر تعداد میں سے کسی ایک نے بھی نہ متفق علیہ خلیفۂ وقت کے خلاف خروج و بغاوت کو کسی طرح جائز و مناسب سمجھا اور نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے وقتاً فوقتاً ملے۔ انہیں طرح طرح سمجھایا۔ منع کیا اور خروج سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔

وقد كان في ذٰلك العصر كثير من الصحابة بالحجاز والشام والبصرة والكوفة ومصر وكلهم لم يخرج على يزيد لا وحدهٗ لا مع الحسينؓ ولم يقاتلوا مع يزيد ايضاً بل اعتزلوا هٰذا الفتنة (اتمام الوفاء في سيرة الخلفاء ص ۱۴)

"اس زمانہ میں صحابہ کی کثیر تعداد حجاز و شام و بصرہ و کوفہ و مصر میں موجود تھی ان

میں سے کوئی بھی یزید کے خلاف نہ کھڑا ہوا نہ خود نہ حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور نہ انہوں نے یزید کے ساتھ ہو کر قتال کیا۔ بلکہ اس فتنہ سے الگ تھلگ رہے"۔ (تحقیق مزید ص ۲)

الجواب

(ا) صحابہ کرام کے باہمی اجتہادی اختلاف کو دورِ رسالت میں اسلام و کفر کے مقابلہ پر محمول کرنا جس میں صحابہ کرام نے بدر و احد اور خندق و حنین میں بے نظیر قربانیاں دی تھیں بالکل غلط ہے۔ کیونکہ وہ دورِ صحابہ میں اہل اسلام کا باہمی داخلی اختلاف کا معاملہ تھا جس کے احکام شرعاً جدا ہیں۔ اور عباسی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ صحابہ کرام کی اکثریت نے فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دیا اور علیحدگی اختیار کر لی۔

(ب) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی صحابہ کا ایک گروہ غیر جانبدار رہا۔ جس کا موقف توقف کا تھا اور خود سندیلوی صاحب اس موقف کی زبردست تائید کر چکے ہیں۔ اسی سلسلے میں حافظ ابن کثیر محدث لکھتے ہیں:۔

امّا ان رجالًا من اهل البدر لزموا بیوتهم بعد قتل عثمان فلم یخرجوا الا الٰی قبورهم (البدایه والنهایه ج۷ ص ۲۵۳)

"اصحابِ بدر میں سے کچھ صحابہ اپنے گھروں میں بیٹھ گئے تھے پھر وہ اپنی قبروں کی طرف ہی گھروں سے نکلے"۔

فرمایئے! یہی وہ غازی اصحاب بدر ہیں جن کی نصرت کے لئے ملائکہ نازل ہوئے تھے اور جو غیر بدری اصحاب سے افضل ہیں۔ لیکن انہی اصحاب بدر میں سے اور دوسرے صحابہ کرام میں سے بھی اکثر صحابہ دور یزید میں فریقین سے بے تعلق ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اگر انہوں نے خروج نہیں کیا تو بیعت بھی نہیں کی۔ اگر وہ یزید کی مخالفت کو اسلام سمجھتے تو ان پر لازم تھا کہ وہ یزید کا ساتھ دیتے۔ حالانکہ دور رسالت میں بلا عذر کفار کے مقابلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت صحابہ سے جو لوگ الگ رہتے تھے وہ

منافقین میں شمار ہوتے تھے (اور صحابہ کرام میں سے تو کوئی بھی ایسا نہ تھا) [illegible]
جانباز صحابہ رضی اللہ عنہم جب دور یزید آتا ہے تو گوشہ نشین ہو جاتے ہیں انہوں نے [illegible]
عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ صحابہ کرام باطل سے ڈرنے والے نہ تھے اور انہوں نے [illegible]
کی یہ نکتہ چینی کہ:

"دور صحابہ و تابعین میں کسی فاسق کا سربراہ مملکت بن جانا یا اس منصب پر [illegible]
غیر ممکن ہے" کم فہمی پر مبنی ہے یا مغالطہ دہی پر۔ یہ طرز استدلال ناواقف مسلمانوں کو متاثر کر سکتا ہے لیکن جب حقیقت بے نقاب ہو جائے تو یہ استدلال تار عنکبوت کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جبری بیعت

یہی عباسی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:
سبائی لیڈر "الاشتر" تو بزور شمشیر بیعت لینے پر تلا ہوا تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ سے بہ جبر بیعت لی گئی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اقرار کرنا پڑا کہ اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کے لئے بہ جبر بیعت لی گئی تھی۔ (محاضرات تاریخ الخضری ص ۱۲۷)

حضرت اُسامہ جب رسول اللہ ﷺ نے کعب بن مسور قاضی بصرہ سے جو تحقیق حال کے لئے مدینہ آئے تھے صاف کہہ دیا تھا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ نے بہ رغبت و رضا بیعت نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ کے ماموں اور فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ پر بھی بیعت کے لئے زور ڈالا گیا۔ انہوں نے کہا جب اور لوگ بیعت کریں گے میں بھی کروں گا۔ میری طرف سے کوئی مخالفانہ طرز عمل نہ ہوگا۔ انہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی الاشتر پکڑ لایا تھا انہوں نے بھی یہی عذر کیا تھا۔ الاشتر بولا کہ ضامن لاؤ ورنہ تلوار سے سر اڑا دوں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں ان کا ضامن ہوں انہیں جانے دو مگر اس وقت کی فضا سے وہ اس درجہ بد دل ہوئے کہ وطن چھوڑ کر مکہ جانے لگے تو انہیں گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان کی مادر ام کلثوم بنت علی دوڑی ہوئی [illegible] اور

اپنے والد سے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ کی مخالفت میں نہیں جا رہے تب ان کا پیچھا چھوٹا۔ (تحقیق مزید ص ۷۲)

(ب) علاوہ ازیں عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ علامہ ابن کثیر و ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ بیعت خلافت ۲۴ یا ۲۵ ذی الحجہ کو ہوئی تھی۔ یعنی قتل عثمان سے ایک ہفتہ اور حج سے دو ہفتے بعد۔ بعض روایتوں میں جو بیان ہوا ہے کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے دوسرے دن ۱۹ ذی الحجہ کو ابن عباس کی واپسی سے چند روز پہلے ہی بیعت ہو چکی تھی صحیح نہیں۔ اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

عبداللہ بن سبا کا خاص چیلہ غافقی بن حرب العکی جو مصری پارٹی کا لیڈر تھا قتل عثمان کے بعد پانچ دن تک امیر مدینہ رہا (طبری ج ا ص ۱۵۵) یہی حضرت عثمان کی محصوری کے ابتدائی ایام میں مسجد نبوی میں نماز پڑھاتا تھا۔ جمعہ اور عید کی نماز البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ (طبری ج ۵ ص ۱۴۹) (تحقیق مزید ص ۷۱)

(۲) فاضل سندیلوی بھی باغیوں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کرنے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ: ان باغیوں نے ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کا نام ان کے ساتھ کسی عقیدت کی بنا پر نہیں پیش کیا تھا اسی طرح انہوں نے جو آں ممدوح کو منتخب کرانے میں سرگرمی دکھائی یہاں تک کہ بعض حضرات صحابہ کو بیعت پر بزور شمشیر مجبور کیا وہ بھی حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی عقیدت یا ان کی اہلیت کے اعتراف پر مبنی نہ تھی بلکہ ان سب باتوں کا منشاء یہ تھا کہ بیعت کر کے اپنی باغیانہ حیثیت پر پردہ ڈال دیا جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حامی بن کر ان کے سایہ میں پناہ لی جائے (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۵۴)۔

(ب) علاوہ ازیں لکھتے ہیں:۔ البدایہ والنہایہ کی مندرجہ ذیل روایت پر نظر فرمایئے:۔ "مدینہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پانچ دن تک غافقی بن حرب کے قبضہ میں رہا۔ باغی تلاش کر رہے تھے کہ کسے خلیفہ بنایا جائے۔ مصری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (قبول خلافت کے لئے) اصرار کر رہے تھے مگر وہ اس سے گریز فرما رہے تھے (ایضاً ص ۵۴)۔ حاشیہ میں غافقی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔ "یہ بھی سبائی اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ میں

شامل تھا"۔

ہمارا سوال

عباسی صاحب اور سندیلوی صاحب کی مندرجہ بالا عبارتوں کی بنا پر ہمارا سوال یہ ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں۔ اصحاب بدر اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ بہادر اور جانباز صحابی ہیں۔ عباسی نظریہ کی بنا پر قرآن مجید کی آیت بیعت رضوان سے آئندہ کے لئے حضرت عثمان ذوالنورین کے قتل کا قصاص لینا مراد ہے۔ لیکن بجائے قاتلین سے قصاص لینے کے شمشیر کے خوف سے یہ دونوں حضرات سبائیوں کے سرغنہ الاشترنخعی کے حکم سے جبراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ان پر لازم تھا کہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتے لیکن جبری بیعت قبول نہ کرتے۔ اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران ہیں۔ اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔

حضرت فاروق اعظم نے ان کو بھی ان چھ صحابہ کی شوریٰ میں شامل فرمایا تھا جن کے ذمہ خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ لیکن یہ بھی الاشتر وغیرہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے بے بس اور عاجز نظر آتے ہیں اور جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی ان قاتلین سے مقاتلہ کرنے کے بجائے ان کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی جان بچاتے ہیں یہ وہی حضرت عبداللہ بن عمر ہیں جن کے متعلق عباسی یزیدی گروہ بڑی شد و مد سے حدیث بخاری پیش کرتا ہے کہ انہوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی وغیرہ۔ ان جانباز صحابہ نے کبھی بھی کفار کے مقابلہ میں کمزوری نہیں دکھائی لیکن ان میں کیا انقلاب آ گیا کہ سبائی قاتلین کے آگے آگے بھاگتے پھرتے ہیں۔ جو حضرات اللہ کی راہ میں جان دینے کو اپنا مقصود حیات سمجھتے تھے۔ وہ آج کیوں اتنی کمزوری دکھا رہے ہیں۔ پھر خارجی گروہ کا سرغنہ غافقی مسجد نبوی میں پانچ دن نمازیں پڑھاتا ہے اور صحابہ کرام اس کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے ہیں۔ کوئی صحابی جان کی بازی لگا کر اس کو مصلّٰی سے نہیں ہٹاتا۔ نہ ہی

اس کو قتل کر کے مسجد نبوی کے اس گندے وجود ... پ کرتا ہے حالانکہ اس وقت بھی مدینہ منورہ میں ایک خاصی تعداد صحابہ کرام کی موجود تھی اور ان کے علاوہ تابعین عظام بھی تھے۔ لیکن سب مغلوب اور سہمے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور جنتی صحابی بجائے قربانی دینے کے مکہ مکرمہ بھاگ جاتے ہیں۔ چنانچہ سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔ دوسری روایت میں ملاحظہ ہو۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کرتے ہیں:۔

فقالا انا تحملنا بقلتنا هُرَّابًا من المدينة.

''ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ اپنی قلت کی وجہ سے وہاں سے (مدینہ سے) بھاگ کر آئے ہیں'' (اظہارِ حقیقت جلد دوم ص ۴۴)

فرمایئے! عباسی صاحب اور سندیلوی صاحب کا یہ نظریہ اب کہاں گیا کہ:۔''وہ بزرگوار جنہوں نے دین قائم کرنے کے لئے جانی و مالی وظاہری و باطنی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا وہ سب باطل پرست ہو گئے'' وہ کسی حالت میں نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ وہ کسی باطل کی جبروت کو خاطر میں لا سکتے تھے۔ (عباسی)

''اور (دور یزید میں) کثیر تعداد صحابہ اور بہت سے تابعین موجود تھے جن کے معتقدین کی تعداد بھی کثیر تھی اس صورت میں فضا پر فسق و فجور کا غلبہ بالکل بعید از قیاس ہے اور بغیر اس کے کوئی فاسق شخص تختِ حکومت پر قابض نہیں ہو سکتا'' (سندیلوی)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی زندگی میں مدینہ منورہ پر سبائی بلوائیوں کا غلبہ۔ مسجد نبوی میں غافقی کا پانچ دن تک نماز پڑھانا۔ اور پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا جبری بیعت کرنا اور دیگر صحابہ کرام کا جو مدینہ منورہ میں موجود تھے ان قاتلین صحابہ سے قتال نہ کرنا اور پھر شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں، ان ساری کارروائیوں کا جو جواب سندیلوی صاحب دیں گے وہی جواب اس امر کا بھی سمجھ لیں کہ بعض صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کیوں کر لی تھی اور اس کی اقتدا میں نمازیں کیوں پڑھتے رہے اور کئی صحابہ

بجائے مقابلہ کرنے کے خانہ نشین ہو گئے۔ حالانکہ یزید کے اقتدار کی نوعیت کچھ اور ہے۔ اگر یزید کی بیعت کر لینا یا اکثر صحابہ کا بے تعلق رہنا اور اس کے پیچھے نمازیں پڑھنا لازماً یزید کے صالح اور عادل ہونے کی دلیل ہے تو بطریق اولیٰ غافقی اور اشتر نخعی وغیرہ سبائی سرغنوں کا صالح اور عادل ہونا تسلیم کرنا پڑے گا جن کی اقتدا میں جلیل القدر صحابہ نے نمازیں پڑھی ہیں اور وہ بھی مسجد نبوی میں اور جن کے حکم کے تحت بادل نخواستہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ہے۔

غافقی مسجد نبوی میں امام بنا رہا

علاوہ ازیں حضرت عثمان ذوالنورین کا صحابہ کرام کو سبائی بلوائیوں کو قتال کرنے سے سختی سے منع کرنے اور تمام صحابہ کرام کا اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے سے بھی یہ لازم آئے گا کہ سبائی بلوائی کوئی صالحین و عادلین کا گروہ تھا۔ ورنہ اگر وہ فاسق و فاجر ہوتے تو حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ان سے جنگ و قتال کرنے کا حکم دیتے اور جو صحابہ نہ صرف غازیان بدر و حنین بلکہ فاتحین مکہ تھے وہ اس باغی گروہ کے وجود سے مرکز خلافت [1] (مدینہ منورہ) کو پاک کرنے کے لئے بے نظیر قربانیاں تاریخ اسلام کے صفحات پر ثابت کراتے۔ لیکن ان صحابہ نے کچھ بھی نہ کیا اور ان کے دیکھتے دیکھتے بلوائیوں نے آ کے اور سب اہل اسلام کے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین کو اپنے گھر میں قرآن پاک پڑھتے ہوئے شہید کر دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون . رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

---

[1] عباسی صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے جوارِ رسول ﷺ کو چھوڑ کر کوفہ کو دار الحکومت بنایا۔ اس کے جواب میں ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی موعودہ خلیفہ راشد تھے۔ انہوں نے اپنی بصیرت سے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ اور ایک حکمت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس طریق سے انہوں نے مدینہ منورہ کو سبائی گروہ سے پاک کر دیا کیونکہ وہ آپ کے ساتھ ہی کوفہ چلے گئے تھے۔ واللہ اعلم۔

کیا سندیلوی صاحب اس عقدہ کو حل کر سکتے ہیں؟

بقول شاعر ؎

حضرت ناصح جو آئیں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دے کہ سمجھائیں گے کیا؟

استصواب یزید کی حیثیت

ناظرین کرام اندازہ فرمائیں کہ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لئے جبر کرنے والے اُٹھ سکتے ہیں تو یزید کی بیعت کے لئے کیوں جبر کرنے والے پیدا نہیں ہو سکتے۔ کیا عہد یزید میں مرکزیت صالحین ومتقین لوگوں کی تھی اور عہد مرتضوی میں دینداری وتقویٰ مفقود یا کمزور تھا۔ عباسی صاحب کا دعویٰ بالکل غلط ہے کہ:۔

"امیر المؤمنین یزید کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب ان کے لئے ہوا اس سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا اور ان کی یہ سعادت ہے کہ جمہور امت نے نہایت خوش دلی سے ان کی ولایت عہد کا استقبال کیا" (خلافت معاویہ ویزید ص ۸۴)

کیونکہ:۔ (۱) حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کے لئے صحابہ کرام اور اُمتِ اسلامیہ نے جس رضا ورغبت اور اتباع وانقیاد کا مظاہرہ کیا اس سے استصواب یزید کو کیا نسبت ہے۔ ع...... چہ نسبت خاک را با عالم پاک

(۲) گذشتہ صفحات میں حافظ ابن کثیر محدث کی عبارت پیش کر دی گئی ہے کہ یزید کی ولی عہدی سے ان پانچ جلیل القدر صحابہ نے واضح طور پر اختلاف کیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تو اس کو بجائے سنت ابی بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے سنت قیصر وکسریٰ قرار دیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۱)

اس سلسلے میں صحیح بخاری کی حسب ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں:۔

حدیث بخاری نمبرا

مولوی عظیم الدین صاحب یزید کی ولی عہدی کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ نے اکابر مدینہ کو جمع فرما کر حالات سے آگاہ کیا اور موجودہ پُر پیچ حالات میں امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے ارادے کا تذکرہ کرتے ہوئے سیّدنا یزید کی ولی عہدی کے بارے میں گفتگو کی:۔

فخطب فجعل یذکر یزید بن معاویہؓ لکی یبایع له بعد ابیه فقال له عبدالرحمن بن ابی بکر شیئا قال خذوه فدخل بیت عائشةؓ فلم یقدر وافقال مروان ان هذا الذی انزل الله فیه . والذی قال لوالدیه اُفٍ لَکُمَا أَتَعِدَانِنِیْ فقالت عائشة مِن وراء الحجاب ما انزل الله فینا شیئًا من القراٰن الاّ ان الله انزل عُذرِی . (صحیح بخاری جلد۲ [1] ص ۷۱۵)

''سیّدنا مروان نے تقریر کرتے ہوئے امیر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا کہ ان کے والد کے بعد ان سے بیعت کی جائے اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے کچھ کہا تو حضرت مروان نے کہا کہ ذرا ان کو پکڑلو۔ وہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چلے گئے اس لئے لوگ انہیں پکڑ نہ سکے۔ حضرت مروان نے کہا کہ انہیں جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ نے یہ آیت اُتاری۔ والذی قال۔ یعنی وہ شخص جس نے اپنے والدین سے کہا کہ افسوس ہے تم پر۔ تم مجھے دھمکی دیتے ہو۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے پیچھے سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق (خصوصیت سے) قرآن مجید میں میری پاکدامنی کی آیات ہی نازل فرمائی ہیں۔ (حیات سیّدنا یزید ص ۱۲۶)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی عظیم الدین لکھتے ہیں:۔

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ حٰم الاحقاف میں ہے (خادم اہلسنت غفرلہ)

مندرجہ بالا مستند روایت سے معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق گورنر مدینہ حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے جس عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے سیّدنا یزید کی ولی عہدی کا تذکرہ کیا تھا اس میں مدینہ منورہ کے اکابر صحابہ و تابعین نے ہی شرکت نہ کی بلکہ روایت میں بیان کردہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پردہ کے پیچھے موجودگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس اہم قومی معاملہ میں مشاورت کے لئے امہات المؤمنین بھی تشریف فرما تھیں۔ اصحابِ رسول اور اکابر مدینہ پر مشتمل اس نمائندہ اجلاس میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی بھی قابل ذکر شخص نے نہ ولی عہدی کے مسئلہ سے اختلاف کیا اور نہ ہی کسی نے سیّدنا یزید کی اہلیت و نامزدگی پر اختلاف رائے اور ناپسندیدگی ظاہر کی۔ (ص ۱۲۶)

اُلٹی منطق

(۱) اس حدیث سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصحابِ رسول اور اکابر مدینہ کا یہ نمائندہ اجتماع تھا نہ ہی دوسرے جلیل القدر صحابہ کی موجودگی ظاہر ہوتی ہے اور نہ ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ دوسری امہات المؤمنین بھی تشریف فرما تھیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ثبوت ملتا ہے لیکن آپ بھی اپنے حجرہ مبارک میں تھیں۔ مولوی عظیم الدین صاحب محض فن صحافت کے زور سے یہ باتیں ثابت کر رہے ہیں۔

(۲) اس حدیث نے تو ساری حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ یزید کی ولی عہدی زبردستی ٹھونسی گئی ہے۔ کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمٰن نے تو صرف اعتراض کیا تھا جس کا آپ کو حق حاصل تھا لیکن بجائے جواب دینے کے حضرت مروان نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو پکڑ لو جس میں آپ نے اپنی ہمشیرہ معظمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں پناہ لے کر اپنی عزت و جان بچائی۔

(۳) بجائے تسلی بخش جواب دینے کے حضرت عبدالرحمٰن کو مطعون کیا اور آیت مذکورہ کو ان پر چسپاں کر دیا۔ جس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت اس کی تردید کر دی اور فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ ہمارے بارے میں تو

وہی آیات ہیں جو قصہ ٔ ''افک'' کی تردید کی اور آپ (ام المؤمنین) کی براءت میں نازل ہوئی ہیں۔ کیا نمائندہ اجتماع اور یزید کی ولی عہدی کے لئے یہی آزادانہ استصواب ہے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ جب حضرت عبدالرحمٰن کے اظہار رائے کا نتیجہ سب نے دیکھ لیا تو پھر اور کون بول سکتا تھا۔

ناظرین اندازہ فرمائیں کہ ان حالات کے پیش نظر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تاثر کیا ہوگا۔ جب مسجد نبوی میں ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں آزادیٔ رائے کا یہ حال ہے تو دوسرے مقامات پر کیا کچھ ہوا ہوگا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(۴) حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں گو آیت کا مصداق ہونے میں دوسرے اقوال بھی پیش کیے ہیں جن میں حضرت عبدالرحمٰن کا مصداق ہونا بھی مذکور ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد سے باقی اقوال کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

(۵) یہاں پر حافظ ابن حجر عسقلانی نے شیعوں کی طرف سے پیش کردہ شبہ کا جواب بھی دے دیا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس ارشاد سے کہ ہمارے بارے میں تو صرف وہی آیات نازل ہوئی ہیں جن کا تعلق واقعہ افک سے ہے، یہ لازم نہیں آتا کہ آیت غار حضرت صدیق اکبر کی شان میں نہیں نازل ہوئی۔ کیونکہ ام المؤمنین کی مراد یہ ہے کہ صدیق اکبر کی اولاد کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔

(۶) جس بات پر حضرت مروان [1] نے لوگوں کو حکم دیا کہ (حضرت) عبدالرحمٰن کو پکڑلو۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

فقال مروان سنة ابی بکرؓ و عمرؓ فقال عبدالرحمن سنة هرقل وقیصر.

''مروان نے فرمایا کہ یہ (یعنی ولی عہدی یزید) سنت ابی بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] جناب مروان کے صحابی ہونے نہ ہونے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ اس لئے ان کے متعلق ہم توقف اختیار کرتے ہیں (خادم اہلسنّت)

ہے تو اس پر حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ نہیں بلکہ سنت ہرقل و قیصر ہے"۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۴۳)

حدیث بخاری نمبر۲

اسی سلسلہ میں مولوی عظیم الدین مدینہ منورہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کے متعلق لکھتے ہیں:۔ چنانچہ آپ کے مدینہ منورہ پہنچنے پر ایک بار پھر اجتماع ہوا۔ جس میں امیر المؤمنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قومی و ملکی معاملات اور موجودہ بدلتے ہوئے حالات میں اسلامی خلافت اور مسلم اجتماعیت کے مستقبل سے متعلق تفصیلی گفتگو فرمائی۔ تمام اجتماع نے آپ کی باتوں کا خیر مقدم کیا اور بالآخر باہمی گفت و شنید کے بعد کسی اختلاف کے بغیر سیّدنا یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولی عہدی کے لئے منظوری دے دی۔ شیخ الصحابہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسی اجلاس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

دخلت علیٰ حفظة رضی اللہ عنہا ونوساتها تنطف قلت قد كان من امر الناس ماترين فلم يجعل لی من الامر شیء فقالت اِلحق فانهم ينتظرونك و اخشی ان يكون فی احتنابك عنهم فرقة فلم تدعه حتی ذهب . فلما تفرق الناس خطب معاوية رضی اللہ عنہ قال من كان يريد ان يتكلم فی هذا الامر فليطلع قرنه فلنحن احق به ومن ابيه : قال حبيب بن مسلمة فهلّا اجبته قال عبداللّٰه فحللت حبوتی وهَمَمْت ان اقول احق بهذا الامر منك من قاتلك واباك علی الاسلام فخشيت ان اقول كلمة تفرق بين الجمع وتفسك الدم ويحمل عنی غير ذلك فذكرت ما اعد اللّٰه لی فی الجنان قال حبيب حفظت وعصمت (صحيح بخاری جلد دوم ص ۵۸۵)

"میں سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت ان کے سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ لوگوں کا حال دیکھ رہی ہیں کہ اس معاملے میں میری کوئی حیثیت نہیں رکھی گئی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جاؤ لوگ تمہارے انتظار میں ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے رکے

رہنے سے اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑا جب تک نہ چلے گئے۔ جب (جلسہ میں شریک عام) لوگ متفرق ہو گئے تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوران خطاب فرمایا کہ اب بھی کوئی شخص اس معاملے میں کچھ بولنا چاہے تو وہ سر اونچا کرے۔ ہم اس سے اور اس کے والد سے اس امر (خلافت) کے زیادہ حق دار ہیں۔ حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ پھر آپ نے کوئی جواب دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی نشست چھوڑ کر کہنا چاہا کہ آپ سے زیادہ حق اس کا ہے جس نے آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام کے لئے جنگ کی تھی لیکن مجھے خوف محسوس ہوا کہ میرے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو اختلاف و فساد کا موجب ہو اور میری بات کو غلط رنگ دے لیا جائے۔ اس لئے میں اللہ کی خوشنودی اور انعام کے خیال سے چپ رہا۔ سیّدنا حبیب بن مسلمہ نے فرمایا کہ اللہ نے آپ کو غلط [1] بات کہنے سے محفوظ رکھا اور نامناسب اقدام سے بچا لیا'' (ایضاً حیات یزید ص ۱۲۹)

---

[1] حدیث بخاری کے الفاظ:۔ قال حبیب حفظت وعصمت کا مولوی عظیم الدین صاحب کا یہ ترجمہ غلط ہے کہ سیدنا حبیب بن مسلمہ نے فرمایا کہ اللہ نے آپ کو غلط بات کہنے سے محفوظ رکھا اور نامناسب اقدام سے بچا لیا'' کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات صحیح تھی کہ:۔ آپ سے زیادہ حق اس کا ہے جس نے آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام کے لئے جنگ کی تھی۔ (ب) اس عبارت کا ترجمہ العواصم من القواصم کے مترجم نے یہ لکھا ہے:۔ تو حبیب نے کہا آپ بال بال بچ گئے (ص ۳۵۹)۔ ان الفاظ کا مطلب یہی ہے (ج) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اثارۃ فتنہ سے بچنے کے لئے بیعت کی تھی چنانچہ بعد میں بیعت خلافت یزید کے متعلق فرمایا تھا:۔ اگر یہ اچھا ہوا ہے تو ہم خوش ہیں اور اگر بُرا ہوا ہے تو ہم صبر کریں گے (العواصم من القواصم ص ۳۶۱) اگر حضرت عبداللہ بن عمر کو یزید کی بیعت پر پورا اطمینان ہوتا تو ایسا کیوں فرماتے کہ:۔ اگر برا ہوا ہے تو ہم صبر کریں گے۔ لیکن مولوی عظیم الدین صاحب نے تو بہر حال یزید کی حمایت کرنا ہے۔ خواہ شیخ الصحابہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بات کو غلط قرار دینا پڑے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں   جو چاہے آپ کی تجویز خانہ ساز کرے

[illegible]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ [illegible]

ہے۔ اس حدیث پر مولوی عظیم الدین صاحب نے مفصل تبصرہ [illegible]

متفق علیہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ حدیث بھی تنقیحات طلب [illegible]

(۱) شیخ الصحابہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر کو یزید کی ولی عہدی سے اس قدر شدید

اختلاف تھا کہ آپ اس اجتماع میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے مگر ام المومنین حضرت

حفصہ رضی اللہ عنہا کے اصرار پر وہاں تشریف لے گئے لیکن یزید کی ولی عہدی کی تائید نہیں کی۔

(۲) لوگوں کے منتشر ہونے کے بعد جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اب

بھی کوئی شخص اس معاملہ میں کچھ بولنا چاہے تو وہ سر اونچا کرے۔ ہم اس سے اور اس کے

والد سے اس امر (خلافت) کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس

تجویز سے مطمئن نہیں تھے جس کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہو گیا تھا۔ ورنہ لوگوں کے

چلے جانے کے بعد اس بات کی کیا ضرورت باقی رہ گئی تھی اور پھر آپ کے ارشاد کے یہ

جملے بھی اسی بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ لوگ جلیل القدر صحابہ کی موجودگی میں یزید کو

خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے کہ: ''ہم اس سے اور اس کے والد سے اس امر (خلافت)

کے زیادہ حقدار ہیں''۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات ناگوار محسوس ہوئی۔ اور یہ جواب دینا چاہا

کہ: ''آپ سے زیادہ حق اس کا ہے کہ جس نے آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام

کے لئے جنگ کی تھی''۔ لیکن اس کے نتیجہ کے پیش نظر اس کا اظہار نہ فرمایا۔ اس کا نتیجہ وہی

تھا جو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق نے دیکھا تھا۔ علاوہ ازیں آپ امت کو انتشار

سے بچانا چاہتے تھے لیکن اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ آپ کے دل میں زیادہ ناراضگی

تھی۔ یہاں مولوی عظیم الدین صاحب یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو یہ

غلط فہمی ہو گئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان پر تعریض کی ہے۔ حالانکہ حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریض حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر تھی۔ نیز یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے

جذبات میں آ کر جلدی میں یہ کہہ دیا کہ جس نے آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام

کے لئے جنگ کی تھی۔ کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو کسی جنگ میں اسلام کے مقابلے میں نہیں آئے تھے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان نے قبل اسلام جو صحابہ کرام سے جنگ کی تھی وہ ان کے سارے قبیلہ کی جنگ قرار دی جاسکتی ہے جو اسلام نہیں لایا تھا اور ان کی سرپرستی میں تھا۔ اور اگر حضرت معاویہ نے یہ بات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمائی ہے تو پھر بھی محل اشتباہ ہے کیونکہ حسب آیت استخلاف اور آیت تمکین خلفائے ثلاثہ کے بعد وعدۂ خلاوندی کا مصداق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی تھے اور اس وقت آپ سے زیادہ کوئی صحابی بھی خلافت نبوت کا حقدار [1] نہیں تھا۔ ولو کرہ الخارجیون۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت ہرگز نہیں کی۔ البتہ آپ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت کرلی تھی مگر اس کا بھی یہ حال ہے کہ جب والی مدینہ ولید نے حضرت عبداللہ بن عمر کو یزید کی بیعت کرنے کے لئے پیغام بھیجا تو آپ نے فرمایا:۔

اذا بایع الناس فلم یبق غیری بایعتُ وکانوا یتخوفونه. (البدایه والنهایه ج۸ ص ۱۴۸)

"جب لوگ بیعت کریں گے اور سوائے میرے کوئی باقی نہیں رہے گا تو بیعت کرلوں گا۔ اور آپ کو وہ لوگ ڈراتے دھمکاتے تھے"

یہ ہے آزادانہ استصواب عام کی صورت جو یزید کی ولی عہدی اور بعد میں خلافت کی بیعت کے لئے اختیار کی گئی۔

---

[1] قاضی ابوبکر العربی فرماتے ہیں:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو تمام روئے زمین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مستحق خلافت اور کوئی نہ رہا تو خدا کی تقدیر کے مطابق خلافت اپنے وقت اور موقع میں ان کے سپرد ہوئی اور خداوند تعالیٰ کو جو کچھ منظور تھا ان کی زبانی احکام اور علوم بیان فرمائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا"۔ (العواصم من القواصم اردو ص ۳۱۵)

(۵) زیر بحث روایت سے حافظ بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ محدث نے عمدۃ القاری شرح البخاری میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی طرف سے اجتماع حکمین مراد لیا ہے اور حافظ ابن الحجر عسقلانی محدث نے بھی فتح الباری میں اس کا واقعہ تحکیم کو مصداق قرار دیا ہے۔ البتہ ایک قول یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اس سے مراد وہی اجتماع ہے جو یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں منعقد ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

(فتح الباری جلد ۷ باب غزوۃ الحنین ص ۳۰۹)

خلاصۂ کلام

ولی عہدی کے سلسلہ میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروق ہیں۔ حضرت حسین بن علی المرتضیٰ ہیں۔ ان تینوں جلیل القدر صحابہ نے اپنے گھروں میں بھی خلافت راشدہ موعودہ کے جلوے دیکھے ہیں پھر اس کے مخالف خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر ہیں وہ بھی خلافت راشدہ کے پروردہ ہیں علاوہ اس کے حضرت عبداللہ بن عباس ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے علم قرآن نصیب ہوا ہے۔ جب یہ پانچوں حضرات [1] یزید کی ولی عہدی کے خلاف ہیں تو ان کے مخلصین اور محبین میں سے ہزاروں مسلمان کیوں نہ اس

---

[1] اور شیخ محمد خضری مورخ بھی لکھتے ہیں:۔

فقام عبدالرحمن بن ابی بکر وقال ما الخیا ر اردتم لامة محمدٍ ولکنکم تریدون ان تجعلوها هر قلیة کلما مات هر قل قام هر قل وانکر ذلك الحسین بن علی و عبداللّٰه بن عمر و عبداللّٰه بن زبیر (تاریخ الامم الاسلامیه ج ۲ ص ۱۱۷)

”(جناب مروان کی تقریر کے بعد) حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن ابی بکر کھڑے ہوئے اور جواباً فرمایا کہ تم نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہتری کا ارادہ نہیں کیا۔ تم تو اس کو ہرقلیت بنانا چاہتے ہو کہ ایک ہرقل کے مرنے کے بعد دُوسرا ہرقل اس کی جگہ لے لیتا تھا اور اس (ولی عہدی) کا حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے بھی انکار کیا۔

کے خلاف ہوں گے۔ ان حالات میں کیا یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ برضا و رغبت یزید کی ولی عہدی پر صحابہ کرام اور تابعین نے اتفاق کر لیا تھا؟ اور یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ یہ پانچوں حضرات اس وقت اہل حق و عقد میں ممتاز شخصیتیں ہیں اور گو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد اپنے اجتہاد کی بنا پر اثارت فتنہ سے بچنے کے لئے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت خلافت کر لی تھی اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اس سے پہلے انتقال فرما گئے تھے لیکن حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آخر تک یزید کی بیعت نہیں کی اور اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

علاوہ ازیں یزید کی ولی عہدی اور پھر بیعت خلافت کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے واقعہ حرہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اہل مدینہ کی اکثریت نے جس میں صحابہ اور تابعین حضرات موجود تھے۔ یزید کی بیعت توڑ ڈالنے کا اعلان کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ پیش آیا جس پر آئندہ حسب ضرورت روشنی ڈالی جائے گی۔ اگر یزید صالح و عادل ہوتا تو پھر مدینہ منورہ کے صحابہ و تابعین خلع بیعت کیوں کرتے (یعنی بیعت توڑنے کا اعلان کیوں کرتے)۔ اور اس راہ میں شدائد و مصائب کیوں برداشت کرتے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیوں بیعت کی

حامیانِ یزید عموماً یہ پروپیگنڈہ کیا کرتے ہیں کہ سوائے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے باقی تمام صحابہ کرام نے یزید کی خلافت تسلیم کر لی تھی حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ قبل ازیں خود عباسی صاحب کی یہ عبارت نقل کی جا چکی ہے کہ:۔

اس زمانہ میں صحابہ کی کثیر تعداد حجاز و شام و بصرہ و کوفہ و مصر میں موجود تھی ان میں سے کوئی بھی یزید کے خلاف نہ کھڑا ہوا۔ نہ خود نہ حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور نہ انہوں نے یزید کے ساتھ ہو کر قتال کیا بلکہ اس فتنہ سے الگ تھلگ رہے۔ (تحقیق مزید ص ۳)

جواب جب صحابہ کی کثیر تعداد نے یزید کے ساتھ ہو کر لڑائی بھی نہیں کی اور اس

فتنہ سے الگ تھلگ رہے تو یہ بات کیونکر صحیح ہو سکتی ہے کہ صحابہ کی اکثریت نے یزید کی خلافت تسلیم کر لی تھی (یا انہوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی) فاضل سندیلوی بحوالہ ثابت کریں کہ فلاں فلاں صحابی نے یزید کی بیعت کی تھی۔ حامیان یزید عموماً حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت کا حوالہ دیتے ہیں اور اس کی بھی نوعیت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی بیعت کے ثبوت میں کسی کتاب حدیث سے حوالہ نہیں پیش کرتے بلکہ مؤرخ بلاذری کی کتاب انساب الاشراف کی عبارت پیش کرتے ہیں جس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا ذکر صحیح بخاری میں موجود ہے۔ جس کا جواب آئندہ صفحات میں دیا جائے گا۔ انشاء اللہ

دور فتنہ کے احکام

جن صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کی ہے یا جن صحابہ نے یزید کی مخالفت نہیں کی تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اس کو صالح و عادل تسلیم کرتے تھے بلکہ ان کے پیشِ نظر حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات تھے جو دورِ فتنہ سے تعلق رکھتے ہیں اور خود محمود احمد صاحب عباسی نے بھی وہ احادیث نقل کر دی ہیں چنانچہ بعنوان:۔

اطاعت امیر و ممانعت خروج

لکھتے ہیں:۔ اولی الامر (امیر) کے لئے نسل و رنگ، قبیلہ و خاندان کی کوئی قید نہ تھی۔ جس کسی فرد ملت پر اہل حل و عقد کا اتفاق رائے ہو کر بیعت عامہ ہو جائے خواہ نسل و رنگ اور حیثیت کے اعتبار سے حبشی غلام بدہیئت، سر سے گنجا ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی اطاعت کرنا اور حکم ماننا واجب و لازم کیا گیا۔ صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم بسند صحیح موجود ہے:۔

عن انس بن مالکٍ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کانّ رأسہ زبیبۃ.

"حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
حکم مانو اور اطاعت کرو اگر تم پر ایک حبشی غلام جس کا سر گنجا ہو حاکم مقرر ہو
جائے" (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۱۱۳)

(**نوٹ**) یہ حدیث بخاری کتاب الفتن۔ باب السمع و اطاعۃ للامام مالم
تکن معصیۃً میں مذکور ہے (خادم اہل سنت)

(۲) نیز لکھتے ہیں:۔ صحیح مسلم میں بھی حضرت ابوذر غفاری سے یہی ارشاد نبوی
منقول ہے:۔ یعنی میرے خلیل نے مجھے وصیت فرمائی کہ "حکم مانوں اور اطاعت کروں
اگر چہ وہ (یعنی امیر) حبشی غلام ہو جس کے سر پر بال نہ ہوں"۔ (ایضاً ص ۱۱۴)

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ یزید کی بیعت پر اہل حل و عقد کا اتفاق نہیں ہو سکا۔ کیونکہ
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آخر تک مخالفت کی ہے۔
حالانکہ یہ دونوں جلیل القدر صحابی اہل حل و عقد میں سے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام والمسلمین
حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اور یہی وجہ تھی کہ یزید کوشاں تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن
زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات بیعت کر لیں۔ حالانکہ یہ حضرات
ملتجی بالحرم ہو گئے تھے۔ کسی نے جنگ کا ارادہ نہیں کیا تھا اور نہ بیعت کی تھی۔ ان حضرات کا
اس زمانہ میں اہل حل و عقد میں سے ہونا بدیہی امر ہے"۔
(مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول مکتوب نمبر ۸۹ ص ۲۸۶)

لیکن باوجود اس کے عباسی صاحب اور ان کے مقلدین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور
حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو مطعون کرتے ہیں کہ انہوں نے یزید کی کیوں بیعت نہیں
کی؟ اور برعکس اس کے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت مدینہ منورہ کے اہل حل و عقد نے کر
لی اور حسب قول سندیلوی صاحب حضرت علی المرتضی کی خلافت منعقد بھی ہو گئی تھی چنانچہ
سندیلوی صاحب اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"اس لئے اس کا پختہ عقیدہ ہے کہ سیدنا علی المرتضی کی خلافت صحیح خلافت تھی

اور بے شک وہ خلیفہ برحق ہیں۔ دوسرے اکابر صحابہ مہاجرین وانصار کے اصرار سے مجبور ہو کر دین کی مصلحت کے پیش نظر انہوں نے اس منصب کو قبول فرمالیا اور حق یہ ہے کہ پوری امت پر ان کا یہ احسان عظیم ہے! فجزاہ اللّٰہ عنا وعن سائر المسلمین خیراً (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۱۸)۔

لیکن اس کے باوجود پھر تفصیلی بحث میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خلیفہ کا دوبارہ انتخاب ضروری تھا اور اسی کو بنیاد بنا کر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے کو اجتہادی خطا بھی نہیں قرار دیتے لیکن جب یزید کی خلافت کا مسئلہ آتا ہے تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جو یزید کی مخالفت کی تھی وہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ (اس مسئلہ پر مفصل بحث خارجی فتنہ حصہ اوّل میں اپنے مقام پر گذر چکی ہے۔ دوبارہ ملاحظہ فرمالیں) اور یہی نظریہ عباسی صاحب کا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو مستقل نہیں قرار دیتے۔ اور آپ کی خلافت تسلیم نہ کرنے والے صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی طرف کسی غلطی کو منسوب نہیں کرتے۔ لیکن اس کے برعکس یزید کی بیعت نہ کرنے پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو طالب اقتدار قرار دے کر ان کی عظیم شخصیتوں کو مجروح کرتے ہیں۔

(۳) عباسی صاحب صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی نقل کرتے ہیں:۔

عن ابن عباس یرویہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من رأی من امیرہ شیئاً فکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبراً فیموت الا مات میتۃً جاھلیۃً.

(صحیح بخاری جلد ۲ جزو ۲۹)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے امیر میں برائی دیکھے اور اس سے ناگواری محسوس کرے تو اسے صبر سے کام لینا چاہیے کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر ہوا اور مر گیا جاہلیت کی موت مرا''۔

(**نوٹ**) یہ حدیث بھی صحیح البخاری کتاب الفتن باب السمع والطاعۃ میں ہے۔ (خادم اہل سنت غفرلہ)

(۴) نیز عباسی صاحب نے صحیح بخاری سے حسب ذیل حدیث بھی نقل کی ہے:۔

قال دعانا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فبایعنا فقال فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعۃ فی منشطنا ومکرھنا وعُسرنا ویُسرنا وأثرۃٍ علینا وان لا ننازع الامْرَ اھلہ الا ان تروا کفرًا بواحًا عندکم من اللّٰہ فیہ برھانٌ.

(صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الفتن)

"(راوی کہتے ہیں کہ) ہمیں آنحضرت ﷺ نے طلب فرمایا اور ہم سے جن امور پر بیعت لی ان میں امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی تھا اگرچہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند۔ اس پر عمل مشکل ہو یا سہل اور اس کے لئے ہمیں کچھ قربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے اور یہ کہ حکومت کے بارے میں ہم برسر اقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں جب تک کہ اس سے کھلا کھلا کفر ظاہر نہ ہو جو اس کے خلاف خروج کو جائز کردے اور اللہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو" (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۱۶)

اس کے بعد عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ مسلمانان عالم کی عظیم ترین اکثریت امام اعظم ابوحنیفہ کے اجتہاد و مذہب کی متبع رہی ہے اور اس اکثریت اور سواد اعظم کا اپنے امام کی پیروی میں ہمیشہ یہ نظریہ رہا ہے کہ:۔

لا نری الخروج علی الائمۃ ولو جاروا.

"یعنی ہم حاکمان وقت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں"

یہی اجتہاد اور مذہب دیگر ائمہ مجتہدین کا ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک تھا۔ جو ان بزرگوں کے عمل سے بخوبی واضح ہے اور اسے وضعی روایتوں سے مسخ نہیں کیا جاسکتا۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسلک کی تشریح کرتے

ہوئے فرمایا ہے:۔

کان المشہور من مذہب اہل السنۃ انہم لا یرون الخروج علی الائمۃ وقتالہم بالسیف وان کان فیہم ظلم کما دلت علی ذلک الاحادیث الصحیحۃ المستفیضۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان الفساد فی القتال والفتنۃ اعظم من الفساد الحاصل بظلمہم بدون القتال (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۸۷)

"اہل السنّت کے مذہب اور مسلک میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ حاکمان وقت کے خلاف خروج کرنے اور ان کے مقابلے میں تلوار اُٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور اس پر نبی ﷺ سے احادیث صحیحہ مستفیضہ دلالت کرتی ہیں کیونکہ حاکمان وقت سے جنگ وجدل کرنے کا فساد اور فتنہ اس فساد سے کہیں بڑھ کر ہے جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہو"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ (ابن حنبل) خلفاء کی اطاعت کے وجوب اور ان کے خلاف خروج کی ممانعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔ امام وقت اور خلیفہ قائم کی اطاعت خواہ وہ فاسق وفاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار واجب ہے وہ جب مسندِ خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا بزور شمشیر وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المؤمنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس کے بارے میں منازعت کرے۔ جس نے امام المسلمین کے خلاف خروج کیا جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضاء و رغبت ہو یا یہ جبر واکراہ تو اس شخص نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے آثار کے خلاف کیا اور اس خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا"۔ (حیات احمد بن حنبل ص ۲۴۲، بحوالہ مناقب لابن جوزی، ص ۱۷۶)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ بالآخر آپ نے رجوع کر کے خروج عن الجماعت کے شر سے اپنے کو بچا لیا۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۱۷)

حقیقتِ حال

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت خلافت کرلی۔ یا جن صحابہ نے مخالفت نہیں کی اور بے تعلق ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے ان کے پیش نظر یہی احادیث نبوی تھیں جن کا تعلق دور فتنہ سے ہے۔ چونکہ مندرجہ احادیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ خواہ حبشی غلام سر کا گنجا بھی حکمران ہو جائے اور خواہ تم امیر میں برائی بھی دیکھو تو جب تک اس سے کفر بواح سرزد نہ ہو اس کی اطاعت کرتے رہو اور اس کی بیعت نہ توڑو۔ پھر عباسی صاحب نے جو امام اعظم کا یہ مسلک پیش کیا ہے کہ:۔ ''ہم حاکمان وقت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں''۔

اور بعد ازاں مناقب ابن جوزی کے حوالہ سے عباسی صاحب نے امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک واضح کیا ہے کہ خواہ لوگ خلیفہ وقت سے راضی ہوں یا ناراض۔ یا وہ بزور شمشیر بھی خلیفہ بن بیٹھا ہو۔ اس کے خلاف خروج جائز نہیں بلکہ اس کی اطاعت واجب ہے۔ ہم نے عباسی صاحب کی عبارات نقل کر دی ہیں جن میں انہوں نے احادیث مذکورہ بالا کو صحیح اور مستفیض تسلیم کیا ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے یہ احادیث پیش نہیں کیں اس خطرہ کے تحت کہ حسب عادت عباسی گروہ جواب میں یہ نہ کہہ دے کہ یہ احادیث وضعی (من گھڑت) ہیں۔ بھلا فاسق و فاجر اور بزور شمشیر حکومت پر قابض ہونے والے شخص کی اطاعت جائز ہو سکتی ہے تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ احکام ہیں امام اعظم اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے مسلک عدم خروج و بغاوت سمجھا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یزید کی بیعت یا عدم خروج و بغاوت کا مسلک بھی صحابہ کرام نے انہی احادیث مندرجہ بالا کے تحت اختیار فرمایا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام کی بیعت یا عدم مخالفت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یزید ضرور صالح و عادل تھا بالکل غلط ہے کیونکہ یہ دور فتنہ کا تھا اور اس کے احکام جدا ہیں اور سندیلوی صاحب بھی دور فتنہ کے ان احکام کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ❶ نہیں کی تھی اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے مودودی صاحب کے جواب میں لکھتے ہیں۔

یہ مودودی صاحب کی خوش فہمی ہے ان حضرات کا طرز عمل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر مبنی تھا۔ متعدد حدیثیں واضح کر رہی ہیں کہ فتنے سے بے تعلق رہنے کی وصیت صحابہ کرام کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی اور باتفاق محدثین اس سے یہی فتنہ یعنی مشاجرات صحابہ کا فتنہ مراد تھا (دیکھئے کتاب الفتن صحیح بخاری)

افسوس ہے کہ جس روش کی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی وہ مودودی صاحب کے نزدیک نامناسب ہو۔ ذہن کی سبائیت زدگی کی یہ بات نمایاں علامت ہے۔ (اظہار حقیقت جلد دوم حاشیہ ص ۲۱)

اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ دور یزید میں اکثریت صحابہ کا بے تعلق رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر مبنی تھا اور جن صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کی ہے ان کے سامنے وہی احادیث تھیں جن میں ظالم و جائز امیر کی بھی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی بنا پر سندیلوی صاحب کا یہ استدلال باطل ہو جاتا ہے کہ کثیر تعداد میں صحابہ اور بہت سے تابعین موجود تھے جن کے معتقدین کی تعداد بھی کثیر تھی۔ اس صورت میں فضا میں فسق و فجور کا غلبہ بالکل بعید از قیاس ہے اور بغیر اس کے کوئی شخص تخت حکومت پر قابض نہیں ہو سکتا۔ (غیر مطبوعہ مکتوب جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ)

---

❶ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے کوئی صحابی پیچھے نہ رہا (قاضی ابوبکر ابن العربی)
لیکن قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ عثمانی کہتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی تھی۔ سعد بن ابی وقاص، محمد بن مسلمہ، ابن عمر اور اسامہ بن زید اور ان کے علاوہ اور بھی انہیں کے ہم پلہ۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آپ کی بیعت سے تو کوئی صحابی بھی پیچھے نہ رہا تھا۔ ہاں جنگ جمل یا صفین میں بعض لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد نہ کی تھی اور انہی میں سے یہ لوگ ہیں جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا تو ہر ایک نے اس میں اجتہاد کیا اور اپنی سمجھ کے مطابق عمل کیا اور اپنے اندازے پر درست کیا۔ (العواصم من القواصم اردو ص ۲۴۷)

اور عباسی صاحب کی پیش کردہ احادیث صحیحہ کی بنا پر ان کی یہ توجیہ بھی باطل ہو جاتی ہے کہ وہ بزرگوار جنہوں نے دین قائم کرنے کے لئے جانی و مالی اور ظاہری و باطنی قربانی سے دریغ نہ کیا وہ سب باطل پرست ہو گئے۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۸۲ طبع چہارم)

(ب) وہ (یعنی صحابہ) نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جرأت خاطر میں لا سکتے تھے۔ (تحقیق مزید ص ۲)

بے شک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہی تھے لیکن انہوں نے باوجود فسق یزید کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کیا جن کا حوالہ صحیح بخاری سے عباسی صاحب پیش کر چکے ہیں اور اس کی توضیح میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ارشاد بھی پیش کر چکے ہیں کہ ظالم امیر کی بھی اطاعت کرو اور اس حکمران کی بھی جو بزور شمشیر حکومت پر قابض ہو گیا ہو۔

شاہ ولی اللہ محدث کا ارشاد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اور اگر کسی ایسے شخص کو لوگ خلیفہ بنائیں جن میں یہ شرائط (یعنی جو خلیفہ راشد سے متعلق ہیں) نہ پائے جاتے ہوں تو اس کی خلافت کے بانی گنہگار ہوں گے لیکن اگر (ملک پر) اس کا تسلط ہو جائے تو اس کے وہ تمام احکام جو خلافِ شرع نہ ہوں نافذ رہیں گے بوجہ ضرورت کے کیونکہ (بعد تسلط کے) مسندِ خلافت سے اس کو اٹھا دینا اختلاف امت کا باعث بنے گا اور فتنہ و فساد برپا کرے گا (ازالۃ الخفاء مترجم اوّل ص ۲۳ ترجمہ از امام اہل سنت مولانا لکھنوی رحمہ اللہ)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے جو عباسی صاحب نے پیش کیا ہے کہ:۔

''اہل سنت کے مذہب و مسلک میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ حاکمان وقت کے خلاف خروج کرنے اور ان کے مقابلے میں تلوار اُٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم

کریں اور اس پر نبی ﷺ سے احادیثِ صحیحہ مستفیضہ دلالت کرتی ہیں کیونکہ حاکمانِ وقت سے جنگ وجدال کرنے کا فساد اور فتنہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہو"۔ (منہاج السنۃ جلد۳ ص ۸۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

شارح حدیث صحیح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث (جسکی بحث بعد میں آئے گی) کے تحت فرماتے ہیں:۔

وفی هذا الحديث وجوب طاعة الامام الذی انعقدت له البيعة والمنع من الخروج عليه ولو جار فی حكمه وانه لا ينخلع بالفسق (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۶۱ كتاب الفتن)

"اور اس حدیث سے اس امام کی اطاعت کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے جس کے لئے بیعت منعقد ہوگئی ہو اور اس کے خلاف خروج کی ممانعت پائی جاتی ہے اگرچہ وہ اپنے حکم میں جائر (ظالم) ہی ہو۔ اور یہ کہ وہ فسق کی وجہ سے امامت سے معزول نہیں ہوتا"۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

شارح صحیح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ حدیث ستكون بعدی أثرة کے تحت فرماتے ہیں:۔

فيه الحث على السمع والطاعة وان كان المتولّی ظالمًا عسوفا فيعطی حقه من الطاعة ولا يخرج عليه ولا يخلع بل يتضرع الى اللّٰه تعالىٰ فی كشف اذاه ودفع شرّه ويرغب فی صلاحه (نووی جلد دوم ص ۱۲۶)

"اس حدیث میں قبول واطاعت کی ترغیب پائی جاتی ہے اگرچہ متوتی (امام و حاکم) ظالم اور برا ناانصاف ہو۔ پس اس کو اس کی اطاعت کا حق دے۔ اور

اس کے خلاف خروج نہ کرے اور نہ ہی بیعت توڑے بلکہ اس کی اس تکلیف اور شرّ دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی سے دعا کرے اور اس کی اصلاح کی طرف میلان رکھے"۔

(ب) علاوہ ازیں امام نووی لکھتے ہیں:۔

وحاصله الصبر علی ظلمهم وانه لا تقسط طاعتهم بظلمهم واللہ اعلم.

"اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے ظلم پر صبر کرے اور ان کے ظلم کی وجہ سے اس کی اطاعت ساقط نہیں ہوتی" واللہ اعلم

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ بندہ کا مندرجہ احادیث سے استدلال یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ خواہ امیر و حاکم ظالم ہو اس کی اطاعت کرو اور اس کی مخالفت نہ کرو۔ اس لئے جن صحابہ کرام نے یزید کی بیعت و اطاعت کی اور طاقت سے اس کی مخالفت نہیں کی تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ ظالم و جائز نہ تھا بلکہ اس بنا پر کہ آنحضرت ﷺ نے ظالم حکمرانوں کی بھی اطاعت اور صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔

مندرجہ احادیث پیش کرنے سے عباسی صاحب کا مقصد یہ تھا کہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن الزبیر نے یزید کی اطاعت کی بجائے جو مخالفت کی تھی تو ان کا یہ طرز عمل احادیث صحیحہ کے خلاف تھا مگر اس وقت وہ یہ بات سمجھ نہ سکے اور یہی احادیث صحیحہ ان کے اس نظریہ کے خلاف ہیں کہ یزید اگر فاسق و ظالم ہوتا تو صحابہ کرام اس کی کیوں مخالفت نہ کرتے۔ اور سندیلوی صاحب نے بھی جنگ جمل و جنگ صفین کی بحث میں جو احادیث فتن کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ جن صحابہ کرام نے حضرت علی المرتضیٰ کی بیعت نہیں کی اور وہ بے تعلق رہے ان کے پیش نظر بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات تھے۔ لیکن ان کو اس امر کا احساس نہ ہوا کہ دوسری احادیث بھی تو ہیں جن میں امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے خواہ وہ فاسق و ظالم ہی ہو"۔

حالانکہ یہی احادیث مبارکہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جب حضرت علی المرتضیٰ نے

صرف متقی و عادل تھے بلکہ وعدہ خداوندی کے مطابق آپ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تھے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے لئے ان کی اطاعت سے انحراف کیونکر جائز ہوسکتا تھا جبکہ رعیت پر ظالم و فاسق کی اطاعت بھی لازم قرار دی گئی ہے۔ سندیلوی صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت موعودہ کے بارے میں دور از کار تاویلات کا سہارا لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی صحت ثابت کرنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ اور اگر وہ (اجتہادی اختلاف کی بنا پر) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی غلطی کی نسبت کو تسلیم کر لیتے تو جمہور اہل سنّت کی مخالفت سے بچ جاتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

حامیان یزید عموماً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے متعلق حسبِ ذیل حدیث پیش کرتے ہیں۔

عن نافع قال لما خلع اھل المدینۃ یزید بن معاویۃ جمع ابن عمرؓ حشمہ وولدہ فقال انی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ینصب لکل غادر لوآء یوم القیٰمۃ وانا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ وانی لا اعلم غدرًا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ ورسولہ ثم یُنصبُ لہ القتال وانی لا اعلم احدًا منکم خلعہ ولا تابع فی ھذا الامر الا کانت الفیصل بینی وبینہ (صحیح بخاری کتاب الفتن، باب، اذا قال عند قوم شیئًا ثم خرج فقال بخلافہ)

''حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلقین اور فرزندوں کو بلا کر فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ قیامت کے دن ہر غدر کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا۔ بلاشبہ ہم نے اس شخص (یعنی خلیفہ یزید) سے اللہ اور اس کے رسول کی

بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑا غدر کوئی نظر نہیں آتا کہ ہم ایک شخص سے اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کریں اور پھر اس کے خلاف آمادۂ جنگ ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے ان کی بیعت توڑ دی یا اس ہنگامہء بغاوت میں کچھ حصہ لیا تو پھر میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا''۔

یہ حدیث مولوی عظیم الدین صاحب نے اپنے رسالہ ''ارشادات اکابر'' ص ۴۲ پر درج کی ہے۔ میں نے انہی کا ترجمہ یہاں نقل کر دیا ہے اور مولانا سندیلوی نے بھی لکھا ہے:۔ حافظ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ مقدسی حنبلی اپنے فتوے میں لکھتے ہیں:۔ یزید بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت صحیح ہے۔ جن ستر صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کی ہے ان میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ (جواب شافی ص ۱۸)

الجواب

(۱) بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت صحیح بخاری کی مندرجہ حدیث سے ثابت ہوتی ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ آپ نے ولی عہدی کی بیعت سے اختلاف کیا تھا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کی خلافت کی بیعت میں بھی آپ نے جلدی نہیں کی بلکہ یہ فرمایا کہ:۔

اِذا بایع الناس فلم یبق غیری بایعت وکانوا یتخوفونہ. (البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۴۸)

''جب لوگ بیعت کرلیں گے اور میرے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا تو بیعت کر لوں گا۔ (اور آپ کو لوگ ڈراتے دھمکاتے تھے)''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت اشارتِ فتنہ کے خطرہ کے تحت تھی نہ کہ برضا و رغبت۔

(۲) سندیلوی صاحب سے سوال یہ ہے کہ اس وقت موجود تو سینکڑوں صحابہ تھے جن کی فہرست عباسی صاحب نے تحقیق مزید میں شائع کی ہے لیکن صرف ستر صحابہ نے بیعت کی اور باقی صحابہ کرام نے کیوں نہیں کی۔ علاوہ ازیں ان ستر صحابہ کرام کے اسمائے

بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑا غدر کوئی نظر نہیں آتا کہ ہم ایک شخص سے اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کریں اور پھر اس کے خلاف آمادۂ جنگ ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے ان کی بیعت توڑ دی یا اس ہنگامہء بغاوت میں کچھ حصہ لیا تو پھر میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا"۔

یہ حدیث مولوی عظیم الدین صاحب نے اپنے رسالہ "ارشادات اکابر" ص ۴۲ پر درج کی ہے۔ میں نے انہی کا ترجمہ یہاں نقل کر دیا ہے اور مولانا سندیلوی نے بھی لکھا ہے:۔ حافظ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ مقدسی حنبلی اپنے فتوے میں لکھتے ہیں:۔ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح ہے۔ جن ستر صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کی ہے ان میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ (جواب شافی ص ۱۸)

الجواب

(۱) بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت صحیح بخاری کی مندرجہ حدیث سے ثابت ہوتی ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ آپ نے ولی عہدی کی بیعت سے اختلاف کیا تھا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کی خلافت کی بیعت میں بھی آپ نے جلدی نہیں کی بلکہ یہ فرمایا کہ:۔

اِذا بایع الناس فلم یبق غیری بایعت وکانوا یتخوفونہ. (البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۴۸)

"جب لوگ بیعت کر لیں گے اور میرے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا تو بیعت کر لوں گا۔ (اور آپ کو لوگ ڈراتے دھمکاتے تھے)"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت اثارتِ فتنہ کے خطرہ کے تحت تھی نہ کہ برضا و رغبت۔

(۲) سندیلوی صاحب سے سوال یہ ہے کہ اس وقت موجود تو سینکڑوں صحابہ تھے جن کی فہرست عباسی صاحب نے تحقیق مزید میں شائع کی ہے لیکن صرف ستر صحابہ نے بیعت کی اور باقی صحابہ کرام نے کیوں نہیں کی۔ علاوہ ازیں ان ستر صحابہ کرام کے اسمائے

گرامی اوران کی بیعت کا بحوالہ ثبوت بھی پیش کریں۔

(۳) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر صاحبزادہ اگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کر رہے ہیں تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ اور حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یزید کی مخالفت بھی کر رہے ہیں اور پھر اہل مدینہ میں سے حضرت عبداللہ بن حضرت حنظلہ صحابی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ دوسرے صحابہ اور تابعین یزید کی بیعت فسخ بھی کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ پیش آیا ہے تو ان پر سندیلوی صاحب وغیرہ کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے کیا یزید کی بیعت فسخ کرنے پر یہ صحابہ اور تابعین بھی قیامت میں مجرمین اور غادرین کی صف میں کھڑے ہوں گے حالانکہ اہل السنّت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق ہر ہر صحابی سیدھا جنّت میں جائے گا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۴) اگر بیعت توڑنے والے کی یہ سزا ہے تو فرمائیے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مدینہ منورہ میں حضرت علی المرتضیٰ کی بیعت خلافت کی تھی (خواہ وہ برضا و رغبت تھی یا بالجبر) [1]۔ اور پھر ان دونوں جنّتی صحابہ نے آپ کی بیعت توڑ دی تھی کیونکہ

---

[1] حضرت طلحہ وزبیر نے خوشی سے حضرت علی کی بیعت کی لیکن قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ بن العربی تو اس جبری بیعت کو تسلیم نہیں کرتے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر حضرت طلحہ نے بیعت کی تو لوگوں نے کہا: ”علی“ کی بیعت ایک لنجے ہاتھ نے کی ہے خدا کی قسم یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔ اگر یہ کہا جائے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر بیعت کی تھی تو ہم کہیں گے قطعاً غلط ہے۔ ان کو ہرگز مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اور کسی کو بھی مجبور نہیں کیا گیا اور اگر بفرض محال ان کو مجبور بھی کیا جاتا تو اس کا کوئی اثر نہیں کیونکہ جب ایک یا دو آدمی کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تو بیعت پوری ہو جاتی ہے اور جو ان کے بعد بیعت کرنے والے ہیں ان کے لئے بیعت لازم ہو جاتی ہے اور شرعاً انہیں مجبور بھی کیا جا سکتا ہے (العواصم من القواصم اردو ص ۲۴۳)

اب دیکھئے مولانا سندیلوی صاحب حضرت قاضی ابوبکر بن العربی کی اس تحقیق کا کیا جواب دیتے ہیں کیونکہ وہ لکھ چکے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی مجبوراً بیعت کی تھی۔

جنگ جمل میں حضرت علی المرتضیٰ کے مقابلے میں صف آراء تھے۔ اب سندیلوی صاحب اور عباسی گروہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف بھی فتوے لگائیں، کیا کوئی سُنی عالم ایسا فتویٰ دے سکتا ہے ہرگز نہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا نیک نیتی سے کیا۔ خواہ اس اجتہاد میں ان سے غلطی ہوگئی ہو۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا اپنے اجتہاد کی بنا پر کیا اور حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے اگر یزید کی بیعت نہیں کی تو یہ ان کی اپنی اجتہادی رائے تھی۔ جس کی وجہ سے ان پر طعن نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے کیا یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہے کہ وہ یزید کو صالح اور عادل قرار دیتے تھے ہرگز نہیں۔ انہوں نے مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں یزید کی بیعت کی ہے جن میں فرمایا گیا ہے کہ امیر خواہ ظالم و جائر ہی ہو، تفرقہ سے بچنے کے لئے اس کی اطاعت کر لینی چاہیے۔

(۵) چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت اپنے اجتہاد کی بنا پر کر لی تھی اس لئے اب بغیر ضرورت شرعی اس کو توڑنا جائز نہیں سمجھتے تھے حدیث میں لفظ غادر آیا ہے۔ اور غدر کا معنی ہے عہد کو توڑ دینا۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (شارح صحیح مسلم) لکھتے ہیں:۔

واما الغادر [1] فهو الذی یواعد علٰی امرٍ ولا یَفِی به (نووی جلد دوم باب تحریم الغدر ص ۸۳ حدیث لکل غادرٍ لواء یوم القیٰمۃ).

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کا ارشاد

حضرت عبداللہ بن عمر کی بیعت کے سلسلہ میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

اگلے لوگوں کے معاملات کی تحقیق سے واضح ہے کہ اہل حل وعقد میں سے ہر شخص کی بیعت کو اس کے اور اس کے نوکر چاکر کے حق میں بیعت خیال کرتے تھے ورنہ

---

[1] یعنی غدر کرنے والا وہ شخص ہے جو اپنے وعدے کا ایفاء نہیں کرتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ضرورت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اس بیعت کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی اور اسی طرح یزید اہل شام کی بیعت اور دوسرے اہل حل وعقد کی بیعت کے بعد حضرت حسین اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور دیگر صحابہ کی بیعت کا طالب نہ ہوتا۔ (قاسم العلوم مترجم ۱۷۷)

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خدام و متعلقین کو جمع کر کے تنبیہ فرمائی کہ بیعت ہرگز نہ توڑیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بھی یزید کی بیعت لازم ہو گئی تھی کیونکہ یزید کی بیعت میں عموم انعقاد کی شرط پوری نہیں ہوئی تھی اور یہ مسئلہ مفصل طور پر خارجی فتنہ حصہ اول میں زیر بحث آچکا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔ بہر حال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت اور پھر خلع نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یزید عادل و صالح تھا اور نہ ہی اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اہل مدینہ کے لئے بھی یزید کی بیعت کا توڑنا جائز تھا۔ کیونکہ ان بیعت توڑنے والوں میں صحابہ کرام بھی تھے جن کے اجتہاد کا تقاضا یہ تھا کہ یزید کی بیعت کا توڑنا ضروری ہے۔ جیسا کہ آئندہ اس کے متعلق عرض کیا جائے گا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف

گو محمود احمد عباسی صاحب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو طالبِ اقتدار قرار دیتے ہیں لیکن کوئی سنّی مسلمان حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلوص و تقویٰ میں شبہ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے جو کچھ کیا رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کیا۔ ان کو حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جو ایمانی و روحانی فیضان نصیب ہوا تھا اس سے یزید کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو زبانِ رسالت سے جنّت کے جوانوں کے سردار ہونے کی بشارت نصیب ہوئی۔ الحسن والحسین سیّد اشباب اھل الجنّة انہیں محبوب

کبریا حضرت محمد ﷺ کی گود نصیب ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ اختلاف

حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک خلافت اسلامیہ کے لئے اوّلین شرط تقویٰ اور خدا ترسی تھی۔ چنانچہ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے نظریہ خلافت میں اختلاف پائے جانے کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

حضرت معاویہ کا نظریہ یہ ہے کہ خلافت اور نظام اسلامی برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے لئے مادی طاقتیں اوّلین شرط ہے اور اس میں آج صرف بنی امیہ تمام قریش میں واحد مرکز ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بنی ہاشم اور دیگر مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ اس کے یعنی خلافت اسلامیہ کے لئے اولین شرط تقویٰ اور خدا ترسی ہے اور اس کے واحد مرکز بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ دونوں اجتہادی نظریے اپنا پھل پھول لاتے ہیں۔ یقیناً ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ صحیح ہے اور جمہور اسلام بھی یہی رائے رکھتے تھے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریئے کو بالکل غلط بھی نہیں کہا جاسکتا۔

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل مکتوب نمبر ۸۸ ص ۲۶۶)

اور غالباً اسی نظریہ کے تحت حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت سے اختلاف کیا تھا (خواہ اس وقت یزید کا فسق ظاہر نہ ہوا ہو۔ یا بعد میں وہ فسق وفجور میں مبتلا ہو گیا ہو)۔

بہرحال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کہ جب یزید کا فسق ظاہر نہ ہوا تھا (اور اسی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو ولی عہد بنایا تھا) تو آپ نے کیوں یزید کی بیعت نہ کی۔ کیونکہ آپ کے نظریہ کے تحت وہ بوجہ متقی نہ ہونے کے اور بوجہ حضرات صحابہ کے موجود ہونے کے اس منصب خلافت کا اہل نہیں تھا اور جن حضرات

صحابہ نے اس کی خلافت تسلیم کر لی تھی۔ ان کے پیش نظر یا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کا نظریہ تھا جیسا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خلافت اور نظام اسلامی برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے لئے مادی طاقت اوّلین شرط ہے۔ یا انہوں نے دورِ فتن کے احکام کے تحت اس کی خلافت قبول کر لی تھی مگر کسی پہلو سے یہ لازم نہیں آتا کہ یزید صالح اور متقی تھا۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو متقی سمجھتے تھے

علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ عباسی صاحب اور سندیلوی صاحب گو یزید کو صالح اور متقی مانتے ہیں لیکن انہوں نے واضح طور پر کوئی ایسی روایت پیش نہیں کی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضرت معاویہ نے یزید کو صالح اور متقی قرار دیا تھا۔ ورنہ اگر ان کے نزدیک وہ متقی ہوتا تو لوگوں کے سامنے اس کا اظہار فرماتے۔ لیکن عباسی صاحب ان جلیل القدر صحابہ کے علم واجتہاد کو تو کسی شمار میں نہیں لاتے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

ان (یعنی حضرت مغیرہ بن شعبہ) کی تجویز وتحریک نے عملی شکل اختیار کی، مملکت اسلامیہ کے ہر ہر صوبہ اور ہر ہر قریہ میں رائے عامہ معلوم کی گئی، بلا جبر واکراہ معلوم کی گئی۔ سو فیصد ووٹ امیر یزید کے حق میں آئے (تحقیق مزید ۱۶۸)۔

عباسی صاحب کی اس ریسرچ یعنی تحقیقی جھوٹ کا اندازہ لگایئے کہ کوئی اہل عقل و انصاف شخص کہہ سکتا ہے کہ ان جلیل القدر صحابہ کی رائے کے حامی حضرات بھی اگر ہزاروں میں نہیں تو سینکڑوں ضرور ہوں گے۔ لیکن عباسی نظریہ میں وہ سب کالعدم ہیں اور برضا و رغبت کا حال حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن ابی بکر صدیق کی بات اور حضرت مروان کے تعاقب کے واقعہ میں گذر چکا ہے۔ بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہادی نظریہ کی بنا پر حالات کے تحت اگر یزید کو ولی عہد مقرر فرمایا تو ان پر طعن نہیں کیا جا سکتا۔

یزید بحیثیت شکاری (چیتے کا سدھانا)

گو یزید اس وقت مُعلن بالفسق نہیں تھا یا برسر اقتدار آنے کے بعد وہ فسق میں مبتلا ہوا۔ اس حقیقت کا تو انکار نہیں ہو سکتا کہ شکار کا شوق رکھتا تھا اور خود ایک زبردست شکاری

تھا۔ چنانچہ عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ اس میں شک نہیں کہ امیر یزید بڑے شکاری اور زبردست شہسوار تھے۔ پروفیسر ھتی نے اسلام میں پہلا بڑا شکاری انہیں کہا ہے (The First Great Hunter In Islam) اور لکھا ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک چیتا کو سدھایا تھا کہ گھوڑے کے دھڑ کے پچھلے حصہ پر سوار چلا کرے۔ مورخ الخضری نے بھی لکھا ہے کہ یزید شکار کے بڑے شوقین تھے (ج ۲ ص ۱۲۴) (تحقیق مزید ص ۱۶۹)

جنازہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یزید کی محرومی

شکاریوں کا حال عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ اس میں منہمک رہتے ہیں۔ انہی مشاغل کے باوجود جس یزید کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کی بنا پر ولی عہد مقرر کیا تھا۔ وہ حضرت معاویہ کی وفات کے وقت بھی گھر میں نہیں بلکہ سفر میں تھا۔ چنانچہ خود عباسی صاحب اقرار کرتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات صحیح روایت کے مطابق ۲۰ رجب ۶۰ھ کو ہوئی۔ امیر یزید موجود نہ تھے۔ کسی مہم پر گئے ہوئے تھے۔ محترم والد کی شدید علالت کی اطلاع ملتے ہی واپس آئے مگر تدفین کے بعد پہنچے۔ سیدھے باپ کی قبر پر گئے۔ پھر جامع مسجد آئے خطبہ دیا اور مسند خلافت پر متمکن ہوئے"۔ (تحقیق مزید ص ۱۷۱)

کاش عباسی صاحب اس مہم کی بھی نشاندہی کر دیتے جس کو سر کرنے کے لئے ولی عہد صاحب سفر میں تھے۔ حافظ ابن کثیر محدث و مورخ لکھتے ہیں:۔

قال محمد بن اسحق والشافعی . صلّی علیه ابنه یزید.

"محمد بن اسحاق اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ یزید نے پڑھائی"۔

لیکن حافظ ابن کثیر دوسری روایت کو ترجیح دیتے ہیں:۔

وقال آخرون بل کانه ابنه یزید غائبًا فصلّی علیه الضحاك بن قیس بعد صلوة الظهر بدمشق.

"اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ اس وقت یزید غائب تھا پس آپ کی نماز جنازہ حضرت ضحاک بن قیس نے دمشق میں نماز ظہر کے بعد پڑھائی"۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ص۱۴۳)

(ب) نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

قال غیر واحد فحین حضرت معاویة الوفاة کان یزید فی الصید (ایضاً ص ۱۱۵)

"ایک سے زیادہ لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت یزید شکار پر تھا"۔

موسیقی کا ذوق

عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ سیرت یزید کے بارے میں غیر مسلم مورخین ومحققین کی آراء ہی یقیناً آزاد اور بے لاگ ہوسکتی ہیں ان غیر مسلم مؤرخین کے بعض اقوال نقل کرنا بے جا نہ ہوں گے:۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے لائق مقالہ نگار قمطراز ہیں:۔ "یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بیہودہ شہزادہ تھا اور نہ لا ابالی اور بے پرواہ حکمران، جیسا ان مورخین نے بیان کیا ہے جو یا تو شیعوں کے بغض وعناد سے تاثر پذیر ہیں.......... وہ خود شاعر تھا موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعراء کا قدر دان اور ادب وآرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔

(خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۳۷۵)

اور علامہ ابن خلدون حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔ "آپ انتہائی عادل اور صاحب فضل تھے بلکہ یزید کو اپنی زندگی میں گانا سُننے پر برا بھلا کہتے رہتے تھے اور اس سے روکتے رہتے تھے حالانکہ گانا سُننا دوسرے گناہوں کے مقابلہ میں کم درجے کا ہے۔ پھر گانا سُننے کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال ہیں" (مقدمہ ابن خلدون حصہ دوم ص ۲۹)

خوش آوازی سے شعر پڑھنا تو جائز ہے لیکن جس کو موسیقی کہتے ہیں وہ ناجائز ہے۔ ناظرین اسی بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یزید کو گانا سُننے کا اتنا شوق تھا کہ خود حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ اس کو اس سے منع فرماتے رہتے تھے لیکن اسی راگ وموسیقی کے شوق نے اس کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ منصبِ حکومت (خلافت) پر متمکن ہونے کے بعد بھی اس نے اپنے حرم میں سلامہ مغنیہ کو شرف بخشا۔ جس کا اعتراف خود عباسی صاحب، یزید صاحب کی منصف مزاجی کی آڑ میں کر رہے ہیں ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا ذوق کرشمہ ساز کرے

حرم یزید میں مغنّیہ

عباسی صاحب خود اِس امر کا اعتراف کر چکے ہیں کہ:۔ سلامہ مُغنّیہ (گانے بجانے والی) کو یزید نے اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا جو احوص شاعر کے دامِ عشق میں گرفتار تھی۔ آخر کار خلیفہ یزید صاحب نے دونوں کو ایک کمرے میں اکٹھا رکھنے کا بندوبست کیا اور ساری رات بقول عباسی صاحب صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیض یافتہ خلیفہ یزید چھپ کر ان دونوں کے معاشقہ کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہ قصہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے (ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۱۸۸) یزید زبردست شکاری بھی ہو چیتے کو سدھانے کی مہارت رکھتا ہو۔ شاعر ہو، موسیقی کا ذوق رکھتا ہو اور ساری رات احوص وسلامہ کا معاشقہ دیکھنے میں گذار سکتا ہو۔ عباسی صاحب نے خود یزید کے کردار کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس کو دیکھ کر تو یہی رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ یزید کا کردار تو آج کل کے قلندروں جیسا تھا جو ریچھ اور بندروں کو سدھا کر تماشا دکھاتے رہتے ہیں۔ اگر گانا سُننا، گانے بجانے والیوں کو اپنے حرم میں رکھنا ساری رات احوص اور سلامہ کا معاشقہ دیکھنا، شکار کھیلنا اور چیتے کو سدھانا یہ سب نیکی اور تقویٰ کے مظاہر ہیں تو مولانا سندیلوی صاحب کو مبارک ہو کہ ان کو ایسے خلیفہ کے دفاع کی توفیق ملی ہے۔

مشہور ہے کہ النّاس علی دین ملو کھم (لوگ عموماً بادشاہوں کے دین (طور طریق) پر ہوتے ہیں) فرمایئے جب خلیفہ یزید صاحب شکار کو نکلتے ہوں گے۔ تو ان کے

ہمراہ کتنے امراء وزراء ہوں گے۔ کتنے شکاری کتے، سدھائے ہوئے چیتے اور کتنے گھوڑے ان کے جلو میں ہوں گے اور جب خلیفہ صاحب کو موسیقی کا ذوق بھی تھا تو کتنے موسیقار اس شکاری جلوس کی رونق بڑھاتے ہوں گے۔ کتنے گھروں میں کتے اور چیتے پالے جاتے ہوں گے۔ اور کتنے گھروں میں گانے بجانے والیاں داد عیش دیتی ہوں گی۔ کیا شان ہوگی ایسے نامور خلیفہ یزید صاحب کی۔ جو عباسی صاحب کے نزدیک صحابہ کرام کے فیض یافتہ اور مولانا سندیلوی صاحب کے نزدیک عادل وصالح ہیں۔

کیا یزیدی گروہ کے نزدیک دور خلافت راشدہ اور دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی بہاریں ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تو اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس قسم کے کردار والے خلیفہ کی خلافت تسلیم نہ کریں اور اس کو معزول کرنے کی کوشش کریں تو فاضل سندیلوی ہی فرمائیں کہ وہ کس بنا پر شرعاً قصوروار یا باغی قرار دیئے جا سکتے ہیں؟ جس پر عباسی پارٹی زور دے رہی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی احادیث

(۱) عن ابی سعید الخدریؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رای منکم منکر افلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلك اضعف الایمان. رواہ مسلم. (مشکوٰۃ شریف باب الامر بالمعروف)

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص منکر (یعنی خلاف شرع) کام دیکھے تو چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روکے پھر اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے پھر اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو دل سے برا سمجھے اور یہ بہت کمزور ایمان ہے"۔

علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وشرطهما ان لا یؤدی الی الفتنة کما علم من الحدیث وان یظن قبوله فان ظن ان لا یقبل فیستحسن اظهارًا لشعار

الاسلام .

"ان دونوں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرط یہ ہے کہ یہ فتنہ کا باعث نہ بنے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے (یعنی ہاتھ سے روکنے میں فتنہ کا خطرہ ہے تو زبان سے روکے وغیرہ) اور یہ گمان ہو کہ مخاطب اس کی بات کو قبول کرلے گا اور اگر یہ گمان ہو کہ وہ قبول نہیں کرے گا تو پھر روکنا (واجب نہیں) مستحسن ہے شعار اسلام کے اظہار کے لئے" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد۹ص ۳۲۹)

نیز فرماتے ہیں:۔

وهو فرض كفاية ومن تمكن منه وتركه بلا عذر اثم

(ایضاً ص ۳۲۹).

"اور یہ فرض کفایہ ہے اور جو شخص اس کی (یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کی طاقت رکھتا ہے اور بلا عذر (شرعی) کے اس کو چھوڑتا ہے تو وہ گناہگار ہے"۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

ثم ان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر فرض كفاية اذا قام به بعض الناس سقط الحرج عن الباقين واذا تركه الجميع اثم كل من تمكن منه بلا عذر ولا خوف.

(نووی جلد اول ص ۵۱)

"پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے جب بعض لوگ اس کو قائم کرلیں تو باقی لوگوں کے لئے کوئی حرج نہیں ہے اور جب سب چھوڑ دیں اور کوئی عذر اور خوف نہ ہو تو سب گنہگار ہوتے ہیں"۔

(۲)عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم انه تصيب امّتى فى اٰخر الزمان من سلطانهم شدائد لا ينجو منه الا رجل عرف دين اللّٰه فجاهد عليه بلسانه ويده

وقلبه فذلك الذی سبقت له السوابق الحدیث۔

(مشکوٰۃ شریف ایضاً باب الامر بالمعروف)

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک آخر زمانہ میں میری امت کو ان کے بادشاہ کی طرف سے تکالیف پہنچیں گی۔ اس سے وہی آدمی نجات پائے گا جو اللہ کے دین کو اچھی طرح پہچانتا ہے پھر اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اور اپنے دل سے اس کے خلاف (دین کی سربلندی) کے لئے جہاد کرتا ہے۔ پس یہ وہ شخص ہے جس نے سوابق و فضائل حاصل کر لئے"۔

علامہ علی قاری حنفی لکھتے ہیں:۔ (بلسانه) ای بطریق النصیحة والبیان یعنی زبان سے بطور نصیحت کے روکتا ہے۔ (ویدہ) ای ان کان له قدرة و قوة اور اپنے ہاتھ سے یعنی جب اس کو اس پر قدرت اور قوت حاصل ہو۔ (وقلبه) ای بانکارہ عند العجز عملاً "اور اپنے دل سے برا سمجھے یعنی جب وہ عملاً روکنے سے عاجز ہو"۔ (ایضاً مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۴۳)

علامہ علی قاری حنفی حدیث کے الفاظ من سلطانهم کے تحت فرماتے ہیں:۔ یحتمل الجنس والشخص کیزید وحجاج وامثالها:۔ سلطان (بادشاہ) سے مراد یا جنس ہے یا شخص ہے مثلاً یزید اور حجاج وغیرہ۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدیث کے الفاظ:۔ فی آخر الزمان سے مراد قرب قیامت کا آخری زمانہ نہیں ہے۔ بلکہ دور صحابہ کا آخر زمانہ ہے۔ جیسا کہ خوارج کے متعلق بھی آتا ہے۔ سیخرج قوم فی آخر الزمان (بخاری) آخر زمانہ میں ایک قوم آئے گی۔ حافظ بدر الدین عینی حنفی محدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

واجاب ابن التین بان المراد زمان الصحابة۔

عمدۃ القاری اور ابن التین محدث نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے مراد صحابہ کا زمانہ ہے۔

اجتہادی اختلاف

اگر حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ صحابہ کے پیش نظر دور فتنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی احادیث تھیں تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر مندرجہ بالا احادیث تھیں۔ جس کی وجہ سے فریقین میں سے کسی کو طعن و ملامت کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق حافظ ابن حجر محدث عسقلانی فرماتے ہیں:۔

وفی هذا الحدیث وجوب طاعة الامام الذی انعقدت له البیعة والمنع من الخروج علیه ولو جار فی حکمه وانه لا ینخلع بالفسق (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۶۱)

”اس حدیث سے اس امام کی اطاعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے جس کی بیعت منعقد ہو گئی ہو اور یہ کہ اس کے خلاف خروج کرنا منع ہے اگرچہ وہ اپنے حکم میں ظالم ہو اور یہ کہ فسق کی وجہ سے وہ معزول نہیں ہوتا“۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر مشاجرات صحابہ (جنگ جمل و صفین) کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

وکان رأی ابن عمرؓ ترك القتال فی الفتنة ولو ظهران احدی الطائفتین محقة والاخری مبطلة (ایضا ج ۱۳ ص ۴۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ایام فتنہ میں جنگ نہ کی جائے۔ اگرچہ یہ ظاہر ہو جائے کہ فریقین میں سے ایک فریق حق پر ہے اور دوسرا باطل پر“۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو برزہ صحابی کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وهذا یدل علی ان ابابرزة کان یری الانعزال فی الفتنة وترك الدخول فی کل شیء من قتال المسلمین ولا سیما اذا کان ذلك فی طلب الملك (ایضاً فتح الباری ص ۶۳)

”یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابو برزہ فتنہ سے بے تعلق رہنے کو پسند

کرتے تھے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ یہ مسلمانوں کی باہمی جنگ میں بالکل دخل نہ دیا جائے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ یہ جنگ ملک وحکومت حاصل کرنے کے لئے ہو"۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن حضرات صحابہ نے یزید کی مخالفت نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اس کو صالح مانتے تھے بلکہ ان کا موقف ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کی باہمی جنگ وقتال میں بالکل حصہ نہ لیا جائے۔ ان کی اپنی یہی اجتہادی رائے تھی۔

قتال فتنہ میں علماء کا اختلاف

صحیح مسلم کی منقولہ احادیث فتنہ کے تحت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وهذا الحديث والاحاديث قبله وبعده مما يحتج به لا يرى القتال في الفتنة لكل حال وقد اختلف العلماء في قتال الفتنة فقالت طائفة لا يقاتل في فتن المسلمين وان دخلوا عليه بيته وطلبوا قتله فلا يجوز له المدافعة عن نفسه لان الطالب متأوّل وهذا مذهب ابى بكرة الصحابى رضى الله عنه وغيره. وقال ابن عمرو و عمران بن الحصين رضى اللّٰه عنهم وغيرهما لا يلخل فيها لكن ان قصد دفع عن نفسه فهذا ان المذهبان متفقان على ترك الدخول في جميع فتن الاسلام وقال معظم الصحابة والتابعين وعامة علماء الاسلام يجب نصر الحق في الفتن والقيام معه بمقاتلة الباغين كما قال تعالىٰ فقاتلوا التى تبغى وهذا هو الصحيح و تتأول الاحاديث على من لم يظهر له المحق او على طائفتين ظالمتين لا تاويل لواحدة منهما ولو كان كما قال الاولون لَظهر الفساد واستطال اهل البغى والمبطلون واللّٰه اعلم (نووى جلد ثانى كتاب الفتن ص ۳۸۹)

"جو حضرات ایامِ فتنہ میں کسی حال میں بھی لڑائی کو جائز نہیں قرار دیتے وہ اس حدیث اور ماقبل اور مابعد کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور فتنہ کے دور میں قتال کرنے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ مسلمانوں کے باہمی فتنہ کے دور میں لڑائی بالکل نہ کی جائے اگرچہ وہ اس کے گھر میں داخل ہو کر اس کو قتل کرنا چاہیں اس کے لئے اپنی طرف سے مدافعت جائز نہیں ہے کیونکہ جو طالب قتل ہے اس کے پاس تاویل ہے اور یہ مذہب ہے حضرت ابو بکرہ صحابی وغیرہ کا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمران بن الحصین وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس قتال میں حصہ نہ لے۔ لیکن اگر اس کے قتل کا ارادہ کریں تو وہ اپنی طرف سے دفاع کرے۔ یہ دونوں مذہب (مسلک) اس بات پر متفق ہیں کہ اہل اسلام کے باہمی فتنہ میں بالکل دخل نہ دیا جائے۔ اور دیگر بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور عام علمائے اسلام کے نزدیک فتنہ میں اہل حق کا ساتھ دینا اور اس کی مدد کرنا باغیوں کے مقابلہ میں لڑائی کے دوران واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ باغیوں سے قتال کرو اور یہی مسلک صحیح ہے اور مندرجہ احادیث کے متعلق یہ تاویل کی جائے گی کہ قتال میں حصہ نہ لینا اس شخص کے لئے ہے؟ جس پر یہ ظاہر نہ ہو کہ فریقین میں سے حق وصواب پر کون ہے یا یہ حکم ان دو گروہوں کے متعلق ہے جو دونوں ظالم ہیں اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی تاویل نہیں ہے اور اگر ان حضرات کا پہلا مسلک اختیار کیا جائے تو فساد و بگاڑ رونما ہوگا اور باغی اور اہل باطل کا فتنہ بڑھ جائے گا"۔

بہر حال یزید کے بارے میں صحابہ کرام کا اختلاف ان کے اپنے اپنے اجتہاد پر مبنی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے اگر بیعت نہیں کی تو ان کی عظیم دینی شخصیتوں کے پیش نظر کوئی سُنّی مسلمان ان پر تنقید و جرح نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کو شرعی باغی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی ان کے مخالفانہ اقدام کو شرعاً بے بنیاد کہا جا سکتا ہے جیسا کہ عباسی صاحب اپنی ریسرچ کے زور سے منوانا چاہتے ہیں بلکہ سابقہ احادیث کی بنا

پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے عزیمت پر عمل کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے رخصت پر۔

علامہ ابن خلدون کی تحقیق

محمود احمد صاحب عباسی ابن خلدون کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مؤرخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انہوں نے خلط ملط کر ڈالا۔ (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۴۷)

بے شک علامہ ابن خلدون نے یزید کی ولی عہدی کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسروں کو چھوڑ کر یزید کو مصلحت کے ماتحت ولی عہد چنا تھا کیونکہ بنوامیہ کے ارباب حل وعقد کا یزید کی ولی عہدی پر اتفاق تھا کیونکہ اس وقت بنوامیہ اپنے سوا کسی اور کے لئے خلافت نہیں چاہتے تھے۔ بنوامیہ قریش تھے انہیں تمام مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی اور یہی ارباب اقتدار تھے۔ اس لئے انہیں میں سے ولی عہد چنا گیا اور جو بظاہر خلافت کے اہل تھے انہیں نظر انداز کر دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے اتفاق اتحاد میں جو شارع کے نزدیک انتہائی اہم ہے خلل نہ آئے۔ اور ملک میں انتشار نہ پھیلے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی حسن ظن رکھنا چاہیے۔ کیونکہ آپ کی عدالت اور صحبت رسالت کا یہی تقاضا ہے اور پھر بڑے بڑے صحابہ کا اجتماع اور ان کی خاموشی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بدگمانی سے بری ہیں کیونکہ صحابہ کی یہ شان نہ تھی کہ وہ حق سے چشم پوشی کریں۔ (مقدمہ ابن خلدون مترجم حصہ دوم ص ۲۷) اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی اس سلسلے میں نقل کیا جا چکا ہے کہ خلافت کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے نظریات میں اختلاف تھا۔ علاوہ

ازیں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ پانچ جلیل القدر صحابہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر نے یزید کی ولی عہدی سے اختلاف کیا تھا۔ البتہ یہاں فسق یزید کے بارے میں علامہ ابن خلدون کی رائے پیش کرنا مقصود ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔ جب یزید فسق و فجور میں مبتلا ہوا تو صحابہ کرام نے اس کے بارے میں مختلف رائیں قائم کیں۔ کسی نے اس کی بیعت کو توڑ کر اس سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن بعض یہ سوچ کر جنگ کے ارادہ سے باز رہے کہ اس سے ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور ناحق لوگوں کا کثرت سے خون ہو گا۔ علاوہ ازیں یزید کا مقابلہ بھی آسان نہ تھا کہ اسے نبھایا جا سکے کیونکہ اس وقت یزید برسر اقتدار تھا اور اس کی حمایت میں بنو امیہ ننگی تلواریں لئے کھڑے تھے، علاوہ ازیں قریش کے حل و عقد بھی اسی کی حمایت کے لئے تیار تھے اور مضر کا سارا قبیلہ جو سب سے زیادہ طاقت ور تھا یزید ہی کے ساتھ تھا جس کے مقابلہ کی ان میں تاب ہی نہ تھی چنانچہ یہ لوگ بیعت توڑنے اور بغاوت کرنے سے رُکے رہے اور اللہ سے اس کی ہدایت کی دعائیں مانگتے رہے یا پھر اس سے نجات کی۔

مسلمانوں کی جمہوریت اسی خیال کی تھی۔ دونوں جماعتیں مجتہد تھیں اور دونوں میں سے کسی کو بھی برا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی اور تلاش حق کے لئے کوشاں تھے۔ ان مقاصد میں ان کے مساعی لوگوں میں مشہور و معروف ہیں۔ حق تعالیٰ ہمیں بھی ان کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(مقدمہ ابن خلدون حصہ دوم ص ۳۰ ایضاً عربی متن جلد اوّل ص ۲۱۲)

(۲) واما الحسین فانہ لما ظہر فسق یزید عند الکافۃ من اہل عصرہ بعثت شیعۃ اہل البیت بالکوفۃ للحسین ان یأتیہم فیقوموا بامرہ فرأی الحسین ان الخروج علی یزید متعین من اجل فسقہ لا سیما من لہ القدرۃ علی ذلک وظنہا من نفسہ باہلیتہ وشوکتہ فاما الاہلیۃ فکانت کما ظن وزیادۃ

واما الشوكة فغلط يرحمه الله فيها لان عصبية مضر كانت في قريش وعصبية عبد مناف انما كانت في بني امية.

(ابن خلدون عربی جلد اوّل ص۲۱۶)

"مگر حسین رضی اللہ عنہ (کا معاملہ یہ ہے کہ) جب اس دور کے تمام لوگوں کے نزدیک یزید کا فسق ظاہر ہو گیا تو کوفہ سے اہل بیت کے حامی لوگوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہاں تشریف لے جائیں تو وہ ان کے مقصد کو قائم کر لیں گے۔ (اس وجہ سے) حضرت حسین کی یہ رائے ہوئی کہ یزید کے فسق کی وجہ سے اس کے مقابلہ میں نکلنا تو متعیّن ہو گیا ہے اور خصوصاً جب کہ آپ کو اس پر طاقت بھی حاصل ہے اور آپ نے اپنے متعلق یہ گمان کیا کہ وہ اس کی اہلیت بھی رکھتے ہیں اور آپ کے پاس اس کے لئے قوت وشوکت بھی ہے مگر اہلیت تو اس سے بھی زیادہ تھی جس کا آپ کو گمان تھا۔ لیکن طاقت وشوکت کا اندازہ لگانے میں آپ سے غلطی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں کیونکہ مضر کی عصبیت قریش میں تھی اور عبد مناف کی عصبیت بنی امیہ میں تھی (اسی لئے یزید کی طاقت کا مقابلہ اس وقت نہیں ہو سکتا تھا)"۔

(۳) اسی سلسلے میں ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

فقد تبيّن لك غلط الحسينؓ الا انه في امر دنيوى لا يضرّه الغلط فيه واما الحكم الشرعي فلم يغلط فيه لانه منوط بظنه وكان ظنّه القدرة على ذلك ولقد عذله ابن العباس وابن الزبير وابن عمر وابن الحنفية اخوه وغيره في مسيره الى الكوفة وعلموا غلطه في ذلك ولم يرجع عما هو بسبيله لما اراد الله . وان غير الحسين من الصحابة الهين كانوا بالحجاز ومع يزيد بالشام والعراق ومن التابعين لهم فرأوا ان الخروج على يزيد وان كان فاسقاً لا يجوز لما ينشأ عنه من الهرج والدمآء فاقصروا عن ذٰلك ولم يتابعوا

الحسین وَلَا اَنکروا علیہ ولا اثموہ لانہ مجتھد واسوۃ المجتھدین ولا یذھب بک الغلط ان تقول بتاثیم ھؤلاء بمخالفۃ الحسین وقعودھم عن نصرہ فانھم اکثر الصحابۃ وکانوا مع یزید ولم یَرَوْا الخروج علیہ وکان الحسین یستشھد بھم وھو بکر بلآء علی فضلہ وحقہ ویقول سَلُوا جابر بن عبداللہ وابا سعید الخدری وانس بن مالک وسھل بن سعید و زید بن ارقم وامثالھم ولم ینکر علیھم قعودھم عن نصرہ ولا تعرَّضَ لِذلک بعلمِہٖ انہ عن اجتھاد وان کان ھو علی اجتھاد (ایضاً مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۷).

تجھ پر حضرت حسین کی غلطی ظاہر ہوگئی ہے مگر یہ غلطی دنیوی امر میں تھی جو آپ کے لئے مُضر نہیں ہے لیکن حکم شرعی میں آپ نے کوئی غلطی نہیں کی کیونکہ وہ آپ کے اپنے گمان پر موقوف ہے اور آپ کا اپنا گمان یہ تھا کہ آپ کو یزید کے مقابلہ پر قدرت حاصل ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور آپ کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ وغیرہ نے کوفہ جانے میں آپ کا ساتھ نہ دیا اور اس میں انہوں نے آپ کو غلطی پر سمجھا (اس وجہ سے کہ ان کو کوفیوں کی وفاداری اور طاقت پر اعتماد نہ تھا اور اس میں حضرت حسین نے اندازہ غلط لگایا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے صحابہ یزید کو عادل اور صالح خلیفہ سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا) اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی یہی مشیت تھی اور دیگر صحابہ کرام جو حجاز میں اور شام وعراق میں یزید کے پاس تھے اور ان کے ماننے والے اس پر متفق تھے کہ یزید سے، اگرچہ وہ فاسق ہے جنگ ناجائز ہے کیونکہ جنگ باعث فتنہ وخون ریزی ثابت ہوگی۔ چنانچہ وہ جنگ سے باز رہے انہوں نے اس سلسلہ میں نہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی موافقت کا اظہار کیا اور نہ مخالفت کا اور نہ انہیں خطا کار وگنہگار گردانا۔ کیونکہ امام

حسین رضی اللہ عنہ نہ صرف مجتہد بلکہ مجتہدوں کے امام نمونہ تھے۔ یہ خیال کر کے گمراہ نہ ہو جانا کہ چونکہ ان صحابہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا اور ان کی مدد نہیں کی اس لئے یہ گناہگار ہیں۔ کیونکہ صحابہ کی کثرت یزید ہی کے ساتھ تھی اور وہ یزید کی بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ خود امام حسین رضی اللہ عنہ اپنی فضیلت اور استحقاق خلافت پر کربلا میں انہیں صحابہ کرام کو بطور شہادت پیش کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے فضل و استحقاق کے بارے میں جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، انس بن مالک، سہل بن سعید، زید بن ارقم وغیرہ سے پوچھ لو۔ آپ نے اپنا ساتھ نہ دینے پر ان پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی نہ آپ نے ان سے مدد کی درخواست کی کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ ان کا اجتہاد میرا ساتھ دینے پر مجبور کر رہا ہے اور میرے اجتہاد کا تقاضا جنگ ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل پیرا ہے۔

(مقدمہ ابن خلدون مترجم حصہ دوم ص ۳۵، ۳۶)

علامہ ابن خلدون صرف مؤرخ نہیں بلکہ ایک فاضل محقق بھی ہیں س پر ان کا فاضلانہ مقدمہ ابن خلدون گواہ ہے۔ اور خود عباسی صاحب بھی ان الفاظ میں ان کو خراج تحسین پیش کر چکے ہیں کہ:

ایک منفرد مثال ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی۔

(خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۴۷)

علامہ ابن خلدون اپنے اسی شہرۂ آفاق مقدمہ میں یزید کی ولی عہدی کو جائز قرار دینے کے باوجود بھی یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں بلکہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ یزید کے فاسق ہونے پر صحابہ کرام کا اتفاق تھا۔ اختلاف صرف اس بارے میں تھا کہ طاقت سے اس کا مقابلہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ طاقت سے اس کو معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور ان کا پروگرام یہ تھا کہ کوفہ کو مرکز بنا کر ایک متحدہ طاقت سے کام لے کر اس

کے اقتدار کو ختم کر دیا جائے لیکن اس میں انہوں نے کوفیوں پر اعتماد کرنے میں غلطی کی۔ اور گو دوسرے صحابہ کرام بھی یزید کو صالح و عادل نہیں مانتے تھے لیکن ان کا اندازہ یہ تھا کہ طاقت سے یزید کو اقتدار سے ہٹانا آسان نہیں اس سے قتال کرنے میں جو باہم خونریزی ہوگی وہ مصیبت مسلمانوں کے لئے زیادہ ہے، بہ نسبت اس کے کہ دور فتنہ کے احکام کے تحت اس کی حکومت کو برداشت کر لیا جائے۔ یہ صحابہ کرام کا اجتہادی اختلاف تھا۔ علامہ ابن خلدون کا تبصرہ بہت معتدل اور فاضلانہ ہے اس میں صحابہ کرام کے کسی فریق کی تنقیص و توہین لازم نہیں آتی۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

اور ہمارے اکابر حضرات کی یہی تحقیق ہے اور انہوں نے ہر پہلو پر نظر کر کے یہ مسلکِ حق اختیار کیا ہے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند متوفی ۱۲۹۷ھ شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تفصیلی بحث میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

> ''ہاں پس از انتقال اوشان یزید پائے خود از شکم برآورد و دل بکام و دست بجام سپرد۔ اعلان فسق نمود و ترک صلوٰۃ داد۔ بحکم بعض مقدماتِ سابقہ قابل عزل گردید و این قسم تحول احوال گفتہ ام کہ ممکن است محال نیست مگر دریں وقت رائے اہل رائے و تدبیر مختلف افتاد۔ کسی را کہ اندیشۂ فتنہ و فساد غالب افتاد ناچار دست بہ بیعتش بکشاد و احترازاً عن المعصیۃ شرط اتباع معروف درمیان نہاد و آں را کہ بوعدہ یک جماعت کثیرہ مثلاً امید غلبہ و رجا شوکت بنظر آمد حسبۃً للہ برخاست و تہیہ کارزار ساخت۔ پس ہرچہ حضرت عبداللہ بن عمر و امثال اوشاں کردند بجا کردند و آنچہ حضرت سید الشہداء نمودند عین حق و صواب نمودند۔ بنائے ایں اختلاف بر اختلاف امید است نہ بر اختلاف در جواز اصل فعل و عدم جواز آں۔ مگر انجام کار بوجہ نقض عہد کوفیاں تدبیر حضرت سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ برنشانہ نہ نشست و روزِ عاشوراء قیامت قبل از قیامت درمیان کربلا برخاست۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ترجمہ) ''ہاں ان (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے انتقال کے بعد یزید نے پر پرزے نکالنے شروع کیے اور دل کو خواہش نفس اور ہاتھ کو جام شراب پر لے گیا۔ فسق کھلم کھلا کرنے لگا اور نماز چھوڑ دی۔ بعض سابق تمہیدوں کی بنا پر معزول کر دینے کے قابل ہو گیا اور یزید کے اس قسم کے حالات کی تبدیلی کا بیان کرتا آیا ہوں کیونکہ ممکن ہے محال نہیں۔ مگر اس وقت رائے اور اہل تدبیر کی رائے مختلف ہو گئی۔ جس کسی کو فتنہ وفساد کا اندیشہ غالب آیا اس نے مجبوراً بیعت کے لئے ہاتھ اور معصیت سے بچنے کے لئے نیکی کی پیروی کرنے کی شرط کو درمیان میں رکھا۔ لیکن جس شخص یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بڑی جماعت کے وعدے پر غلبہ اور شوکت کی امید نظر آئی وہ اللہ کے لئے کھڑا ہو گیا اور جنگ کا عزم کر لیا۔ پس جو کچھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان جیسوں نے کیا وہ بجا کیا اور جو کچھ حضرت سیّد الشہداء (امام حسین رضی اللہ عنہ) نے کیا وہ بالکل حق وصواب کیا۔ اس اختلاف کی بنیاد امید غلبہ وعدم غلبہ کی بنیاد پر ہے نہ کہ اصل فعل کے جائز اور ناجائز ہونے کے اختلاف پر۔ مگر انجام کار کوفیوں کی وعدہ خلافی کی وجہ سے حضرت سیّد الشہداء (امام حسین رضی اللہ عنہ) کی تدبیر فیل ہو گئی اور ۱۰ محرم کو قیامت سے پہلے میدان کربلا میں قیامت برپا ہو گئی انا للہ وانا الیہ راجعون'' (قاسم العلوم ص ۱۷۵ ترجمہ از مولانا محمد انوار الحسن صاحب شیرکوٹی فاضل دیوبند، مولوی فاضل پروفیسر اسلامیہ کالج لائل پور)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مضمون کے اقتباسات اپنے مکتوب میں درج کر دیئے ہیں ملاحظہ ہو مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل مکتوب نمبر ۸۹)

سیّد الشہداء کا استعمال

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ سیّد الشہداء لکھا ہے اس پر یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ حدیث میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

کو سیّد الشہداء قرار دیا ہے۔ اس لئے ان کے سوا دوسرے شہیدوں پر اس کا استعمال کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ نے اس اشکال کا جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیّد الشہداء سے مراد لقب نہیں ہے بلکہ صفت ہے۔ اس لئے حضرت حمزہ کے سوا دوسروں کے لئے بھی جائز ہے اور اس سے مراد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے سیّد شہدائے کربلا ہونا ہے۔ اس پر حضرت تھانوی فرماتے ہیں:۔

حضرت امام کے ان کے سیّد اور رئیس ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

الحسن والحسين سيّد اشباب اهل الجنة

اور ظاہر ہے کہ شباب میں شہداء بھی ہیں تو ان کے بھی سردار ہوئے تو سیّد الشہداء ہونا بے تکلف نص سے ثابت ہو گیا۔ اسی اشکال کا جواب جو علمائے سہارنپور نے دیا ہے اس میں یہ حدیث پیش کی گئی ہے:۔

عن علیؓ ان افضل الشهدآء حمزة بن عبدالمطلب وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم سيّد الشهداء جعفر بن ابى طالب مع الملائكة (كنز العمال ج۷ ص ۲۱)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ افضل الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہیں'' اور رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ سیّد الشہداء جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہیں۔

اور دیوبند سے علمائے سہارنپور کے جواب کی تائید حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند نے فرمائی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

(امداد الفتاویٰ جلد چہارم ص ۶۰۰)

سیّد الشہداء کا صحیح مفہوم

امام ابوبکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ (جو متقدمین محققین میں سے ہیں اور طبقہ مجتہدین فی المسائل میں شمار ہوتے ہیں) لکھتے ہیں:۔

عن ابن عباسؓ قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سیّد الشھداء حمزہ بن عبدالمطلب ورجل قام الی امام جائر فامرہ ونہاہ فقتلہ (احکام القرآن جلد دوم ص ۳۴ ناشر سھیل اکیڈمی لاھور)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب سیّد الشہداء ہیں اور وہ شخص (بھی) جو کسی ظالم امام (یعنی سربراہ مملکت) کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے اور اسے امر و نہی کرے پھر وہ امام جائر اس کو قتل کردے"۔

اس حدیث شریف کی بنا پر تو سیّد الشہداء کے مفہوم میں وسعت ثابت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے حضرت امام حسین بھی سیّد الشہداء ہیں کیونکہ آپ یزیدیوں کے ہاتھوں مظلوم شہید ہوئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس مسئلہ کی بحث بندہ نے کتاب "کشفِ خارجیت" میں مزید وضاحت سے کردی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) قاسم العلوم میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا زیر بحث مکتوب چھپا ہوا ہے اس میں سیّد الشہداء علیہ السلام لکھا ہے۔ لیکن حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو مکتوب نقل کیا گیا ہے اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاسم العلوم میں غالباً کاتب نے علیہ السلام لکھ دیا ہے۔ جس کی اصلاح حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کردی ہے۔ واللہ اعلم۔ گو غیر انبیاء کے لئے علیہ السلام کے استعمال میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر راجح یہی ہے کہ غیر انبیاء کے لئے علیہ السلام نہ استعمال کیا جائے۔ گو لغوی معنی کے اعتبار سے کوئی حرج نہیں۔ بہرحال حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ارشادات سے یزید کے متعلق صحابہ کرام کے اجتہادی اختلاف کی

نوعیت واضح ہو جاتی ہے۔ مزید تفصیل کی ضرورت نہیں البتہ اس سلسلہ میں مزید افادیت کے لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی درج ذیل ہے:۔

فسق یزید اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا گیا تھا کہ "امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت محض تقلید اللشیعۃ حضرات اہل السنت والجماعت مانتے ہیں یا اس پر کوئی دلیل شرعی بھی ہے۔ میرے خیال ناقص میں تو اس پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور محض شیعوں کی تقلید سے یہ بات مانی جاتی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔"

یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔ دوسرے صحابہ نے جائز سمجھا اور گو اکراہ میں انقیاد جائز تھا مگر واجب نہ تھا اور متمسک بالحق ہونے کے سبب یہ مظلوم تھے اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ پس ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانیں گے۔ باقی یزید کو اس قتال میں اس لئے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا۔ خصوصاً جبکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی بنا یہی تھی اور مسلط کی اطاعت کا جواز الگ بات ہے مگر مسلط ہونا کب جائز ہے؟ خصوصاً نااہل کو۔ اس پر خود واجب تھا کہ معزول ہو جاتا۔ پھر اہل حل وعقد کسی اہل کو خلیفہ بناتے۔

(۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ تتمہ خامسہ ص ۵۱، امداد الفتاویٰ جلد چہارم ص ۴۶۵)

(۲) یزید کے بارے میں یہ سوال پیش کیا گیا تھا کہ:۔ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ گو فاسق وظالم ہو اس سے بغاوت وخروج عن الاطاعت روا نہیں ہے۔ یزید اگرچہ فاسق ہو لیکن امور شرعیہ میں زیر اطاعت اس کے رہنا چاہیے تھا یا نہیں۔ پھر اتنے بڑے امام کیونکر خلاف شرع بغاوت کر سکتے ہیں۔ ورنہ بغاوت کا دھبہ لگے گا۔

اس کے جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے کہ فاسق امام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح یہ کہ فسق طاری سے منعزل ہو جاتا ہے یا نہیں ونیز یہ کہ مدار امامت کا اتفاق ہے

اہل حل وعقد کا، اور اہل حل وعقد ہونا امر اجتہادی ہے پس ان سب امور میں حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ کے اجتہاد میں اس کی امامت صحیح نہ تھی۔ لہٰذا خروج کا شبہ ان پر نہیں ہوسکتا۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (امداد ثالث ص ۱۴۵) امداد الفتاویٰ جلد چہارم ص ۱۶۶)

(۳) امام کی اطاعت اور مخالفت کے مسئلہ میں مختلف احادیث میں تطبیق دینے کے لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں مفصل بحث فرمائی ہے اور اس مضمون کا نام رکھا ہے:۔ ''رسالہ جزل الکلام فی عزل الامام'' وہاں دیکھ لیا جائے۔

کفر بواح کا مطلب

حدیث میں ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے حسب ذیل امور پر بیعت کی تھی۔

بایعنا علی السمع والطاعۃ فی منشطنا ومکرھنا وعسرنا ویسرنا واثرۃ علینا وان لا ننازع الامر اھلہ الاّ ان تَرَوْا کفرًا بَوَّاحًا عندکم من اللّٰہ فیہ برھانٌ (بخاری و مسلم کتاب الفتن)

''ہم نے بیعت کی اس بات پر کہ ہم نے امیر کا حکم ماننا ہے اور اس کی اطاعت کرنی ہے خواہ اس میں ہماری خوشی ہو یا ناخوشی۔ اس میں ہمیں تنگی ہو یا آسانی اور اس میں ہم پر دباؤ ڈالا جائے اور یہ کہ ہم اہل حکومت سے جھگڑا نہ کریں مگر اس وقت کہ تم کھلا کفر دیکھو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس حجت ودلیل ہو''۔

اس حدیث کے تحت حامیان یزید حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کھلا کفر ظاہر ہونے پر اہل حکومت کی مخالفت کو جائز فرمایا ہے۔ حالانکہ یزید سے کھلا کفر ظاہر نہیں ہوا۔ پھر کیوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی مخالفت کی۔

الجواب

(۱) کفر بواح سے مراد یہاں کفر حقیقی نہیں بلکہ معصیت اور گناہ ہے۔ چنانچہ شارح

صحیح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

المراد بالکفر ھھنا المعاصی ومعنی عندکم من اللّٰہ فیہ برھان ای تعلمونہ من دین اللہ تعالیٰ .

(نووی جلد ثانی کتاب الفتن ص ۱۲۴)

اس جگہ کفر سے مراد معاصی (گناہ) ہیں اور معنی عندکم من اللّٰہ فیہ برھان کا یہ ہے کہ اللہ کے دین (کے اصول وقواعد) سے تمہیں اس کا اہل معصیت (گنہگار ہونا) معلوم ہو جائے۔

اور معصیت اور گناہ پر لفظ کفر کا اطلاق دوسری احادیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سلسلہ میں فرمایا ہے اور اس زمانہ میں ترک صلوٰۃ کی علامت کفر ہونے کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے:۔

وعن بُریدۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم العھد الذی بیننا وبینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر . رواہ احمد والترمذی والنسائی و ابن ماجہ و عن عبداللّٰہ بن شقیق قال کان اصحاب رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یرون من الاعمال ترکہ کفراً غیر الصلوٰۃ رواہ الترمذی

(مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ) (امداد الفتاویٰ جلد پنجم ص ۱۱۴)

"یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے اور کفر کے درمیان فرق نماز کا ہے اور نماز کے چھوڑ دینے سے بندہ کفر کے ساتھ مل جاتا ہے" (مسلم شریف) اور حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور ان منافقین کے درمیان معاہدہ نماز کا ہے۔ جس نے نماز چھوڑ دی تو بیشک وہ کافر ہو گیا (بحوالہ مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور حضرت عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سوائے نماز کے کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ (یعنی نماز کا ترک کرنا ان کے نزدیک کفر تھا)۔

علامہ قطب الدین محدث رحمۃ اللہ علیہ دھلوی پہلی حدیث کے تحت فرماتے ہیں:۔

"یہ تغلیط اور تشدید ہے اوپر ترک نماز کے، اور اشارہ ہے اس پر کہ تارک نماز کا قریب ہے کہ کافر ہو جائے"

اور آخری حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ حصر اس پر دلالت کرتا ہے کہ چھوڑنا نماز کا ان کے (یعنی صحابہ کے) نزدیک بڑے گناہوں سے ہے اور بہت قریب ہے طرف کفر کے" (مظاہر حق جلد اول کتاب الصلوٰۃ)

علاوہ ازیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں عبارت بالا کے کچھ بعد ہے:۔

ووقع عند الطبرانی من روایة احمد بن صالح عن ابن وهب فی هذا الحدیث کفرا صراحا بالصاد المهملة مضمومة ثم راء ووقع فی روایة حبّان ابی النفر المذکور الا ان یکون معصیة للّٰه بواحا.

"طریق آخر کے الفاظ سے مطلق معصیت کا مؤثر ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(امداد الفتاویٰ جلد پنجم ص ۱۱۲)

اور طبرانی کے نزدیک اس حدیث میں احمد بن صالح عن ابن وہب کی روایت میں کفر صُراح کے الفاظ ہیں اور حبّان ابی النفر مذکور کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں: "مگر اللہ کی کھلی نافرمانی کی جائے"۔ جب دوسری روایت میں معصیت بواح کے الفاظ پائے جاتے ہیں تو حدیث زیر بحث میں کفر بواح بمعنی معصیت کو ترجیح دی جائے گی۔

ارشاد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث زیر بحث کے تحت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ارشاد فرماتے ہیں:۔اس عبارت کے مطالعہ کرنے کے بعد مذکورہ اکثر مقدمات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ بالجملہ اہل سنّت کے اصول پر یزید کا حال پہلے کی نسبت بدل گیا تھا بعض کے نزدیک کافر ہو گیا اور بعض کے نزدیک اس کا کفر تحقیق میں نہیں آیا۔ سابق اسلام بعد میں آنے والے فسق کے ساتھ مل گیا۔ اگر حضرت امام (یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ) نے اسے کفر جانا تو اس

کے خلاف اٹھنے میں کیا خطا کی۔ امام احمد کو یہی رائے پسند آئی ہے مگر جیسا کہ ممکن ہے کہ کسی شخص کا کفر ایک عالم کے نزدیک تو ثابت ہوتا ہے لیکن دوسروں کے نزدیک نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس کے خلاف اُٹھنا اور نہ اُٹھنا اس کے حق میں مختلف ہو جائے گا اور کسی کی تکفیر و تفسیق اور تعدیل و تجریح میں اتفاق ہونا دینی ضروریات یا عقلی بدیہات میں سے نہیں ہے کہ عذر کرنے کی ضرورت پیش آئے اور فسق کی صورت میں جو کچھ میں نے پیش کیا ہے تمہیں یاد ہوگا۔ تاہم اہل سنّت کے اصول پر کوئی دشواری باقی نہیں رہی ہے کیونکہ یزید اس صورت میں یا کھلم کھلا فاسق تھا نماز کا ترک کرنے والا وغیرہ یا بدعت کا مرتکب تھا کیونکہ وہ نواصب کے سرداروں میں سے تھا۔ ان سب پہلوؤں کے پیش نظر اس کی عام خلافت کا ہونا مسلّم نہیں'' (قاسم العلوم مترجم ص۱۸۲)

انعقاد مطلق و عموم انعقاد کا فرق (حضرت مدنی)

انعقاد خلافت کی دو قسموں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے مکتوب کی توضیح میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔ ''آپ کا یہ ارشاد کہ خلیفہ عادل جس میں کل شروط امامت پائے جائیں کسی دوسرے جامع شروط خلافت کو اپنا جانشین کر جائے اور وصیت کر دے کہ فلاں شخص میرے بعد خلیفہ ہو۔ اس میں شروط سے اگر شروط صحت مطلقہ مراد ہیں جو کہ عقل، بلوغ، اسلام قرشیت سے عبارت ہے تو یہ تو موجود ہی ہیں اور یہی امور کتب کلام و فقہ میں مذکور ہیں۔ اور اگر شروط سے مراد شروط خلافت کاملہ مراد ہیں جن میں صلاح و تقویٰ و علم وغیرہ بھی معتبر ہیں تو اس کی سند کیا ہے۔

کتب مذہب میں اس کو انعقاد خلافت کے لئے ضروری قرار نہیں دیا گیا ہے اور اگر ایسا ضروری ہوگا تو چاہیے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت بھی صحیح نہ ہو حالانکہ بالاجماع ان کو نہ صرف خلیفہ بلکہ خلیفہ راشد بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ ان کو نامزد کرنے والا سلیمان بن عبد الملک کا حال معلوم ہے۔ بہر حال وجوہ مذکورہ بالا سے انعقاد مطلق ہو گیا مگر

عموم انعقاد جس سے ہر ایک پر اتباع لازم آ جائے اور مخالفت کرنا ممنوع ہو جائے وہ نہیں ہوا تھا۔ انعقاد و مطلق اور عموم انعقاد میں فرق ہے۔ عموم انعقاد جب متحقق ہوگا جبکہ تمام اہل حل و عقد متفق ہو جائیں بعض کی بیعت کافی نہ ہوگی اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت بہت سے حضرات نے اگرچہ کر لی تھی تاہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کی کوشش کی گئی۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل مکتوب ۸۹ ص ۲۸۶)

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید کی خلافت منعقد تو ہو گئی تھی کیونکہ اس کے لئے مسلمان عاقل بالغ اور قریشی ہونا شرط ہے اور یزید میں یہ صفتیں پائی جاتی تھیں۔ لیکن اتنی بات پر اس کی خلافت کا تسلیم کرنا ہر ایک پر لازم نہیں ہو گیا تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن الزبیر نے بیعت نہیں کی تھی حالانکہ وہ اہل حل وعقد میں سے تھے۔ نیز یزید صالح اور متقی نہ تھا جس کی بنا پر خلیفہ کی اطاعت سب پر لازم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ پر یزید کی بیعت لازم نہ تھی اور جب لازم نہ تھی تو ان حضرات پر یزید کی اطاعت نہ کرنے سے کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ اسی بحث میں اس کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ وجوہ وجوہِ عموم انعقاد ہی ہیں اور انعقاد مطلق اور عموم انعقاد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تو پھر یزید کا بعد از ظہورِ فسق وہ حال ہی نہیں رہتا جو ابتداء میں تھا۔ یعنی اس کے اعمال شنیعہ درجہ کفر کو اگر پہنچ گئے تھے جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کی رائے ہے تب تو وہ یقیناً معزول عن الخلافت ہو ہی گیا تھا۔ اب امام حسین رضی اللہ عنہ کا ارادہ جنگ خروج ہی نہیں شمار ہو سکتا۔ اور اگر اس کی حرکات ناشائستہ درجہ کفر کو نہ پہنچی تھیں (جیسا کہ جمہور کا قول ہے) تو اول تو یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی رائے یہی ہو جو کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کی ہے۔ علاوہ ازیں فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ اس وقت تک مجمع علیہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کی رائے یہ تھی کہ وہ معزول ہو گیا اور اس بنا پر اصلاح امت کی غرض سے انہوں نے جہاد کا ارادہ فرمایا۔ پھر باوجود اس

کے خلع کا مسئلہ تو آج بھی متفق علیہ ہے یعنی اگر خلیفہ نے ارتکاب فسق کیا تو اصحاب قدرت پر اس کو عزل کر دینا اور کسی عادل متقی کو خلیفہ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے عزل اور خلع سے مفاسد مصالح سے زائد نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع کی رائے میں مفاسد زیادہ نظر آئے وہ اپنی بیعت پر قائم رہے اور اہل مدینہ نے عموماً بعد از بیعت اور واپسی وفد از شام ایسا محسوس نہیں کیا اور سبھوں سے خلع کیا جس کی بناپر وہ قیامت خیز واقعہ حرہ نمودار ہوا۔ جس سے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی اور حرم محترم کی انتہائی بے حرمتی اور تذلیل ہوئی۔ کیا مقتولین حرہ کو شہید نہیں کہا جائے گا؟ پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے مواعید پر مطمئن ہوئے۔ بالخصوص حضرت مسلم بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کے بعد جن میں پورا اطمینان اہل کوفہ کی طرف سے دلایا گیا تھا اس لئے ان کا ارادۂ جہاد یقیناً صحیح تھا اور وہ خلع کرنے اور خروج کرنے میں کسی طرح باغی نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ ان کو صاف نظر آ رہا تھا کہ اس حالت میں مفاسد کا قلع قمع ہو جائے گا اور خلل بہت کم ہو گا۔ اپنی ظفر مندی کے لئے متیقن تھے" (ایضاً مکتوب ۸۹ ص ۲۸۸)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ نے اس قدر جامعیت سے فرمائی ہے کہ کسی صاحب علم و انصاف کے لئے اس پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں رہتی اور ضد و تعصب کا تو کوئی علاج نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل وغیرہ اکابر کے قول کے مطابق اگر یزید کا فسق و فجور کفر کی حد تک پہنچ گیا تھا تو پھر وہ خود بخود ہی معزول ہو گیا جس کے خلاف قتال کرنا جائز تھا۔ اور اگر اس کے اعمال شنیعہ کفر کی حد تک نہیں پہنچے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ تھا کہ اس حال میں بھی وہ معزول ہو گیا۔ جس کے بعد قتال جائز ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ فسق کی وجہ سے اس سے خلع کرنا اور اگر قدرت ہو تو اس کو معزول کر دینا بھی ضروری تھا۔ بشرطیکہ اس کے نتیجہ میں زیادہ بگاڑ پیدا نہ ہو۔ تو ان حالات میں صحابہ کرام کے اجتہاد میں اختلاف ہو گیا تھا اور بقول حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ یہ اختلاف کامیابی کی امید اور عدم امید کی بنا پر تھا۔ بہر حال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے موقف کی بنا پر شہید ہوئے ہیں اور اس پر اہل السنت و

الجماعت کا اجماع ہے۔ باقی رہا یہ اشکال کہ اہل سنت کا اس پر بھی اجماع ہے کہ فاسق کے خلاف خروج جائز نہیں ہے تو اول تو اس میں بھی اختلاف ہے کہ اجماع نہیں۔ کیونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کو فاسق قرار دے کر اس کی مخالفت کی تھی اور ان حضرات کے اختلاف کے باوجود دور صحابہ میں اس پر اجماع کا قول صحیح نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شارح صحیح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

قال القاضی وقد ادّعیٰ ابوبکر بن مجاهد فی هذا الاجماع وقد ردّ علیه بعضهم هذا بقیام الحسینؓ و ابن الزبیرؓ و اهل المدینة علی بن امیة وبقیام جماعة عظیمة من التابعین والصدر الاول علی الحجاج مع ابن الاشعث وتاوّل ههذا القائِل قوله الّاَ ننازع الامر اهله فی ائمة العدل وحجة الجمهور ان قیامهم علی الحجاج لیس بمجرد الفسق بل لما غیرّ من الشرع وظاهر الکفر . قال القاضِی وقیل ان هذا الاخلاف کان اولاً ثم حصل الاجماع علی منع الخروج علیهم . واللہ اعلم (نووی جلد ثانی ص۱۲۵)

''اور حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ نے بھی اپنے مکتوب گرامی میں مندرجہ عربی عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔ ''قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابوبکر بن مجاہد نے اس بارے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور بعض نے ان کے اجماع کو اس بنا پر رد کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن الزبیر یزید کے خلاف کھڑے ہوئے تھے اور اہل مدینہ نے بنی امیہ کے خلاف قیام کیا تھا اور تابعین اور صدر اول کی ایک عظیم جماعت نے حجاج کے خلاف ابن الاشعث کے ساتھ قیام کیا ہے اور اس قول کے قائلین نے حدیث میں یہ تاویل کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عادل حکمرانوں سے منازعت نہ کی جائے اور جمہور اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ حجاج کے خلاف ان حضرات کا قیام محض فسق کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس بنا پر تھا

کہ اس نے شریعت میں تغیر کیا تھا اور کفر کا اظہار کیا تھا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف شروع میں تو تھا لیکن اس کے بعد فساق کے خلاف خروج کرنے کی ممانعت پر اجماع ہو گیا'' واللہ اعلم

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے مابین جو اجتہادی اختلاف ہوا ہے وہی مبنی ہے علمائے اہل سنت کے اختلاف اقوال کا۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف اس بنا پر نہیں ہوا کہ بعض یزید کو صالح اور عادل قرار دیتے تھے اور بعض فاسق و فاجر کیونکہ جن صحابہ کرام نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے خلاف قیام کرنے سے روکا ہے۔ انہوں نے اس بات کی تصریح نہیں کی کہ چونکہ یزید صالح اور عادل ہے اس لئے آپ اس کی مخالفت نہ کریں بلکہ انہوں نے یہی کہا ہے کہ آپ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ نہ ڈالیں یا یہ کہ آپ کوفیوں پر اعتماد نہ کریں۔

یزید کا تسلط تام نہیں ہوا۔ یزید عادل نہ تھا (علامہ حیدر علی فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ)

رئیس المتکلمین علامہ حیدر علی فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مظلوم شہید ثابت کرتے ہوئے ایک شیعہ مجتہد کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

زیرا کہ خلافت و تسلط تام یزید ہنوز ثابت نشدہ بود چہ جائے حقیقت آں

(ازالۃ الغین جلد دوم، ص ۵۴۸، مطبوعہ ۱۸۷۸ء)

اس لئے (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یزید سے مخالفت جائز تھی) کہ یزید کا ابھی تک ملک پر مکمل تسلط نہیں ہوا تھا چہ جائیکہ) اس کا حق پر ہونا)

(۲) چونکہ امام عادل کے مقابلہ میں خروج منع ہے اس لئے یزید کے بارے میں علامہ حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

معلوم آنکہ خروج بر تابعین وقتے مستلزم شناعت است کہ از تابعین باحسان باشند و ہر چند یزید از روئے زمانہ تابعی بودہ لیکن از قید مذکور از عدالت و امامت برآمدہ۔ (ایضاً ص ۵۴۸)

تابعین کے خلاف خروج کرنا اس وقت برا ہے جب کہ وہ تابعین باحسان میں سے

ہو۔ (یعنی وہ صحابہ کرام کی اچھی طرح پیروی کرنے والے ہوں) اور گو یزید زمانہ کے لحاظ سے تابعی تھا۔ لیکن عدالت اور امامت کی مذکورہ قید سے خارج تھا۔

(۳) علاوہ ازیں علامہ حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب میں یزید کو فاسق فاجر و پلید لکھتے ہیں (ص ۵۹۰) کہیں یزید عنید لکھتے ہیں اور کہیں یزید لئیم۔

ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یزید کے متعلق لکھتے ہیں:۔

لکنّہ مات وابن الزبیرؓ ومَن بایعہ بمکۃ خارجون عن طاعتہ لم یتولَّ علی جمیع بلاد المسلمین.

(منہاج السنۃ جلد دوم ص ۲۳۹)

''لیکن یزید نے وفات پائی تو حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور مکہ میں جن لوگوں نے آپ کی بیعت کی تھی وہ اس کی اطاعت سے خارج تھے اور تمام بلاد مسلمین پر اس کی حکومت نہ تھی''۔

شاہ عبدالعزیز محدث رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظالم بادشاہ کے خلاف اس وقت خروج ناجائز ہے جبکہ) بادشاہ ظالم کا کامل تسلط ہو چکا ہو اور اس کے تسلط میں کسی کو نزاع نہ ہو۔ کوئی اس کا مزاحم نہ ہو۔ ابھی مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ اور کوفہ کے لوگ یزید پلید کے تسلط پر راضی نہ تھے اور حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ صحابہ نے یزید کی بیعت قبول نہیں کی۔ حاصل کلام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اس غرض سے نکلے تھے کہ یزید کا تسلّط دفع کریں یعنی اس کا تسلّط نہ ہونے پائے یہ غرض نہ تھی کہ اس کا تسلّط رفع کریں یعنی یہ امر نہ تھا کہ یزید کامل تسلّط ہو گیا تھا اور آپ کا یہ مقصود تھا کہ اس کا تسلّط اٹھا دیں۔ مسائل فقہیہ میں دفع و رفع میں فرق ظاہر مشہور ہے (فتاویٰ عزیزی ص ۲۲۷)۔

یزید نے اپنی بیعت کے لئے تشدد کیا

حافظ ابن کثیر محدث رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ یزید نے گورنر مدینہ ولید بن عقبہ کو خط میں لکھا:۔

اما بعد فخذ حسیناً و عبداللّٰہ بن عمرؓ و عبداللّٰہ بن الزبیرؓ بالبیعۃ اخذًا شدیدًا لیست فیہ رخصۃ حتی یبایعوا والسّلام.

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۴۶)

”حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ کو بیعت پر سختی سے مجبور کرو اور اس میں اُن کو کوئی ڈھیل نہ دو۔ والسلام“۔

مروان نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا

اِسی سلسلہ میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب گورنر مدینہ نے یزید کا خط جناب مروان کو دیا اور ان صحابہ کی بیعت کے بارے میں ان سے مشورہ لیا تو جناب مروان نے فرمایا:۔

اری ان تدعوھو قبل ان یعلموا بموت معاویۃؓ الی البیعۃ فان اَبَوا ضربت اعناقھم (ایضاً البدایہ والنہایہ)

”میری رائے یہ ہے کہ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع ہونے سے پہلے پہلے بیعت کے لئے بلالیں پھر اگر وہ بیعت سے انکار کریں تو ان کی گردنیں اُڑادی جائیں“۔

کیا یزید کی یہی وہ مقبول عام خلافت و بیعت تھی جس کا ڈھنڈورا عباسی صاحب مولانا سندیلوی اور ان کے ہم نوا پیٹ رہے ہیں۔ قرآن کے موعود خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ کریں یہاں تک کہ جنگ کی نوبت آجائے تو اس کو اجتہادی غلطی بھی نہ تسلیم کیا جائے لیکن اگر یزید کی بیعت سے یہ جلیل القدر صحابہ کرام توقف کریں تو ان پر تشدد جائز ہو۔ بلکہ ان کو واجب القتل قرار دیا جائے۔ ایں چہ ابوالعجبیست

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکنا

محمود احمد عباسی لکھتے ہیں:۔ صحابہ کرام نے جو ان سے ملے انہیں طرح طرح سے سمجھایا اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ دونوں سے فرمایا:۔

اتقیا اللّٰہ و لا تفرقا جماعة المسلمین (طبری جلد ۶ ص ۱۹۱)

''تم دونوں اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نصیحت ان دونوں افراد کو اس وقت کی تھی جب یہ بیعت سے گریز کر کے مدینہ سے مکہ آ رہے تھے۔ (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۱۱۹)

(۲) ثقہ مورخین نے صحابہ کرام کی نصیحتوں کے فقرات نقل کئے جو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام خروج پر ان کو کیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:۔

غلبنی الحسینؓ علی الخروج وقلت لہ۔ اتق اللّٰہ فی نفسك و الزم بیتك و لا تخرج علی امامك۔

(البدایہ و النہایہ ج ۸ ص ۱۶۳)

''حسین رضی اللہ عنہ نے مجھ پر خروج کرنے کے لئے زور دیا تو میں نے کہا اپنے دل میں خدا سے ڈرو۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام (خلیفہ یزید) کے خلاف خروج نہ کرو''۔ (ایضاً ص ۱۲۲)

مندرجہ عبارت میں غلبنی الحسین علی الخروج کا مطلب یہ ہے کہ یزید کے خلاف نکلنے پر حضرت حسین مجھ پر غالب آ گئے یعنی میری بات تسلیم نہ کی۔ علاوہ ازیں والزم بیتك (اپنے گھر میں بیٹھے رہو) سے ثابت ہوتا ہے کہ ایام فتنہ کی وجہ سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف قیام کو جائز نہیں سمجھتے تھے نہ کہ اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک یزید صالح و عادل تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہی حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ صحابی بعض دوسرے صحابہ کے ساتھ واقعہ حرہ میں یزیدی لشکر کے ظلم و ستم سے

بچنے کے لئے چھپ گئے تھے چنانچہ حافظ ابن کثیر محدث لکھتے ہیں:۔

وقد اختفی جماعة من سادات الصحابة منهم جابر بن عبدالله وخرج ابو سعید الخدری فلجاء الی غار فی جبل فلخفهُ رجل من اهل الشام قال فلما رأیته انتضَیتُ سیفی فقصدنی . فلما رأنی صمّم علی قتلی وشممت سیفی ثم قلت (انی اُرید ان تبوٓءَ باِثمیُ واثملث فتکون من اصحاب النار وذلك جزاء الظلمین) فلما رای ذٰلك قال من انت . قلت انا ابو سعید الخدری قال صاحب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم . قلت نعم . وقضی و ترکنی. (البدایه والنهایه ج۸ ص ۲۲۱)

"بڑے بڑے صحابہ کی ایک جماعت چھپ گئی تھی جن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ ابن عبداللہ بھی تھے اور حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بھی مدینہ سے نکل گئے۔ پھر آپ نے ایک پہاڑ کی غار میں پناہ لی۔ پس ایک شامی مرد آپ کو جا ملا۔ حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کو دیکھا تو اپنی تلوار نیام سے نکال لی، پھر اس نے میری طرف آنے کا ارادہ کیا اور جب مجھے دیکھا تو میرے قتل کا پختہ ارادہ کرلیا پھر میں نے اپنی تلوار کو سونگھا اور یہ آیت پڑھی (جس میں قابیل کا ہابیل کو جواب دینا مذکور ہے) کہ:۔ "میں یہ چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ کو بھی اُٹھائے اور اپنے گناہ کو بھی اور تو جہنمی ہو جائے۔ اور ظالموں کی یہی سزا ہے) پھر جب اس نے یہ حال دیکھا تو کہا تو کون ہے۔ میں نے کہا میں ابوسعید الخدری ہوں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی۔ میں نے کہا ہاں۔ پھر وہ مجھ کو چھوڑ کر چلا گیا"۔

حضرت ابوسعید خدری اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مدینہ شریف سے نکلنے اور روپوش ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ یزید کو صالح و عادل خلیفہ نہیں سمجھتے تھے اور مدینہ منورہ پر یزیدی لشکر کے حملہ کے خلاف تھے۔ لیکن ان کا موقف چونکہ یہ تھا کہ ایامِ فتنہ میں امیر د

حاکم کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے اگر چہ وہ فاسق و ظالم ہی کیوں نہ ہو اس لئے انہوں نے فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دیا اور وہ شامی سپاہی بھی کچھ اچھا نکلا صحابی سمجھ کر آپ کو چھوڑ دیا۔

(۳) عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ حضرت ابو واقد اللیثی نے ان کی روانگی کے بعد راستہ میں جا کر ان کو روکا اور فرمایا:۔

فناشدته الله الاّ تخرج فانه من يخرج في غير وجه خروج انما خرج يقتل نفسه (البدايه والنهايه جلد ۸ ص ۱۶۳)

"میں نے انہیں اللہ کا واسطہ دیا کہ خروج نہ کریں کیونکہ جو بے وجہ خروج کرتا ہے وہ اپنی جان کھو دیتا ہے" (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۱۲۲)

لیکن اس میں بھی یزید کے صالح اور عادل ہونے کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ لیثی کا موقف بھی حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ صحابہ کے مطابق یہ تھا کہ امیر کی مخالفت نہ کی جائے اگر چہ وہ ظالم و فاسق ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد

عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور یزید کی خط و کتابت کا تو ذکر کیا ہے اور مذکورہ دوسرے صحابہ کی نصیحتیں بھی نقل کی ہیں لیکن حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ لیثی کی نصیحتیں ذکر کرنے سے پہلے حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ کے اسی صفحہ پر حضرت عبداللہ بن عباس کا جو ارشاد نقل کیا ہے اسے بالکل ہضم کر گئے ہیں جو حسب ذیل ہے:۔

وقال له ابن عباسؓ و اين تريد يا ابن فاطمة فقال العراق وشيعتى . فقال انى لكارهٌ لوجهك هذا . تخرج الى قوم قتلوا اباك و طعنوا اخاك .

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے فرمایا: اے حضرت فاطمہ کے بیٹے! کہاں جانے کا ارادہ ہے تو آپ نے فرمایا عراق اور اپنے شیعہ (یعنی گروہ)

کے پاس جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے آپ کی یہ تدبیر پسند نہیں ہے آپ ان لوگوں کے پاس جاتے ہیں جنہوں نے آپ کے والد (یعنی حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا ہے اور آپ کے بھائی (یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ) کو نیزہ مارا ہے۔''

(ب) قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ:۔ انہوں نے (یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے) اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو ان کے پاس بھیجا تا کہ ان سے بیعت لے اور دیکھے کہ کون سے اور کتنے لوگ اس کی پیروی کرنے پر آمادہ ہیں تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو روکا اور بتایا کہ انہی لوگوں نے تو آپ کے باپ اور بھائی کو ذلیل کیا اور پھر انہی کا اعتبار کرتے ہو۔ (العواصم من العواصم اردو ص ۳۶۹ و عربی متن ص ۲۳۱)

(ج) اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اہل کوفہ کی غداری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ولھذا اشار عقلاء المسلمین ونُصحآءُ ھم علی الحسینؓ ان لا یذھب الیھم مثل عبداللّٰہ بن عمرو ابی بکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن ھشام وغیرھم لعلمھم بانھم یخذلونہ ولا ینصرونہ ولا یوفون لہ بما کتبوا بہ الیہ وکان الامر کما رأی ھؤلآءِ (منہاج السنۃ جلد اوّل ص ۱۶۹)

''اور عاقل اور ناصح بزرگوں نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت حسین سے فرمایا کہ وہ ان (اہل کوفہ) کے پاس نہ جائیں مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام وغیرہ نے۔ کیونکہ وہ آپ کو رسوا کریں گے اور آپ کی مدد نہیں کریں گے اور انہوں نے جو آپ کو لکھا ہے اس کو پورا نہیں کریں گے۔ اور وہی ہوا جو انہوں نے سمجھا تھا''۔

مولانا ابوالکلام آزاد

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے بھی لکھا ہے کہ کوفہ جاتے وقت حضرت

حسین رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔ ''خدا آپ کی حفاظت کرے کیا آپ ایسے لوگوں میں جا رہے ہیں جنہوں نے اپنے امیر کو بے دست و پا کر دیا ہے۔ دشمن کو نکال دیا ہے اور ملک پر قبضہ کر لیا ہے اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو شوق سے تشریف لے جایئے لیکن اگر ایسا نہ ہوا ہے حاکم بدستور ان کی گردن دبائے بیٹھا ہے اس کے گماشتے برابر اپنی کارستانیاں کر رہے ہیں تو ان کا آپ کو بلانا درحقیقت جنگ کی طرف بلانا ہے۔ میں ڈرتا ہوں وہ آپ کو دھوکا نہ دیں اور جب دشمن کو طاقتور دیکھیں تو خود آپ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ (شہادت حسین کے مستند تاریخی واقعات ص ۵)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ صحابہ کرام نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے اس لئے روکا تھا کہ وہ لوگ غدار ہیں ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ اور اس لئے نہیں روکا تھا کہ وہ یزید کو صالح و عادل خلیفہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ حضرات واضح طور پر فرماتے کہ یزید جو صالح اور عادل حکمران ہے اس لئے آپ اس کے مخالف نہ اقدام کریں۔

محمد بن حنفیہ کی رائے

حافظ ابن کثیر محدث نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

ولم يتخلف عنه احد من اهله سوئی محمدٍ بن الحنفيه فانه قال له : والله يا اخی لانت اعزّ اهل الارض علیّ . وانی ناصح لك لا تدخلنّ مصراً من هذه الامصار ولكن اسكن البوادی والرّمال وابعث الی الناس فاذا بايعوك واجتمعوا عليك فادخل المصر و ان ابيت الاسكنی المصر فاذهب الی مكة (البدايه والنهايه جلد۸ ص ۱۴۷)

''اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے گھر والوں میں سے سوائے حضرت محمد بن حنفیہ کے کوئی بھی آپ سے پیچھے نہیں رہا۔ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

خدا کی قسم اے میرے بھائی آپ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ شہروں میں سے (جہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں) کسی شہر میں نہ جائیں بلکہ دیہات اور ریگستان میں آپ قیام کریں اور لوگوں کو دعوت دیں اگر وہ آپ سے بیعت کرلیں اور آپ پر اجتماع کرلیں تو پھر آپ شہر میں داخل ہوں اور اگر آپ یہ نہیں مانتے اور ضرور کسی شہر ہی میں قیام کرنا چاہتے ہیں تو آپ مکہ میں قیام کریں"۔

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن حنفیہ کو اہل کوفہ وغیرہ پر اعتماد نہ تھا۔ اس لئے مکہ جانے کی رائے پیش کی اور یہ رائے آپ نے اس وقت دی ہے جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ چھوڑ کر جانا چاہتے تھے۔ یہاں مخالفین یہ اعتراض نہیں کر سکتے کہ جب خود حضرت محمد بن حنفیہ نے یزید سے بیعت کرلی تھی تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی بیعت لینے کی تدبیر کیونکر بتا سکتے تھے۔ اس لئے کہ دونوں بھائیوں کا یہ اجتہادی اختلاف ہے اور بطور ہمدردی وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اہل شہر کی شر سے بچنے کی رائے دے سکتے ہیں جیسا کہ ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ نہ جانے کی رائے دی ہے ہمارا استدلال مندرجہ اقوال کے تحت یہاں یہ ہے کہ اگر یہ حضرات یزید کی بیعت اسے صالح اور عادل قرار دے کر کرتے تو اس موقع پر ضرور یہ کہتے کہ ایک صالح اور عادل خلیفہ کی مخالفت آپ کے لئے بالکل ناجائز ہے۔ باقی رہا یہ کہ محمد بن حنفیہ نے یزید کو پابند نماز وغیرہ کہا تھا تو اس کا جواب دیا جا چکا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ رائے آپ نے اس وقت دی تھی جبکہ اس کی حالت میں تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن بعد میں اس کے حالات تبدیل ہو گئے تھے۔ نیز یہ کہ وقتی طور پر صورتاً پابندیء نماز سے کسی نمازی کا صالح اور عادل ہونا ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی ایسا شخص کسی بزرگ مہمان کے سامنے شراب پیتا ہے۔ سابق صدر یحییٰ کا شرابی ہونا مشہور ہے اور بعض علمائے کرام اس سے ملاقات بھی کرتے رہے ہیں لیکن کیا کوئی عالم یہ شہادت دے سکتا ہے کہ اس نے ان کے سامنے شراب پی تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد

قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ ثابت اور عادل راویوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے بواسطہ سفیان اور انہوں نے محمد بن منکدر کے واسطہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یزید کی بیعت ہوگئی تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر یہ اچھا ہوا ہے تو ہم خوش ہیں اور اگر بُرا ہوا ہے تو ہم صبر کریں گے۔

(العواصم من القواصم اردو ص ۳۶۱ و عربی متن ص ۲۲۶)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابن عمر کا یہ قول نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۴)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ یقین نہیں تھا کہ یزید کی بیعت سراسر حق ہے۔ ورنہ یہ نہ فرماتے کہ:۔ اگر بُرا ہوا ہے تو ہم صبر کریں گے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یزید آپ کے نزدیک بھی صالح اور عادل نہیں تھا۔ آپ نے اشارۃ فتنہ سے بچنے کے لئے احادیث فتن کے تحت اس کی بیعت کر لی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ کے سامنے دوسرا پہلو بھی تھا۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر بُرا ہوا ہے تو ہم صبر کریں گے۔

یزید بحیثیت امام نماز

عام طور پر حامیان یزید یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اگر یزید صالح نہ ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کرام اس کی اقتداء میں نمازیں کیوں پڑھتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ:۔

(۱) نماز کی امامت کے لئے اگرچہ امام کا صالح اور نیک ہونا بہتر ہے لیکن شرعاً فاسق کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الجھاد واجب علیکم مع کل امیر برًّا کان او فاجراً وان عمل الکبائر والصلوٰۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلمٍ برًّا کان او فاجراً وان عمل الکبائر والصلوٰۃ واجبۃ علی کل

مسلم براً کان او فاجراً وان عمل الکبائر . رواہ ابو داؤد
(مشکوٰۃ شریف کتاب الصلوٰۃ فی الامامۃ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر امیر کے ساتھ ہو کر جہاد واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا فاجر اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرے اور تم پر ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا فاجر۔ کبیرہ گناہ کرے اور نماز ہر مسلمان پر واجب ہے نیک ہو یا فاجر اگر چہ وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرے'' (ابوداؤد نے یہ حدیث بیان کی ہے)

(۲) انہی ارشاداتِ نبوی کے تحت امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

والصلوٰۃ خلف کل برّ وفاجر جائزۃ لقولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم صلوا خلف کل برٍّ وّفاجر جائزۃ (لقولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم صلو کل برّ وفاجروا خرجہ الدار قطنی عن ابی ہریرۃ و کذا البیھقی .

(شرح فقہ اکبر ص ۹۱)

''اور ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ اس حدیث کو دار قطنی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور اسی طرح کتاب حدیث بیہقی میں ہے''۔

اور اس کو مذہب اہل السنّت والجماعت کے عقائد میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام اعظم فرماتے ہیں:۔ونصلی خلف کل برّ وفاجرٍ (شرح فقہ اکبر ص ۹۲) اور مذہب اہل السنّت والجماعت میں یہ بھی ہے کہ ہم ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔

(۳) امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ عقائد اہل السنّت والجماعت میں لکھتے ہیں:۔

وتری الصلوٰۃ خلف کل برٍّ وّ فاجرٍ من اہل القبلۃ و علی من من مات منھم .

''نیک ہو یا فاجر ہم اہل قبلہ کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کا جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں''۔ (عقیدہ طحاویہ)

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ اہل قبلہ سے مراد شرعاً وہ مسلمان ہے جو ضروریات دین میں سے کسی کا منکر نہ ہو۔ اور اگر ضروریاتِ دین میں سے کسی کا منکر ہو (مثلاً مرزائی قادیانی، لاہوری وغیرہ) تو وہ کافر ہے خواہ وہ روبقبلہ نماز بھی پڑھتا ہو۔

(۴) علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اسی بحث میں فرماتے ہیں:۔

ومن اوجب الاعادة علی کل من صلّی خلف ذی فجور و بدعة فقوله ضعيف فان السلف والائمة من الصحابة والتابعين صلّوا خلف هؤلآء وهؤلآء لما كانوا ولاة عليهم ولهذا كان من اصول اهل السنّة ان الصلوة التی تقيمها ولاة الامور تصلی خلفهم علی ایّ حالةٍ كانوا كما يحجّ معهم ويغزی معهم (منهاج السنة جلد اوّل ص ۱۵)

"اور فاجر اور بدعتی شخص کے پیچھے نماز پڑھنے والے پر نماز کا لوٹانا جنہوں نے واجب کہا ہے تو یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ بزرگان سلف اور ائمہ نے صحابہ اور تابعین میں سے ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھی ہے جبکہ وہ ان پر والی و حاکم تھے اور اسی بناء پر اہل سنت کے اصول میں سے یہ ہے کہ جو نماز اصحاب حکومت پڑھائیں ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے خواہ وہ کس حالت پر ہوں۔ جیسا کہ ان کے ساتھ حج کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ہو کر جہاد کیا جاتا ہے"۔

"یزید لعین ہے" امام جصاص کا ارشاد

اور امام ابوبکر جصاص حنفی فرماتے ہیں:۔

فان قيل هل يجوز الجهاد مع الفسّاق قيل له ان كل احد من المجاهدين فانما يقوم بغرض نفسه فجائز له ان يجاهد الكفار وان كان امير الجيش وجنوده فساقاً وقد كان اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم يغزون بعد الخلفاء

الاربعة مع الامرآء الفساق وغزا ابو ایوب الانصاری مع الیزید اللعین.

(احکام القرآن للجصاصؒ باب فرض النفیر والجهاد ص ۱۱۹)

"اور اگر یہ کہا جائے کہ کیا فساق کے ساتھ ہو کر جہاد جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہدین میں سے جو بھی اپنی طرف سے جہاد کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس کے لئے کفار سے جہاد کرنا جائز ہے اگر چہ امیر لشکر اور اہل لشکر فاسق ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب، خلفائے اربعہ (یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم) کے بعد فاسق امیروں کے ساتھ مل کر جہاد کرتے تھے اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید لعین کے ساتھ ہو کر جہاد کیا ہے"۔

یہ ہے احادیث کی روشنی میں اہل السنت والجماعت کا مسلک یعنی فاسق و فاجر امام و حاکم کی بھی اقتدا جائز ہے۔ لہٰذا اگر صحابہ کرام نے یزید کی اقتداء میں نمازیں پڑھی ہیں اور جہاد کیا ہے تو یہ اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ یزید صالح و عادل تھا۔ اور امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے تو یزید کو لعین بھی لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ یزید پر لعنت کرنے کو جائز قرار دیتے تھے۔ شرعی قانون میں بعض پہلو رعایت اور رحمت کے ہوتے ہیں۔ فاسق حاکم کے پیچھے نماز پڑھنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ مسلمان حتی الامکان تفرقہ اور تشتت سے محفوظ رہیں اگر جہاد کے لئے بھی صالح امام کا ہونا ضروری ہوتا تو جہاد کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا تھا۔

فاسق کی اقتداء

فاسق و فاجر اس مسلمان کو کہتے ہیں کہ جس کا بنیادی عقیدہ صحیح ہو مگر اس کے عمل میں خرابی ہو اور گناہ کا ارتکاب کرتا ہو (اور فسق کے بھی مختلف مدارج ہیں) لیکن اگر کسی شخص کا بنیادی عقیدہ ہی صحیح نہ ہو اور وہ اصول اسلام کا منکر ہو تو اس کی اقتداء میں نماز جائز نہ ہو گی۔ مثلاً مرزائی (قادیانی ہو یا لاہوری) اور سبائی (رافضی ہو یا خارجی) بلکہ ایسے لوگوں

کی نماز جنازہ بھی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہٗ کے فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:۔

(سوال) رافضی تبرائی کے جنازہ کی نماز جو کہ اصحابِ ثلاثہ کی شان میں کلمات بے ادبی کہتا ہے پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

(جواب) ایسے رافضی کو اکثر علماء کافر فرماتے ہیں لہٰذا اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی نہ چاہیے فقط (ص ۲۴۳)

ایک اور سوال کے جواب میں حضرت گنگوہی لکھتے ہیں:۔ روافض، خوارج اور سب فساق سے ربط ضبط مودّت کا حرام ہے مگر بہ سبب معاملہ ءناچاری کے معذور ہے۔ اور ان سے مودت (یعنی محبت و دوستی) کرنے والا مداہن فی الدین عاصی ہے۔ فقط (ایضاً ص ۴۶۴)

علاوہ ازیں فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی تفصیلات کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

اہل السنّت والجماعت کی طرف سے شیعوں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل یعنی پہلے خلیفہ ہوتے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کے پیچھے نمازیں کیوں پڑھتے؟ تو اس کے جواب میں یہ کہنا جائز نہیں کہ:۔ اہل السنّت کے نزدیک جب فاسق کے پیچھے نماز جائز ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اگر خلفائے ثلاثہ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں تو اس سے ان کا صالح و عادل ہونا ثابت نہیں ہوتا (العیاذ باللہ)۔ اس لئے کہ شیعہ عقیدہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت بلافصل کا منکر فاسق نہیں بلکہ کافر ہے کیونکہ ان کے نزدیک امامت مثل توحید و رسالت کے ارکان دین میں سے ہے بلکہ شیعہ امامیہ منصبِ امامت کو منصبِ نبوت سے افضل مانتے ہیں اسی بنا پر دہ بارہ اماموں کو انبیائے سابقین علیہم السلام سے بھی افضل مانتے ہیں۔ چنانچہ ایک شیعہ مجتہد مولوی

حسین بخش جاڑا (دریا خان ضلع بھکر) لکھتے ہیں۔

بارہ امام انبیائے سابقین سے افضل ہیں (شیعہ مجتہد)

جس طرح جناب مصطفےٰ ﷺ تمام صاحبانِ شریعت انبیائے سابقین سے اُفضل ہیں اسی طرح ان کے اوصیائے طاہرین (یعنی بارہ امام) جو مروّج شریعت اور مبلغین احکام قرآن ہیں انبیاء کے قائم مقام اوصیاء سے افضل ہوں گے۔ بلکہ اس قاعدہ سے اوصیائے جناب محمد مصطفیٰ ﷺ گزشتہ صاحبان شریعت انبیاء سے بھی افضل ہوں گے۔

(تفسیر انوار النجف جلد اوّل ص ۹۰)

(ب) یہی مجتہد صاحب لکھتے ہیں:۔

"پس جس طرح ظاہری اور تنزیلی طور پر علی رضی اللہ عنہ کی امامت و ولایت کا منکر ان آیاتِ قرآنیہ کا منکر ہے جو علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا اس کی موت کفر و جہالت کی موت ہے اسی طرح باقی ائمہ طاہرین علیہم السلام کی امامت کا منکر تاویلی اور باطنی طور پر ان آیاتِ قرآنیہ کا منکر ہوگا۔ پس ان کی موت بھی موت جہالت وکفر ہوگی" (ایضاً ص ۱۰۶)

(۲) پاکستان میں ایک دوسرے ماتمی مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو لکھتے ہیں:۔

"ہمارے علمائے متقدمین کے درمیان افضلیت ائمہ برانبیائے سلف کے بارہ میں تین قول تھے۔ پہلا قول یہ کہ یہ حضرات سوائے جناب ختمی مرتبت کے دیگر تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ دوسرا قول یہ کہ انبیائے کرام ان ائمہ علیہم کرام سے افضل ہیں۔ تیسرا قول یہ تھا کہ انبیائے اولوالعزم ان سے افضل ہیں۔ مگر متاخرین علمائے اعلام کا پہلے قول پر اتفاق ہو چکا ہے کہ ائمہ اطہار سوائے جناب سرورِ کائنات ﷺ کے دیگر تمام انبیائے اولوالعزم وغیرہم سے افضل واشرف ہیں اور اس عقیدہ کی صحت پر بکثرت دلائل موجود ہیں" (احسن الفوائد فی شرح العقائد طبع اول ص ۴۰۵)

حالانکہ اہل السنّت والجماعت کے عقیدہ میں نبوت و رسالت سے افضل کوئی

منصب نہیں ہے اور ان بارہ اماموں کی افضلیت تو کجا موجودہ قرآن مجید میں ان کی امامت پر کوئی نص نہیں ہے اور نہ ہی کسی آیت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل (پہلی خلافت) ثابت ہوسکتی ہے۔ ایران کے شیعہ سربراہ خمینی اور شیعہ مذہب کے عقائد کی تفصیل بندہ کی کتاب ''میاں طفیل محمد کی دعوتِ اتحاد کا جائزہ'' میں ملاحظہ فرمائیں، بہرحال شیعہ مذہب میں نبوت کی طرح امامت بھی اصول دین میں سے ہے بلکہ امامت نبوت سے افضل ہے۔

اس لئے جس طرح رسالت کا منکر کافر ہے اسی طرح امامت کا منکر بھی ان کے عقیدہ کے تحت کافر ہے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مجبوراً عقیدہ تقیہ کا سہارا لیا ہے کہ دل سے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ کو مومن و خلیفہ برحق نہیں مانتے تھے لیکن ازروئے تقیہ انہوں نے مجبوراً خلفائے ثلاثہ کی اقتداء میں نمازیں پڑھی ہیں۔

(ب) شیعہ مذہب میں حضرت علی وغیرہ بارہ امام مثل انبیائے کرام کے معصوم ہیں۔ اگر انبیائے کرام کی نماز ان لوگوں کے پیچھے نہیں ہوسکتی جو ان کی نبوت کے منکر ہوں تو ائمہ کی نماز ان خلفاء کے پیچھے کیونکر جائز ہوسکتی ہے جو حسبِ اعتقاد شیعہ ان کی خلافت کے غاصب اور ان کی امامت کے منکر ہیں (العیاذ باللہ)۔

یزید کو امیر المومنین کہنا

حامیانِ یزید کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یزید کو امیر المؤمنین بعض اکابر نے بھی کہا ہے۔ اگر وہ فاسق ہوتا تو یہ حضرات اس کے لئے امیر المؤمنین کا لقب کیوں استعمال کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اُس زمانہ میں سربراہِ مملکت اسلامیہ کو خلیفہ یا امیر المومنین کے الفاظ ہی سے مخاطب کیا جاتا تھا خواہ وہ صالح ہو یا فاسق و فاجر۔ مشہور شیعہ مجتہد حلّی نے اپنی کتاب ''منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامۃ'' میں یزید کے سلسلہ میں یہ اعتراض کیا تھا کہ:-

وتمادی بعضھم فی التعصب حتی اعتقد امامۃ یزید بن

معاوية مع ما صدر منه من الافعال القبيحة من قتل الامام الحسين .

''اور بعض تعصب میں اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ وہ یزید کی امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں باوجودیکہ اس سے افعال قبیحہ سرزد ہوئے ہیں مثلاً امام حسین کو قتل کرنا وغیرہ''۔

یزید کو خلیفہ راشد ماننا جاہلوں کا عقیدہ ہے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

اس کے جواب میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:۔

فان اراد بذلك انه اعتقد انه من الخلفآء الراشدين والائمة المهتدين كابى بكر و عمر و عثمان وعلى فهذا لم يعتقده احد من العلماء المسلمين وان اعتقد مثل هذا بعض الجهال كما يحكى عن بعض الجهال من الاكراد ونحوهم ان يعتقد ان يزيد من الصحابة وعن بعضهم انه من الانبياء وبعضهم يعتقد انه من الخلفاء الراشدين المهديين فهؤلآء يسوا من اهل العلم الذين يحكى قولهم وهم مع هذا الجهل خير من الجهال الشيعة وملاحدتهم الذين تعتقدمن الهية على او نبوته (منهاج السنة جلد دوم ص ۲۳۸)

''اگر یزید کی امامت کے اعتقاد سے ان کی یہ مراد ہے کہ وہ خلفائے راشدین اور ائمہ مہتدین میں سے ہے مثل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے، تو یہ علمائے مسلمین میں سے کسی کا بھی عقیدہ نہیں ہے اور اگر اس قسم کا اعتقاد بعض جاہلوں کا ہے جیسا کہ کردوں وغیرہ کے بعض جہلاء کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ یزید صحابہ میں سے تھا اور بعض کے نزدیک وہ انبیاء میں سے ہے اور ان میں سے بعض کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ (یزید) خلفائے راشدین مہدیین میں سے ہے۔ تو یہ

لوگ علماء میں سے نہیں ہیں جن کا قول قابل ذکر ہوتا ہے۔ اور باوجود اس جہالت کے وہ ان شیعہ جاہلوں اور ملحدوں سے بہتر ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اِلٰہ (معبود) ہیں یا یہ کہ آپ پیغمبر ہیں۔ الخ

اور دورِ حاضر کے جہلاء بھی یزید کے خلیفہ راشد ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں چنانچہ مولوی عظیم الدین صاحب کی کتاب:۔ ''حیات سیّدنا یزید'' ص ۲ کی نظم کا پہلا شعر ہے:

ہر آن رہبر تھی ہدایت یزید کی
کیوں راشدہ نہ ہو گی خلافت یزید کی

علاوہ ازیں بعنوان:۔ ''خارجیت کا طوفان'' عباسی گروہ کے مصنفین کی بعض عبارتیں ''خارجی فتنہ حصّہ اوّل'' میں درج کی جا چکی ہیں وہاں دیکھ لیں۔

(۲) مذکورہ اعتراض کے جواب میں ہی ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

واما علماء السنة الذين لهم قول يحكى فليس فيهم من يعتقد ان يزيد وامثاله من الخلفاء الراشدين والائمة المهتدين كابى بكر و عمر و عثمان و على رضى الله عنهم بل اهل السنة يقولون بالحديث الذى فى السنن خلافة النبوة ثلثون سنة . ثم يصير ملكاً . وان اراد اعتقادهم امامة يزيد انهم يعتقدون انه ملك جمهور المسلمين وخليفتهم فى زمانهم صاحب السيف كما كان امثاله من خلفاء بنى امية وبنى العباس فهذا امر معلوم لكل احد ومن نازع فى هذا كان مكابراً فان يزيد بويع بعد موت ابيه معاوية رضی اللہ عنہ وصار متوليا على اهل الشام ومصر والعراق وخراسان وغير ذلك من بلاد المسلمين والحسين رضى الله عنه استشهد يوم عاشورآء سنة احدى وستين وهى اول سنة ملك يزيد والحسين استشهد قبل ان يتولى شيئًا من

البلاد. (ایضاً ص ۲۳۹)

''مگر وہ علمائے اہل السنّت جن کے اقوال قابل بیان ہوتے ہیں ان میں کوئی بھی یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ یزید اور اس جیسے (دوسرے بادشاہ) خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ اماموں میں سے ہیں مثل حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے، بلکہ اہل السنّت کتب سُنن کی حدیث کے تحت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت تیس سال ہوگی پھر بادشاہت ہو جائے گی (یہاں خلافت نبوت سے مراد وہ خلافت راشدہ ہے جس کا وعدہ قرآن میں مہاجرین صحابہ سے کیا گیا ہے اور جس کا مصداق صرف خلفائے اربعہ ہیں۔ خادم اہل السنّت غفرلہٗ) اور یزید کی امامت سے مراد یہ اعتقاد ہے کہ وہ جمہور مسلمین کا ان کے زمانہ میں بادشاہ اور خلیفہ اور صاحبِ سیف تھا (یعنی اسکے پاس قوت تھی) جیسا کہ اس جیسے دوسرے خلفاء ہوئے ہیں بنو امیہ اور بنی عباس میں سے۔ تو یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے اور جو اس امر میں نزاع کرے (کہ یزید ملک کا حکمران اور خلیفہ بھی نہ تھا) تو وہ مکابر ہے یعنی محض جھگڑا کرنے والا ہے۔ کیونکہ اپنے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کی بیعت کی گئی اور شام، مصر، عراق اور خراسان وغیرہ مسلمانوں کے بلاد (شہروں) کا والی اور حکمران ہو گیا تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بلاد مسلمین میں سے کسی شہر کے بھی والی بننے سے پہلے ہی شہید ہو گئے تھے''۔

یزید کو تمام مملکت اسلامیہ پر تسلط حاصل نہیں ہوا (ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ)

(۳) نیز ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یزید کی حکومت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

فیزیدفی ولایتہ ھو واحد من ھؤلآء الملوك ملوك المسلمین المستخلفین فی الارض ولکنہ مات وابن الزبیر ومن بایعہ بمکۃ خارجون عن طاعتہ لم یتول علی جمیع

بلاد المسلمین کما ان ولد العباس لم یتولوا علی جمیع بلاد المسلمین بخلاف عبدالملک واولاده فانهم تولّوا علیٰ جمیع بلاد المسلمین و کذلک الخلفاء الثلاثة ومعاویة تولّوا علی جمیع بلاد المسلمین وعلی رضی اللّٰہ عنہ لَمْ یتول علی جمیع بلاد المسلمین فکون الواحد من هٰؤلآء اماماً بمعنی انه کان له سلطان ومعه السیف یولّی ویَعْزِلُ ویعطی ویحرم ویحکم وینفذ ویقیم الحدود ویجاهد الکفار ویُقسم الاموال امر مشهور متواتر لا یمکن جحده وهذا معنی کونه اماماً وخلیفة کما ان امام الصلوٰة هو الذی یصلی بالناس فاذا رأینا رجلاً یصلی بالناس کان القول بانه امام امراً مشهودا محسوساً لا تمکن المکابرة فیه واما کونه برّاً او فاجراً او مطیعا او عاصیاً فذٰلک امرٌ آخر . فاهل السنة اذا اعتقدوا امامة الواحد من هٰؤلآء یزید او عبدالملک او المنصور او غیرهم کان بهذا الاعتبار ومن نازع فی هذا فهو یشبه بمن نازع فی ولایة ابی بکر و عمر و عثمان و فی ملک کسری و کسری و قیصر و النجاشی وغیرهم من الملوک . واما کون الواحد من هٰؤلآء معصوماً فلیس هذا اعتقاد احد من العلماء و کذلک کونه عادلاً فی کل اموره مطیعاً اللّٰہ فی جمیع افعاله لیس هذا اعتقاد احد من ائمة المسلمین (ایضاً ص ۲۴۰).

”اور یزید اپنی حکومت میں مسلمانوں کے ان بادشاہوں میں سے ایک ہے جن کو ملک کی خلافت (سلطنت) ملی ہے مگر اس کی موت کے وقت حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور جن لوگوں نے آپ کی مکہ شریف میں بیعت کی تھی وہ اس کی اطاعت سے خارج تھے (یعنی انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی

تھی) اور وہ تمام بلاد مسلمین کا والی نہیں بنا تھا جیسا کہ بنی عباس تمام بلاد مسلمین پر والی (حکمران) نہیں بنے تھے۔ بخلاف عبدالملک اور اس کی اولاد کے کہ وہ تمام بلاد مسلمین پر والی وحکمران بن گئے تھے۔ اسی طرح خلفائے ثلاثہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تمام بلاد مسلمین پر والی بنے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تمام بلاد مسلمین کے والی نہیں بنے تھے۔ تو ان (یزید وغیرہ) میں سے کسی کا امام ہونا اس معنی میں ہے کہ وہ صاحب سلطنت تھا اور اس کے پاس تلوار کی قوت تھی کہ وہ اپنے ماتحت حاکم بھی مقرر کر سکتا تھا اور ان کو معزول بھی کر سکتا تھا۔ اور عطیات بھی دیتا تھا اور ان سے محروم بھی کر سکتا تھا۔ اور فیصلہ بھی کرتا تھا اور وہ اپنا حکم بھی نافذ کرتا تھا۔ اور حدود (شرعی) بھی نافذ کرتا تھا اور کفار سے جہاد بھی کرتا تھا اور اموال بھی تقسیم کرتا تھا۔ یہ امر مشہور اور متواتر ہے۔ جس کا انکار ناممکن ہے اور یزید کے امام اور خلیفہ ہونے کا یہی مطلب ہے۔ جیسا کہ امام نماز وہ ہوتا ہے جو نماز پڑھاتا ہے۔ پس جب ہم کسی کو نماز پڑھاتے دیکھتے ہیں تو یہ کہنا کہ وہ امام (نماز) ہے ایسا امر ہے کہ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے اور وہ محسوس ہوتا ہے (کہ فلاں شخص نماز پڑھاتا ہے)۔ اس میں کوئی شخص مکابرہ اور جھگڑا نہیں کر سکتا (کہ فلاں شخص امام نماز نہیں ہے) مگر اس کا نیک ہونا یا فاجر ہونا اور اللہ تعالیٰ کا مطیع ہونا یا نافرمان ہونا یہ دوسری بات ہے۔ پس اہل السنت جب یزید یا عبدالملک یا منصور یا ان کے سوا دوسرے بادشاہوں کی امامت کا اعتقاد ظاہر کرتے ہیں تو وہ اسی اعتبار سے ہوتا ہے (کہ ان کے پاس سلطنت تھی اور وہ احکام جاری کر سکتے تھے اور کفار سے جہاد کرتے تھے وغیرہ) اور جو شخص اس امر میں نزاع کرتا ہے وہ اس شخص کے مشابہ ہے جو حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے صاحب حکومت ہونے میں نزاع کرتا ہے اور کسریٰ اور قیصر اور نجاشی وغیرہ بادشاہوں کے صاحب سلطنت ہونے میں نزاع کرتا ہے (کہ وہ اہل حکومت وسلطنت تھے ہی نہیں) اور ان بادشاہوں میں سے کسی کا معصوم ہونا تو علماء میں سے کسی

ایک کا بھی عقیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی کسی عالم کا عقیدہ نہیں ہے کہ یزید وغیرہ بادشاہ اپنے تمام امور میں عادل تھے اور یہ بھی مسلمانوں میں سے کسی امام کا عقیدہ نہیں ہے کہ وہ تمام افعال میں اللہ کی اطاعت کرنے والے تھے“۔

(۴) ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اطاعت امیر کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

قال احمد فی رسالة عبدوس بن مالك العطار اصول السنة عندنا التمسك بما كان عليه اصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الى ان قال ومن وَلِى الخلافة فاجمع عليه الناس ورضوا به ومن غلبهم بالسيف حتى صار خليفة وسمّى امير المومنين فدفع الصدقات اليه جائز برّاً كان او فاجراً (منهاج السنة جلد اول ص ۱۴۲)

”امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خط بنام عبدوس بن مالک العطار لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک اصول السنۃ میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلک کو مضبوط پکڑا جائے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا جو شخص خلافت وحکومت کا والی بن جائے اور اس پر لوگوں کا اجماع ہو جائے اور اس پر وہ راضی ہو جائیں اور جو شخص کہ تلوار کے زور سے لوگوں پر غالب ہو جائے اور خلیفہ بن جائے۔ اور اس کو امیر المومنین کہا جائے تو صدقات (زکوۃ وغیرہ) اس کو دینا جائز ہے خواہ وہ نیک ہو یا (فاسق) فاجر“

اس سے ثابت ہوا کہ خواہ کوئی فاسق وفاجر شخص بھی مسلمانوں پر بزور شمشیر مسلط ہو جائے اور اس کا حکم نافذ ہو جائے تو اس کو خلیفہ اور امیر المومنین کہہ سکتے ہیں۔

عباسی صاحب کی تلبیس

محمود احمد صاحب عباسی نے بعنوان ”خلیفہ اور منصب خلافت“ لکھا ہے کہ:۔

خلافت و امارت و امامت یہ سب اصطلاحی عناوین (جمع عنوان) ہیں۔ ملّت کے امور داخلی اور خارجی کی انجام دہی کا اختیار اور قدرت جس فرد ملّت کو حاصل ہوا سے خلیفہ، امیر

وامام کا نام دیا گیا ہے اور کہا جاتا ہے۔ خواہ ایک یا چند افراد کی بیعت یا اطاعت سے منکر یا اس کی اہلیت پر معترض ہیں۔ وہ خلیفہ و امیر المومنین و امام المسلمین مانا اور کہلایا گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مبحث پر اظہار خیال فرماتے ہوئے کہ حضرت ابن الزبیر اور ان کے ساتھیوں نے امیر یزید کے خلاف مکہ معظمہ میں محاذ قائم کر لیا تھا اور امیر موصوف کی وفات کے بعد اپنی خلافت کی بیعت بھی لے لی تھی۔ فرمایا ہے کہ ان واقعات کے باوجود امیر یزید اسی طرح جائز خلیفہ اور امام المسلمین تھے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے کہ ان کی بیعت سے ایک بڑی جماعت نے انکار کیا تھا اور تمام بلاد المسلمین پر تسلط اور اقتدار ان کا قائم نہیں ہو سکا تھا بایں ہمہ وہ امام المسلمین تھے اسی طرح یزید بھی تھے۔ امیر المومنین عبدالملک و دیگر خلفائے بنی امیہ کی مثال دیتے ہوئے کہ جمیع اسلامی ممالک ان کے زیر اقتدار تھے شیخ الاسلام موصوف فرماتے ہیں:۔

وكذلك الخلفاء الثلاثة ومعاوية تولّوا على جميع بلاد المسلمين (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۳۸۵)

اس کے بعد عباسی صاحب نے وہی عبارت لکھی ہے جو ہم نے اوپر درج کی ہے۔ لیکن ان کی تلبیس یہ ہے کہ قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح یزید بھی جائز خلیفہ اور امیر المسلمین تھے۔ حالانکہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یزید وغیرہ ملوک کی خلافت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ساتھ جو تشبیہ دی ہے وہ صرف اس بنا پر ہے کہ وہ صاحبِ حکومت تھے اور ان کا حکم نافذ ہوا۔ خواہ تمام بلادِ مسلمین پر ان کی حکومت قائم نہیں ہو سکی۔ لیکن خلیفہ، امیر المومنین اور امام المسلمین کی اصطلاح یزید وغیرہ بادشاہوں کے لئے بھی استعمال کی گئی۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور یزید وغیرہ ملوک کی خلافت میں جو اصل فرق تھا۔ اس کو عباسی صاحب نظر انداز کر گئے اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت نقل نہ کی جو اس سے پہلے تھی۔ اسی لئے بندہ نے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ماقبل کی عبارت بھی درج کر دی ہے تاکہ ناظرین حقیقتِ حال سے واقف ہو جائیں چنانچہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت حسب ذیل ہے:۔

واما علماء (اهل) السنة الذين لهم قول يحكى فليس فيهم من يعتقد ان يزيد و امثاله من الخلفاء الراشدين و الائمة المهتدين كابى بكر و عمر و عثمان وعلى رضى الله عنهم بل اهل السنة يقولون بالحديث الذى فى السنن خلافة النبوى ثلاثون سنة ثم يصير ملكا.

"مگر وہ علمائے اہل سنّت کہ جن کے قول کی حکایت کی جاتی ہے (یعنی جن کا قول بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے) ان میں سے کوئی بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یزید اور اس جیسے دوسرے بادشاہ، مثل حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے خلفائے راشدین اور ائمہ مہتدین میں سے تھے۔ بلکہ اہل السنّت کتب سُنن (مثل ابوداؤد کے) کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ خلافت نبوت تیس سال ہوگی پھر بادشاہت ہوگی"۔

چونکہ عباسی صاحب حدیث ثلثون سنة کو صحیح نہیں مانتے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو مثل خلفائے ثلاثہ خلافت راشدہ بھی نہیں مانتے (اور تمام عباسی پارٹی کا یہی نظریہ ہے) اس لئے انہوں نے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت بالکل ترک کر دی اور صرف وہ عبارت لکھ دی جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی حیثیت سے امیر المومنین اور امام المسلمین تھے جس حیثیت سے یزید وغیرہ ملوک تھے۔ ع

بہ بین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

(۲) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے:۔

لكنه مات وابن الزبير ومن بايعه بمكة خارجون عن طاعته لم يتولّ على جميع بلاد المسلمين (ایضاً جلد دوم ص ۲۴۰)

"لیکن جب یزید کی موت ہوئی تو حضرت عبداللہ بن زبیر اور وہ لوگ جنہوں نے آپ کی بیعت کی تھی اس کی اطاعت میں نہ تھے اور وہ تمام بلاد مسلمین پر حکمران نہ تھا"۔

یہاں بھی عباسی صاحب نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ذکر کے بعد کی عبارت (لم یتوّل علی جمیع بلاد المسلمین) چھوڑ دی ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام بلاد المسلمین پر یزید کی حکومت قائم نہیں ہو سکی تھی۔

کیونکہ اس عبارت سے عباسی صاحب اور اُن کی پارٹی کے اس دعویٰ کی تردید ہوتی ہے کہ یزید کی امارت وحکومت کو سوائے حضرت حسینؓ اور حضرت ابن زبیر کے سب نے تسلیم کرلیا تھا۔ اور امت کا ایسا اجماع خلفائے ثلاثہ پر بھی نہیں ہو سکا۔ العیاذ باللہ

چنانچہ عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔

''امیر المومنین یزید کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب ان کے لئے ہوا، اس سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا اور ان کی یہ سعادت ہے کہ جمہور امت نے نہایت خوش دلی سے ان کی ولایت عہد کا استقبال کیا۔ لوگ چونکہ اس اجماع کا انکار نہیں کر سکتے اس لئے اسے بے وقعت بنانا چاہتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ امّت نے یہ رائے جبر کے تحت دی اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ لالچ کے سبب'' (خلافت معاویہ ویزید ص ۸۴)

اور مولوی عظیم الدین بھی لکھتے ہیں:۔

''اسلامی تاریخ میں سیّدنا یزید بن معاویہ ہی وہ اکیلے شخص ہیں جن کے لئے اس قدر مکمل اور ہمہ گیر استصواب عمل میں آیا جو اس سے پہلے کبھی کسی کے لئے نہیں ہوا''۔ (حیات یزید ص ۱۳۶)

یزید بارہ خلفاء میں شامل نہیں (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی وجہ سے حدیث میں بارہ خلفاء کی پیش گوئی کا مصداق یزید کو قرار نہیں دیا چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''ویزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ خود ازیں میان ساقط است بجہت عدم استقرار او مدت معتد بہا وسوء سیرت او'' واللہ اعلم۔ (قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین علیہما السلام ص ۲۴۱ ناشر حاجی فقیر محمد اینڈ سنز قصہ خوانی بازار پشاور)۔''اور

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ ان (بارہ خلفاء) کے درمیان سے ساقط ہے۔ بوجہ اس کے کہ معتد بہ مدت اس کی سلطنت مضبوط نہیں ہوئی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ بُری سیرت رکھتا تھا"۔

بہر حال علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیر بحث عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ یزید کو امیر المومنین کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صالح و عادل ہی تھا۔ کیونکہ عرفاً اُس دور میں ہر اُس بادشاہ کو خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہا جاتا تھا جس کی حکومت قائم ہو جائے اور اس کا حکم نافذ ہو جائے۔ خواہ وہ بزور شمشیر ہی ملک پر مسلّط ہو گیا ہو۔ اور اسی پہلو سے شرح فقہ اکبر میں علامہ علی قاری محدث حنفی نے بارہ خلفاء کی پیش گوئی کے تحت یزید کا نام بھی پیش کیا ہے حالانکہ ان کے نزدیک بھی یزید ظالم اور فاسق تھا۔ جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے حوالہ سے پہلے ثابت کیا جاچکا ہے۔

قاضی ابوبکر کا تسامح

قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یزید کو عادل ثابت کرنے کے لئے یہ لکھا ہے بلکہ معتبر لوگ تو اس کی عدالت کی شہادت دیتے ہیں چنانچہ یحییٰ بن بکیر نے لیث بن سعد سے روایت کیا ہے کہ لیث نے کہا امیر المؤمنین یزید فلاں تاریخ کو فوت ہوئے۔ تو لیث نے یزید کو امیر المومنین اس وقت کہا جبکہ بنو امیہ کی سلطنت اور حکومت کا زمانہ گذر چکا تھا اور اگر یزید فی الواقع ان کے نزدیک ایسا نہ ہوتا تو سیدھے الفاظ سے کہتے: یزید فوت ہوا (العواصم من القواصم اردو ص ۳۶۴)۔ اگر یہ قاضی صاحب رحمہ اللہ کی عبارت ہے تو اُن سے اس استدلال میں تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ صالح و فاسق دونوں قسم کے سربراہان مملکت اسلامیہ کے لئے خلیفہ اور امیر المومنین کا لقب عام طور پر استعمال ہوا کرتا تھا۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے جتنے خلفاء ہوئے ہیں ان سب کے نام کے ساتھ خلیفہ کی اصطلاح کتابوں میں استعمال ہوئی ہے۔ حالانکہ ان میں فاسق و ظالم بھی ہیں بلکہ شیعہ مذہب کی کتابوں میں بھی ائمہ کی زبان سے یزید وغیرہ کے لئے خلیفہ کا لفظ ثابت ہے۔ حالانکہ شیعہ مذہب

میں حضرات خلفائے ثلٰثہ بھی عادل خلفاء نہیں ہیں (العیاذ باللہ) چہ جائیکہ یزید۔
(ب) اور یہ بھی احتمال ہے کہ مذکورہ عبارت بھی ان الحاقیات میں سے ہو جو العواصم من القواصم میں بعد میں شامل کیا گیا ہے۔

یزید کو امیر المومنین کہنے والے کو کوڑوں کی سوا دی گئی

حافظ ابن حجر محدث عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

قال ابن شوذب سمعت ابراھیم بن ابی عبید یقول سمعت عمرؓ بن عبدالعزیز یترحم علی یزید بن معاویۃؓ. وقال یحییٰ بن عبدالملک بن ابی عتبۃ حدثنا نوفل بن ابی عقرب کنت عند عمرؓ بن عبدالعزیز فذکر رجل یوید بن معاویۃ فقال امیر المومنین یزید فقال لہ عمرؓ تقول امیر المؤمنین وامربہ فضربہ عشرین سوطًا.

(لسان المیزان جلد٦ ص ٢٩٤)

''ابن شوذب کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبید کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں نے سُنا ہے کہ حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالعزیز یزید پر ترحم کرتے تھے اور یحیٰ بن عبدالملک ابن ابی عتبہ کہتے ہیں کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھا کہ ایک شخص نے یزید بن معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کے لئے امیر المومنین یزید کے الفاظ استعمال کئے۔ اس پر حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالعزیز نے فرمایا۔ تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟ پھر آپ کے حکم سے اس شخص کو بیس کوڑے مارے گئے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ گو عرفاً یزید وغیرہ بادشاہوں کو خلیفہ اور امیر المومنین کہہ سکتے ہیں لیکن احترام و تعظیم کی بنا پر نہیں کہنا چاہیے اور چونکہ اس شخص نے یزید کو بطور احترام امیر المؤمنین کہا تھا اس لئے حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالعزیز نے فرمایا۔ تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟ پھر آپ کے حکم سے اس شخص کو بیس کوڑے مارے گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ گو عرفاً یزید وغیرہ بادشاہوں کو خلیفہ اور امیر المومنین کہہ سکتے ہیں لیکن احترام اور تعظیم کی بنا پر نہیں کہنا چاہیے اور چونکہ اس شخص نے یزید کو بطور احترام امیر المومنین کہا اس لئے حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالعزیز جیسے عادل اور متقی خلیفہ نے اس کو ۲۰ کوڑوں کی سزا دی۔ علاوہ ازیں یزید کو امیر المومنین کہنے پر کوڑوں کی سوا کی روایت حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۳۶۱ میں بھی منقول ہے۔

تہذیب التہذیب کی عبارت اور عباسی صاحب کی تنقید

محمود احمد عباسی صاحب نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب سے مندرجہ روایت کا حوالہ دے کر اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس ۲۰ کوڑے لگوائے کہ امیر یزید کا ذکر اس نے امیر المومنین کہہ کر کیا تھا۔ مگر ان ثقہ راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہو جاتا ہے جو انہی ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے:۔

وقال ابن شوزب سمعت ابراهيم بن ابی عبيد يقول سمعت عمر بن عبدالعزيز يترحم علی يزيد بن معاوية .

(لسان الميزان جلد ٦ ص ٢٩٤)

''اور ابن شوزب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبید سے یہ بات سُنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ پر ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہتے سُنا'' (خلافت معاویہ و یزید ص ۹۳)۔

الجواب

بندہ نے پوری عبارت لسان المیزان کی اوپر درج کر دی ہے جس میں یترحم علیہ کی روایت پہلے ہے اور کوڑے مارنے والی روایت بعد میں ہے۔

(۲) عباسی صاحب اس روایت کے سب راویوں کو مجہول قرار دے رہے ہیں لیکن فن اسماء الرجال کی کسی کتاب کا حوالہ اپنی تائید میں پیش نہیں کیا۔ حالانکہ امامِ فن حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ ان راویوں کو ثقہ قرار دے رہے ہیں مجہول تو وہ اس راوی کو کہتے ہیں جس کے حالات معلوم نہ ہوں اور ثقہ وہ ہے جس کے حالات معلوم ہوں اور اس کا ثقہ ہونا ثابت ہو۔ ان راویوں میں یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غَنِیَّہ ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل اسحٰق بن راہویہ، علی بن المدینی اور یحییٰ بن معین وغیرہ محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔ ابو داؤد اور ابن حبّان وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ وہ ایک بارعب اور ثقہ اور صالح شیخ تھے۔ (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۲۵۳ مطبوعہ حیدر آباد دکن)

اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بھی یحییٰ بن عبدلملک کی توثیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

قلت وثقہ ابو داؤد و اجتج بہ مسلم وخرّج لہ البخاری. (میزان الاعتدال جلد چھارم ص ۳۹۴ طبع بیروت)

''میں کہتا ہوں کہ امام ابو داؤد نے ان کی توثیق کی ہے اور امام مسلم نے بھی ان سے حجت پکڑی ہے اور امام بخاری نے بھی ان کی روایت لی ہے''۔

اور یحییٰ بن الملک موصوف نے نوفل بن ابی عقرب سے روایت لی ہے اور نوفل کو بھی حافظ ابن حجر عسقلانی ثقہ قرار دے رہے ہیں ائمہ حدیث کے نزدیک جو راوی ثقہ ہیں ان کو حُبِّ یزید کے غلبہ میں عباسی صاحب مجہول راوی قرار دے کر اپنی ریسرچ کا بھانڈا پھوڑ رہے ہیں۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا ذوق کرشمہ ساز کرے

زانی و چور کے لئے بھی دعائے مغفرت جائز ہے

(۲) یترحم علیہ کا معنی یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز یزید کے لئے دعائے رحم و مغفرت کرتے تھے اور دعائے مغفرت کا مصداق ہونے اور اس کے فاسق ہونے میں شرعاً کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ گنہگاروں کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا جائز ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

واعلم انہ لا منافاۃ بین عقوبۃ الانسان فی الدنیا علی ذنبہ وبین الصلوۃ علیہ والاستغفار لہ فان الزانی والسارق والشارب وغیرھم من العصاۃ تقام علیھم الحدود ومع ھذا فیحسن علیھم بالدعاء لھم فی دینھم ودنیا ھم.

(منھاج السنۃ جلد ۳ ص ۵۹)

''اور جاننا چاہیے کہ اپنے گناہ پر دنیا میں سزا کے ملنے اور اس پر نماز جنازہ پڑھنے اور اس کے لئے بخشش کی دعاء کرنے میں کوئی منافات نہیں ہے (یعنی دونوں اکٹھے ہوسکتے ہیں) کیونکہ زانی، چور اور شرابی وغیرہ گنہگاروں پر شرعی حدود قائم کی جاتی ہیں اور اس کے باوجود ان کے دین اور ان کی دنیا کے لئے مغفرت کی دعاء کر کے ان کے ساتھ بھلائی کی جاتی ہے''۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ زانی اور چور وغیرہ گناہگاروں کے لئے بھی دعائے مغفرت جائز ہے اور ان کی نماز جنازہ دعائے مغفرت ہی کی ایک شرعی صورت ہے۔ لہٰذا عباسی صاحب کی نکتہ چینی صحیح نہیں ہے۔

عرفاً رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ کے لئے بولا جاتا ہے

(۳) یترحم علیہ کا ترجمہ ''رحمۃ اللہ علیہ'' سے کرنا صحیح نہیں کیونکہ عرفاً بزرگان دین کے لئے رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں نہ کہ فاسقین کے لئے اور یترحم علیہ کا یہی معنی ہے: ''کہ اے اللہ! فلاں گنہگار کے گناہ معاف فرمادے''۔

(ب) مولانا سندیلوی لکھتے ہیں :۔ حضرت زین العابدین، حضرت باقر رحمہم اللہ وامثالہم کے اسمائے گرامی کے ساتھ حضرت اور رحمہ اللہ اور قدس سرہٗ کے الفاظ جو اولیاء اللہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں، لکھنا اور بولنا مناسب ہے۔ (اہل سنت اور نظریہ امامت ص۱۶)

جب عرفاً رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اولیاء اللہ کے لئے لکھے جاتے ہیں اور سندیلوی صاحب کے نزدیک یزید اولیاء اللہ میں سے نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے اپنے ایک غیر مطبوعہ خط میں لکھا ہے تو یزید کے لئے یترحّم علیہ کے الفاظ سے عُرفی دعائیہ الفاظ ''رحمۃ اللہ'' مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا صرف یترحّم علیہ سے یزید کا صالح وعادل ہونا ثابت کرنا بالکل غلط ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کو احتراماً امیر المومنین کہنے پر کوڑے بھی لگوائے تھے کیونکہ شرعاً فاسق کی تعظیم جائز نہیں اور ساتھ ہی بحیثیت مسلمان کے آپ نے یزید کی مغفرت کی دعاء بھی کرلی تھی۔ کیونکہ مغفرت کی دعاء کرنا کافر کے لئے (جس کی موت کفر پر واقع ہوئی ہو) ناجائز اور فاسق کے لئے جائز ہے۔ یہ دونوں باتیں یکجا جمع ہو سکتی ہیں۔ عباسی صاحب کا استدلال جہالت پر یا حبِّ یزید سے مغلوب ہونے پر مبنی ہے۔

(۴) امام ذہبی بھی یزید کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

مقدوح فی عدالته لیس باهل ان یروی عنه وقال احمد بن حنبل لا ینبغی ان یروی عنه (میزان الاعتدال جلد۴ ص ۴۴۰)

''یزید کی عدالت مجروح ہے وہ اس امر کا اہل نہیں ہے کہ اس سے روایت لی جائے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے روایت نہیں لینی چاہیے''۔

ائمہ فن رجال کے نزدیک تو یزید ظالم وفاسق ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو مجروح قرار دیتے ہیں۔ لیکن محمود عباسی صاحب اس کو متقی ماننے پر اصرار کرتے ہیں اور سابق شیخ الحدیث مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی بھی عادل اور صالح قرار دینے پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ حالانکہ فن رجال کی کتابوں سے اس کی تعدیل ثابت نہیں ہے اور اگر کسی نے اس کو عادل کہا ہے تو وہ سند نہیں ہے کیونکہ اصول حدیث کے تحت جرح تعدیل پر مقدم

ہوتی ہے اور سندیلوی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ:۔

"توثیق پر جرح مقدم ہے" (اظہار حقیقت ص ۱۰۹ جلد اوّل)

امام حسین رضی اللہ عنہ کی امن پسندی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ صالح متقی اور ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب و مقبول ہیں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ گو آپ نے منصب خلافت کا اہل نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی یزید کی بیعت نہیں کی مگر آپ نے امن پسندی سے کام لیا۔ جب مدینہ منورہ میں آپ کو بیعت کے لئے مجبور کیا گیا تو آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور آخر کار وہاں سے بھی کوفہ جانے کا عزم کر لیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مقبولیت عامہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مقبولیت عامہ کا اعتراف تو خود عباسی صاحب بھی کر رہے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔

جب ان چار ماہ کی مدت میں حکومت کی جانب سے کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی گئی تو پھر کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ یہ ایامِ حج خصوصاً یوم الترویہ میں کہ اس دن سے حج کے ابتدائی مراسم شروع ہو جاتے ہیں۔ حدودِ حرم کے اندر جہاں لاکھوں مسلمانوں کا عظیم اجتماع موجود ہو۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی ممتاز و محبوب ہستی کی گرفتاری کا، کہ جن کی ذات سے ہر مسلمان کے جذباتِ محبت قدرتاً وابستہ ہوں کوئی اقدام اس مقام پر کیا جانا ممکن ہوسکتا تھا۔ جس کی تقدیس اور حرمت کا جذبہ زمانہ جاہلیت سے عرب کے بچے بچے کی طبیعتِ ثانیہ میں تھا۔ زمانہ اسلام میں تو حدودِ حرم کے بارے میں صریح احکام شریعت ہر کس و ناکس پر ہویدا اور مبرہن تھے۔ باوجود اس کے اگر کوئی حکمران یا اس کا والی ایسے احمقانہ اقدام کی جسارت بھی کر بیٹھتا تو یقیناً وحتماً اس کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیئے جانے میں دیر نہ لگتی اور اس طرح جس مقصد کے حصول کے لئے یہ کوفی اور عراقی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو عراق تشریف لے جانے پر آمادہ کر رہے تھے وہ مقصد دشوار گذار اور طویل

سفر کی صعوبتیں اُٹھائے بغیر سرزمین حجاز ہی میں بہ سہولت اور بآسانی حاصل ہو جاتا اور اگر کردارِ خلیفہ میں کوئی ایسی برائی تھی کہ اس کو معزول کرنا یا اس کے خلاف خروج کرنا احکام شریعت کے اعتبار سے جائز تھا جیسا کہ کذابین باور کرانا چاہتے ہیں تو اس کا بہترین موقعہ مکہ معظّمہ میں تھا جہاں مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے دیندار مسلمانوں کا عظیم اجتماع تھا نہ کہ صحراو بیابان کی تیں منزلیں طے کر کے کوفہ میں جہاں کے لوگوں کی غدّاری کا تجربہ ان کے والد اور برادر بزرگ کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۵۵)

عباسی صاحب اس طویل عبارت میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایام حج میں گرفتاری کے خوف کی بنا پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف نہیں لے گئے بلکہ بعد ادائیگی حج گئے ہیں۔ کیونکہ ایام حج میں اگر حکومت آپ کو گرفتار کرتی تو خود حکومت کا تختہ الٹ دیئے جانے کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ بوجہ حرم شریف کے تقدس کے اور بوجہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی محبوب و مقبولِ عام شخصیت کے۔ یہاں ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی کب ہوئی۔ ہمارا مقصد عباسی صاحب کی عبارت پیش کرنے سے یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت دینی اور شرعی حیثیت سے بہت ممتاز تھی اور ان کی ذات سے جذباتِ محبت مسلمانوں کے قدرتاً وابستہ تھے لیکن باوجود اس کے آپ نے حرم شریف کے تقدس کو ملحوظ رکھا اور وہاں حکومت کے خلاف کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جس کی وجہ سے حرم شریف کا تقدس مجروح ہو سکتا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یزید کے اندر کوئی

---

1. اگر یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو چار ماہ مہلت دی ہے تو یہ اس کی اپنی پالیسی تھی اور اس خطرہ کے تحت بھی اس نے آپ کے خلاف گرفتاری وغیرہ کا کوئی اقدام نہ کیا ہوگا لیکن یہ بات کہ یزید کو حرم مکہ کا تقدس ملحوظ تھا محل اعتراض ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر جیسے جلیل القدر صحابی حرم شریف میں پناہ گزین ہو گئے تھے لیکن باوجود اس کے یزید نے وہاں لشکر کشی کی اور اس کے مرنے کے بعد حجاج بن یوسف نے اپنی ظالمانہ قوتوں کے ذریعے آپ کو حرم شریف میں ہی شہید کیا۔ کیا یہ سب کارروائیاں اسی لئے روا رکھی گئی تھیں کہ یزید اور حامیان یزید کو حرم شریف کا تقدس ملحوظ تھا۔

عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

ایسی برائی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف خروج جائز ہو۔ عباسی صاحب اور ان کی پارٹی کے دماغ میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم دینی شخصیت نے یزید کی مخالفت شرعی بنیاد پر ہی کی تھی۔ نہ کہ محض سیاسی طور پر حصول اقتدار کے لئے۔

ان کا اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنا اپنا اجتہاد تھا۔ یہ حضرات باوجود یزید کو منصبِ خلافت کا اہل نہ سمجھنے کے مخالفت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ اس میں ان کو کامیابی نظر نہیں آتی تھی لیکن برعکس اس کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفی طاقت کے پیش نظر کامیابی کی امید تھی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ سفر کوفہ پہنچنے کے لئے تھا اسی لئے اہل وعیال کو ہمراہ لے گئے نہ کہ راستہ میں یزیدی فوج سے ٹکر لینے کے لئے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کی حمایت کرنے والے بہت قلیل لوگ تھے جبکہ عباسی صاحب خود بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ آپ کے ساتھ مسلمانوں کے جذبات محبت قدرتاً وابستہ تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تین شرطیں

امام حسین رضی اللہ عنہ کو جب راہ میں حضرت مسلم کی شہادت کا علم ہوا۔ اور اس تجویز کی کامیابی سے مایوس ہوگئے کہ کوفہ میں قیام فرما کر ایک قوت فراہم کریں گے جو یزیدی قوت کا مقابلہ کر سکے تو آپ نے عبید اللہ بن زیاد کے سامنے تین شرطیں پیش کر دیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔ پھر آپ اس کو بھی پس انداز نہ فرمائیں کہ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوگیا کہ اہل کوفہ نے غدر کیا ہے اور مسلم بن عقیل رحمہا اللہ تعالیٰ شہید کر دیئے گئے اور یزید کی فوج یہاں آپہنچی ہے تو یہ کہلا بھیجا کہ میں کوفہ نہیں جاتا اور نہ تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔ مجھ کو مکہ معظمہ واپس جانے دو دشمن اس پر راضی نہیں ہوا اور اصرار کیا کہ اس کے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مکہ معظمہ واپس نہیں جانے دیتے تو مجھ کو چھوڑ دو کہیں دوسری طرف چلا جاؤں گا وہ اس پر راضی نہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھ کو

یزید کے پاس لے چلو میں خود اس سے گفتگو کرلوں گا۔ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا اور جنگ یا بیعت پر مصر رہا۔ یہ تاریخی واقعہ بتلاتا ہے کہ حضرت امام رحمۃ اللہ ہر طرح مجبور و مظلوم قتل کیے گئے ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی شہادت میں کلام کیا جائے تو تعجب خیز نہیں تو اور کیا ہے۔ چنانچہ یہ بھی تصریح آپ کتبِ تاریخ میں پائیں گے کہ یزید کو جب اس کی اطلاع ہوئی کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ان تینوں امور کو پیش فرمارہے تھے۔ مگر اس کے عامل نے کسی کو قبول نہ کیا تو بہت برہم ہوا اور سرزنش کی۔ واللہ اعلم (مکتوبات شیخ الاسلام مکتوب نمبر ۸۹ ص ۲۸۸)۔

عباسی صاحب اور ان کے متبعین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا موقف تبدیل کرلیا تھا اور یزید کی بیعت پر آمادہ ہو گئے تھے چنانچہ عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔

''اسی کے ساتھ مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کی تھیں۔ پہلی یہ کہ مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے۔ یہ منظور نہ ہو تو ممالک اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہوں یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیج دیا جائے تاکہ اپنے ابن عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔ (حتی اضع یدی فی ید یزید بن معاویة رضی اللہ عنہ) طبری اور دوسری کتب تاریخ سے لے کر سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ادنیٰ تاریخ الخلفاء اور امام ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمییز الصحابۃ تک میں یہی شرطیں موجود ہیں۔ شیعہ مؤرخین و مؤلفین خصوصاً ناسخ التواریخ (ص ۲۳۷ ج جلد ۶) وغیرہ نے بھی یہی شرطیں لکھی ہیں۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۰۲)

الجواب (۱) گو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی شرط بھی روایات میں پائی جاتی ہے۔ لیکن علامہ طبری ہی نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے یہ بات ہرگز نہیں کہی جیسا لوگ خیال کرتے ہیں کہ ''اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دیں گے'' (تاریخ طبری اردو حصہ چہارم ص ۲۵۷)

(۲) علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا ذکر نہیں کیا چنانچہ لکھتے ہیں:۔

وكذلك الحسين رضى الله عنه لم يقتل الا مظلومًا شهيدًا تاركًا لطلب الامارة . طالباً للرجوع اما الى بلده او الى الثغر او الى المتولّى على الناس يزيد .

(منهاج السنة جلد۲ ص ۲۴۳)

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس حال میں قتل کیے گئے ہیں کہ آپ مظلوم شہید تھے۔ کیونکہ آپ نے طلب حکومت کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ آپ نے واپس جانے کی خواہش کی تھی کہ یا اپنے شہر کی طرف جانے دیا جائے یا ملکی سرحد کی طرف (کفار سے جہاد کرنے کے لئے) یا یزید کی طرف جو لوگوں کا والی و حکمران تھا''۔

(۳) حافظ ابن کثیر محدث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی روایت نقل کرنے کے علاوہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عمرو بن سعد کی تنہائی میں گفتگو کے متعلق لکھتے ہیں:

ولم يدر احد ما قالا ولكن ظن بعض الناس انه ساله ان يذهب معه الى يزيد بن معاوية الى الشام ويتركا العسكرين متوافقين (البدايه والنهايه جلد۸ ص ۱۷۵)

''اور کسی کو معلوم نہ ہوا کہ ان دونوں نے کیا باتیں کی ہیں۔ مگر بعض لوگوں کا گمان ہے کہ حضرت حسین نے ابن سعد سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ دونوں لشکروں کو وہاں ہی ٹھہرا کر حضرت حسین ابن سعد کے ساتھ یزید کے پاس شام چلے جائیں''

(ب) نیز ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:۔

وقال بعضهم بل سأل منه اما ان يذهبا الى يزيد او يتركه يرجع الى الحجاز او يذهب الى بعض الثغور فيقاتل لتُرك . (ايضاً ص ۱۷۵)

''اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ابن سعد سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ یا تو وہ دونوں یزید کے پاس چلے جائیں یا ان کو حجاز جانے کی اجازت دی جائے یا بعض سرحدوں کی طرف چلے جائیں تاکہ ترکوں سے جنگ کریں''۔

(ج) ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابومخنف کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ:۔

انه لم يسأل ان يذهب الى يزيد فيضع يده الى يده .

(ایضاً ص ۱۷۵)

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ابن سعد سے یہ سوال نہیں کیا کہ وہ یزید کے پاس چلے جائیں تا کہ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں''۔

مولانا ابوالکلام آزاد

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ:۔ آپ نے تین صورتیں پیش کی تھیں (۱) مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے میں آیا ہوں (۲) مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو (۳) مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو وہاں کے لوگوں پر جو گذرتی ہے مجھ پر گذرنے دو'' (شہادت حسین رضی اللہ عنہ ص ۱۰)

شیخ محمد الخضری

شیخ محمد الخضری مصری بھی (جن کی بعض عبارتیں عباسی صاحب نے اپنی تائید میں پیش کی ہیں) یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

وكان الحسين رضی اللہ عنہ يعرض عليهم ان يدعوه يرجع الى المكان الذى خرج منه وليس بِصحيح انه عرض عليهم ان يضع يده فى يد يزيد . فلم يقبلوا منه تلك العودة وعرضوا عليه ان ينزل على حكم ابن زياد .

(محاضرات تاريخ الامم الاسلاميه ج۲ ص ۱۲۸ مطبوعه مصر)

''اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہاں واپس جانے کی اجازت دیں اور یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آپ نے یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کی ان کو پیشکش کی تھی مگر انہوں نے یہ واپسی

کا مطالبہ قبول نہ کیا اور ان سے یہی مطالبہ کیا کہ وہ ابن زیاد کا حکم مان لیں''

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مؤرخ خضری کے نزدیک بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ آخر تک اپنے سابق موقف پر قائم رہے تھے۔

ایک اہم سوال

اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کی رضامندی ظاہر کر دی تھی تو آپ کے سب رفقاء نے بھی کیا اسے تسلیم کر لیا تھا؟ بظاہر تو یہ ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل کی اولاد اس کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ اسی بناء پر عباسی صاحب لکھ رہے ہیں کہ:

مورخین کا بیان ہے کہ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے قتل ہو جانے کی خبر جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اثنائے سفر میں ملی آپ نے واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی جو آپ کے ساتھ تھے مانع ہوئے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ھانی بن عروہ وغیرہ کے مقتول جانے کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ملال قدرتاً ہوا۔ اور فرمایا:۔

لا خير في العيش بعدهما (البدایہ والنہایہ جلد ص ۱۶۸)

''یعنی ان لوگوں کے بعد زندگی کا کچھ لطف نہیں''

لیکن برادران مسلم کے جوش انتقام نے مجبور کیا کہ سفر جاری رکھیں۔ اکثر مؤرخین نے مسلم کے بھائیوں کے بضد ہونے کا حال لکھا ہے۔ یہ حضرات جوشِ انتقال سے اگر اس درجہ مغلوب نہ ہو گئے ہوتے کہ صورت حال کا صحیح جائزہ بھی نہ لگا سکے اور اس قتل کو جو سیاسی مناقشہ کے نتیجہ میں واقع ہوا تھا ذاتی جھگڑا قرار دے دیا۔ افسوس ان کی ضد نے معاملہ کو نازک تر کر دیا۔ مؤرخین نے بالصراحت بیان کیا ہے کہ دو اسدیوں نے مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے مقتول ہو جانے کی اطلاع جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دی اور کوفہ کی حالت کے پیش نظر رکھ کر ان سے کہا کہ وہاں ہرگز نہ جائیں کیونکہ کوئی ناصر و شیعہ آپ کا وہاں نہیں ہے۔

ليس لك بالكوفة ناصرٌ ولا شيعة (ص ۲۲۵ ج ۶ طبری)

یہ سنتے ہی برادرانِ مسلم رحمۃ اللہ علیہ جوشِ انتقام میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ برادرانِ

مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے بضد ہونے کی روایت خود اہل خاندان یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پوتے جناب داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان دونوں کی سند سے بیان کی گئی ہے۔

(خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم صفحات ۱۹۱ سے ۱۹۳)

ایک اہم سوال

عباسی صاحب کے اقرار کے مطابق جب برادرانِ مسلم رحمۃ اللہ علیہ میں اس قدر جوشِ انتقام تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی واپسی کی تجویز کو بھی قبول نہ کیا تو یہ کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کربلا پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس موقف کو قبول کرلیا کہ وہ یزید کی بیعت قبول کرلیں گے۔ کوفیوں کو دیکھ کر تو ان کا جوش انتقام اور بھی بڑھ گیا ہوگا کیونکہ وہ بہادر اور غیور تھے۔ بزدل اور بے غیرت نہ تھے وہ بہرحال انتقام لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ عباسی صاحب خود اعتراف کرتے ہیں کہ:۔

> "راویوں کے اس بیان سے کیا واضح نہیں ہوتا کہ حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر (یعنی ابن زیاد اور ابن سعد) معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح وآشتی سے نمٹانا چاہتے تھے۔ دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں ایک تو برادرانِ مسلم بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی جانیں بھی دینی پڑیں دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلہ کے ساتھ آرہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہوچکی تھی۔"

(ایضاً خلافت معاویہ ویزید ص ۲۳۸)

تو ہمارا سوال یہ ہے کہ جب برادرانِ مسلم رحمۃ اللہ علیہ بہرحال اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے اور کوفہ کے سبائی بھی صلح نہیں چاہتے تھے تو کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ تنہا ہی یزید کی بیعت پر آمادہ ہوگئے تھے اور اپنے رفقاء کی رائے کو بالکل ہی نظرانداز کردیا تھا؟ کیا ان کو حضرت مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کا کوئی صدمہ نہ تھا؟

(۲) عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔

"مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے بھائیوں کی ضد کرنے پر آپ کا یہ قول کہ تم لوگوں کے بعد ہمیں بھی زندگی کا کچھ لطف نہ رہے گا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو ظاہر ہے محض جذبات سے کام لیا گیا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ واپسی کا ارادہ صرف اسی وجہ سے ترک کر دینا اور سفر جاری رکھنا درست نہیں۔ اپنی دانست میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ خلافت کا اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اپنا حق لینا اپنے اوپر واجب کر چکے تھے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ سے آپ نے یہ صحیح نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اس حالت میں کوفہ جانا مفید مطلب نہ ہوگا۔" (ایضاً ص ۱۹۴)

عباسی صاحب کے اس تجزیہ سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت قبول نہیں کر سکتے تھے کیونکہ آپ خلافت کا اپنے کو زیادہ حقدار سمجھتے تھے اور اپنا حق لینا اپنے اوپر واجب کر چکے تھے۔ تو جب آپ کا موقف یہ تھا کہ خلافت کے آپ حقدار ہیں اور اس حق کا حاصل کرنا آپ پر واجب ہے تو پھر آپ کے پیش نظر یہ بات نہیں ہو سکتی تھی کہ چونکہ یزید کو اکثریت نے خلیفہ تسلیم کر لیا ہے اس لئے آپ بھی تسلیم کر لیں۔ بلکہ آپ کی شرعی استقامت کا تقاضا یہی ہو سکتا تھا کہ آپ کسی حال میں بھی یزید کی بیعت قبول نہ کریں اور اگر ان کو مجبور کیا جائے تو مومنانہ عزیمت کے تحت اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لہٰذا عباسی صاحب کا محض اپنا یہ مفروضہ ہے کہ:۔

"بہر حال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا" (ص ۲۰۲)

حالانکہ طہارت طینت کی برکت تو یہ ہے کہ آپ اپنے حق واجب کے حصول کے لئے جان نثار کر دیں اور اپنا حق غصب کرنے والے کے آگے گردن نہ جھکائیں۔

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسرِ میداں مگر جھکی تو نہیں

حسین رضی اللہ عنہ کے خلوص کا انکار

عباسی صاحب عبید اللہ بن زیاد کی نیک نیتی کے تو قائل ہیں لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلوص کے قائل نہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''ابن زیاد کی نیک نیتی کا بیّن ثبوت تو ان ہی راویوں کے اس بیان سے ملتا ہے کہ مسلم بن عقیل نے اپنے آخر وقت جو وصیت ابن سعد کو کی حتیٰ کہ قاصد کے ذریعہ میرا یہ پیغام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پہنچا دینا کہ کوفیوں نے میرے ہاتھ پر ان کی بیعت کرنے کے بعد بھی بدعہدی اور غداری کی ہے اس لئے ہرگز ادھر کا رُخ نہ کریں مکہ معظمہ ہی کو لوٹ جائیں۔ ابن زیاد کو ان سے ذاتی عناد و مخاصمت ہوتی تو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پیغام ان تک کیوں پہنچنے دیتے''۔

(ایضاً خلافت معاویہ ویزید ص ۲۳۶)

ہم کہتے ہیں کہ نیک نیتی کے ثبوت کے لئے صرف یہی بات کافی نہیں۔ علاوہ ازیں یہ پیغام تو ابن زیاد کے مقصد کے مطابق تھا کیونکہ حکومت بھی یہی چاہتی تھی کہ حسین رضی اللہ عنہ مقابلے میں نہ نکلیں اور مکہ مکرمہ میں ہی اقامت گزیں رہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ طالب جاہ واقتدار تھے

مگر اس کے برعکس عباسی صاحب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو طالب جاہ و اقتدار قرار دیتے ہیں نہ کہ مخلص فی الدین چنانچہ اپنے ممدوح ایک غیر مسلم مورخ دوزی کا حسب ذیل تبصرہ اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ:۔

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دور اندیش دوستوں نے لاکھ منت سماجت کی کہ ایسی خطرناک مہم کے اندر ناعاقبت اندیشانہ اپنے کو جوکھم میں نہ ڈالیں اور ان لوگوں کے مواعید اور مصنوعی جوش وولولہ پر اعتماد نہ کریں جنھوں نے ان کے والد سے دغا کی اور ان کو دھوکا دیا تھا مگر حسین رضی اللہ عنہ نے حُبِّ جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط و دعوت ناموں کی

فخریہ طور پر نمائش کرتے رہے جو ان کو وصول ہوئے تھے اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے کہ ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی'' (ایضاً ص ۱۹۵)

قارئین اندازہ فرمائیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ تو حُبِّ جاہ کی مہلک ترغیبات سے مغلوب ہو جاتے اور ناجائز شیخی بگھارتے ہیں جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ دربارِ رسالت سے آپ کو جوانان جنت کے سردار ہونے کی بشارت ملی؟ لیکن ابن زیاد ظالم ان کے نزدیک نیک نیت اور پاکدامن ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوا العجیست

بیعت یزید کی روایت قابل اعتماد نہیں

بہر حال روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر یزید کی بیعت کرنے کی خواہش والی روایت قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ (۱) اگر حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کا ارادہ کر لیتے تو پھر دوسری دو شرطیں پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اصل نزاع تو یزید کی بیعت اور عدم بیعت میں تھا۔ قبول کرنے کی صورت میں تو آپ واضح طور پر بیعتِ یزید کی ہی خواہش کا اظہار کرتے۔ البتہ بیعت و اطاعت کے اقرار کے بعد یہ ہوسکتا تھا کہ آپ واپس مدینہ منورہ چلے جانے یا جہاد کے لئے کسی سرحد کی طرف۔ یہ بالکل واضح بات ہے۔ اس لئے یزید کے پاس بغرض بیعت جانے کی پیشکش صحیح نہیں

(۲) یہ تو صحیح ہے کہ آپ نے اہل کوفہ کی غداری کے پیش نظر کوفہ جانے اور یزید کے خلاف جنگی محاذ بنانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا کیونکہ اسباب کی دنیا میں آپ کے لئے سابقہ تدبیر پر عمل کرنا قریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ لیکن اس امر کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی کہ اچانک آپ نے یزید کی بیعت قبول کرنے کا موقف کیوں اختیار کر لیا۔ جبکہ مکہ معظمہ سے روانگی کے وقت حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف قبول نہیں کیا۔ اور یہ وجہ ہم اہل سنت نہیں مان سکتے کہ آپ چونکہ اس وقت دشمن کے گھیراؤ میں آگئے تھے اس لئے آپ نے جان بچانے کے لئے یزید کی اطاعت قبول کر لی تھی کیونکہ آپ حق گو، حق پسند،

بہادر اور صاحب عزیمت واستقامت تھے اپنے اجتہاد کے پیش نظر آخر تک اپنے موقف پر ثابت قدم رہے جان کا نذرانہ پیش کر دیا لیکن طمع اور خوف میں آکر اپنا موقف ترک نہیں کیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۳) بالفرض اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بیعتِ یزید کا قول قبول کر لیا تھا تو پھر عباسی پارٹی کے ہیرو ابن زیاد وغیرہ بھی مورد طعن قرار پاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اس پیشکش کو کیوں قبول نہ کیا اور اس بات پر کیوں اصرار کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کریں۔ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ ابن زیاد حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے اتنا بغض وعناد رکھتا تھا کہ اس نے بہرحال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اس لئے اس نے تین شرطوں میں سے کوئی شرط بھی قبول نہ کی اور اس طرح اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (۴) عباسی صاحب نے بعنوان ''کردار ابن زیاد'' لکھا ہے کہ:۔

امیر عبید اللہ ابن زیاد باغیان کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے، وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المومنین کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائض مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انہیں نہ کوئی ذاتی پرخاش تھی اور نہ بغض وعداوت! وہ تو ان باپ کے بیٹے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معتمد خاص اور ایسے وفادار تھے کہ ان کی شہادت کے بعد بھی عرصہ تک انہی کے نام لیوا رہے۔ (خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۲۳۶)

(ب) اسی سلسلہ میں عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔

عمرو بن سعد کی ملاقاتوں کے نتیجے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین سے بیعت کر لیں۔ ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر بھی بیعت کریں۔ تمام اقطاع مملکتِ اسلامی میں عام و خاص حتیٰ کہ صحابہ کرام جیسی بلند و بالا ہستیوں نے اسی طرح عاملانِ حکومت کے ہاتھ پر

امیر المومنین کی بیعت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے۔ آپ کا یہ قول اگر صحیح نقل ہوا ہے تو باعث استعجاب ہے کیونکہ آئینی حیثیت سے نمائندے کی حیثیت ذاتی نہیں رہتی۔ امیر کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا۔ آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ بمزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں نمائندگان حکومت کے حوالے کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدِ باب ہو جائے جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا ہوا تھا کہ مبادا ان کے اثر میں آ کر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اُسی طرح نہ تبدیل کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کے لئے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے مگر حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونو راتوں ہی مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے۔ (ایضاً ص ۲۳۹)

الجواب

(۱) یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے اگر یزید کی بیعت پر رضامندی ظاہر کر دی تھی تو پھر آپ کے لئے ابن زیاد کی بیعت میں کوئی ایسی بات مانع نہیں ہو سکتی تھی۔ آپ ضرور ان کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیتے۔ آخر تک ابن زیاد نے بیعت نہ کرنے اور اسی بنا پر اتنی بڑی قربانی دینے سے ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے بیعت یزید کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا اور اپنے سابقہ موقف پر قائم رہے تھے۔

(۲) اور اگر بالفرض یہ بات صحیح ہے کہ آپ نے ابن زیاد کی بیعت سے انکار کر دیا تھا (خواہ اس کی وجہ کوئی بھی ہو) اور اس بات پر اصرار کیا تھا کہ وہ براہ راست یزید کی ہی بیعت کریں گے تو کیا ابن زید کی بیعت شرعاً اتنی ضروری تھی کہ اُس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب شخصیت اور آپ کے رفقاء کو شہید تو کر دیا لیکن

اپنے مطالبہ بیعت کو ترک نہ کیا۔ یہ بغض و عناد کی دلیل ہے یا خیر خواہی اور نیک نیتی کی۔

(۳) باقی رہا ہتھیار رکھوانے کا مطالبہ تو اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابن زیاد کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر اعتماد نہ تھا۔ اور وہ آپ کو ہر طرح ذلیل اور بے بس کرنا چاہتا تھا یہاں عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ خود اپنی بے اعتمادی کا بھی اظہار کر دیا ہے کہ چونکہ عامل مدینہ کے ساتھ بھی وعدہ کیا تھا اور پھر راتوں رات مکہ معظمہ چلے گئے۔ اس لئے ابن زیاد اور اس کے نمائندوں نے آپ پر اعتماد نہیں کیا حالانکہ عامل مدینہ سے آپ نے بیعت کرنے کا کوئی صریح وعدہ نہیں کیا تھا۔

یزید میں نہ پختگی ہے نہ مروّت (حضرت حسین رضی اللہ عنہ)

چنانچہ حافظ ابن کثیر مورخ و محدث لکھتے ہیں:۔

وبعث الوليد من ساعته نصف الليل الى الحسينؓ بن على و عبدالله بن الزبيرؓ فاخبرهما بوفاة معاويةؓ ودعاهما الى البيعة ليزيد بن معاوية . فقالا . الى ان نُصبِح وننظر ما يصنع الناس ووثب الحسينؓ فخرج وخرج معه ابن الزبيرؓ وقالا هو يزيد الذى نعرف والله ما حدث له عزم ولا مروءة

(البدایه والنهاية ج۸ ص ۱۶۲)

''عامل مدینہ ولید بن عتبہ نے آدھی رات کو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور ان دونوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دی اور ان کو یزید بن معاویہ کی بیعت کے لئے بلایا تو ان دونوں نے کہا صبح ہونے دو ہم دیکھیں گے کہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے اُٹھے اور باہر نکل گئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی نکل گئے اور دونوں نے فرمایا کہ یہ وہی یزید ہے جسے ہم پہچانتے ہیں۔ اللہ کی قسم نہ اس میں پختگی پیدا ہوئی ہے اور نہ مروت''۔

اپنے مطالبہ بیعت کو ترک نہ کیا۔ یہ بغض و عناد کی دلیل ہے یا خیر خواہی اور نیک نیتی کی۔

(۳) باقی رہا ہتھیار رکھوانے کا مطالبہ تو اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابن زیاد کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر اعتماد نہ تھا۔ اور وہ آپ کو ہر طرح ذلیل اور بے بس کرنا چاہتا تھا یہاں عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ خود اپنی بے اعتمادی کا بھی اظہار کر دیا ہے کہ چونکہ عامل مدینہ کے ساتھ بھی وعدہ کیا تھا اور پھر راتوں رات مکہ معظمہ چلے گئے۔ اس لئے ابن زیاد اور اس کے نمائندوں نے آپ پر اعتماد نہیں کیا حالانکہ عامل مدینہ سے آپ نے بیعت کرنے کا کوئی صریح وعدہ نہیں کیا تھا۔

یزید میں نہ پختگی ہے نہ مروّت (حضرت حسین رضی اللہ عنہ)

چنانچہ حافظ ابن کثیر مؤرخ و محدث لکھتے ہیں:۔

وبعث الولید من ساعته نصف اللیل الی الحسینؓ بن علی و عبداللّٰه بن الزبیرؓ فاخبرهما بوفاة معاویةؓ و دعاهما الی البیعة لیزید بن معاویة . فقالا . الی ان نُصبِح وننظر ما یصنع الناس ووثب الحسینؓ فخرج وخرج معه ابن الزبیرؓ وقالا هو یزید الذی نعرف واللّٰه ما حدث له عزم و لامُروءة

(البدایه والنهایة ج۸ ص ۱۶۲)

"عامل مدینہ ولید بن عتبہ نے آدھی رات کو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور ان دونوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دی اور ان کو یزید بن معاویہ کی بیعت کے لئے بلایا تو ان دونوں نے کہا صبح ہونے دو ہم دیکھیں گے کہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے اُٹھے اور باہر نکل گئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی نکل گئے اور دونوں نے فرمایا کہ یہ وہی یزید ہے جسے ہم پہچانتے ہیں۔ اللہ کی قسم نہ اس میں پختگی پیدا ہوئی ہے اور نہ مروت"۔

مندرجہ الفاظ سے بیعت کرنے کا کوئی وعدہ ثابت نہیں ہوتا تا کہ ان پر وعدہ خلافی کا الزام لگایا جاسکے۔

(۴) بقول عباسی اگر ابن زیاد اور اس کے نمائندوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر اعتماد نہ تھا تو آپ کو ان پر کیونکر اعتماد ہو سکتا تھا۔ کہ ان کے مطالبہ پر ہتھیار ان کے حوالے کر دیتے۔ ان کے لئے بھی تو یہی خطرہ تھا کہ ہتھیار لے کر تہ تیغ نہ کر دیں بہر حال کسی پہلو سے ابن زیاد کو بری الذمہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

(۵) امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے حالات میں عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔

> ''امیر المومنین یزید کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حادثہ کا صدمہ وقلم تھا ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بے تاب ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک امور کا جہاں تک تعلق ان کے خروج سے تھا اس پر البتہ نکتہ چینی کی جاتی تھی'' (خلافت معاویہ ویزید ص ۲۰۴)

یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر یزید کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعی دلی صدمہ تھا تو پھر ابن زیاد وغیرہ کو سزا کیوں نہیں دی گئی؟ جبکہ انہوں نے ظلماً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا کیونکہ بقول عباسی وہ یزید کی بیعت پر رضا مند ہو گئے تھے۔ کیا یہ مگرمچھ کے آنسو تو نہیں تھے۔

(۶) حافظ ابن کثیر محدث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب یزید کو قاتلین نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی خوشخبری سنائی تو:۔

> فدمعت عينا يزيد بن معاوية وقال كنت ارضى من طاعتكم بدون قتل الحسين رضی اللہ عنہ لعن الله ابن سمية اما والله لو انى صاحبه لعفوت عنه ورحم الله الحسين رضی اللہ عنہ ولم يصل الذى جآء براسه بشىء ولما وضع راس الحسين رضی اللہ عنہ بين يدى

یزید قال اما واللہ لو انی صاحبک ما قتلتک (البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۹۱)

"پھر یزید بن معاویہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ان سے کہا کہ میں بغیر قتل حسین رضی اللہ عنہ کے بھی تمہاری تابعداری پر خوش ہو سکتا تھا خدا کی لعنت ہو ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر اگر میں وہاں ہوتا تو ان سے درگذر کرتا اور اللہ تعالیٰ حسین رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ اور جو شخص آپ کا سر لایا تھا اس کو کچھ نہ ملا۔ اور جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے سامنے رکھا گیا تو کہا کہ بخدا اگر میں آپ کے ساتھ ہوتا تو آپ کو قتل نہ کرتا[1]"۔

کیونکہ جب یزید کی موجودگی میں آپ اس کی بیعت کر لیتے تو درگذر کرنے اور قتل کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کرنے پر حضرت ابن حنفیہ کی یزید کو تنبیہ

عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ کربلا کے المناک حادثہ کے کچھ عرصہ بعد جب حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) دمشق تشریف لے گئے امیر المومنین یزید نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر ان الفاظ میں اظہار تاسف و تعزیت کیا تھا۔ پھر یزید نے ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کو ملاقات کے لئے بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر ان سے کہا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی موت پر خدا مجھے اور تمہیں اجر عطا کرے۔ بخدا حسین رضی اللہ عنہ کا نقصان جتنا بھاری تمہارے لئے ہے اتنا ہی میرے لئے بھی ہے اور ان کی موت سے جتنی اذیت تمہیں ہوئی ہے اتنی ہی مجھے بھی ہوئی ہے اگر ان کا معاملہ میرے سپرد ہوتا اور میں دیکھتا کہ ان کی موت کو اپنی انگلیاں کاٹ کر اپنی آنکھیں دے کر ٹال سکتا ہوں تو بلا مبالغہ دونوں ان کے لئے قربان کر دیتا گو کہ انہوں نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی اور خونی رشتہ کو ٹھکرا دیا

---

[1] اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت یزید کا اقرار نہیں کیا تھا ورنہ یزید یہ کیوں کہتا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو آپ کو قتل نہ کرتا اور درگذر کرتا۔

تھا۔ تم کو ضرور معلوم ہوگا کہ ہم پبلک میں عیب جوئی حسین رضی اللہ عنہ کی کرتے ہیں۔ بخدا یہ اس لئے نہیں کہ عوام میں خاندان علی رضی اللہ عنہ کو عزت و حرمت حاصل نہ ہو بلکہ اس سے ہم لوگوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ حکومت وخلافت میں ہم کسی حریف کو برداشت نہیں کرسکتے۔

یہ باتیں سن کر ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:۔ خدا تمہارا بھلا کرے اور حسین رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اور ان کے گناہ کو معاف کرے یہ معلوم کر کے مسرّت ہوئی کہ ہمارا نقصان تمہارا نقصان اور ہماری محرومی تمہاری محرومی ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ اس بات کے مستحق نہیں کہ تم اُن کو بُرا بھلا کہو اور برملا ان کی مذمت کرو۔ امیر المومنین میں درخواست کرتا ہوں کہ حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہیے جو مجھے ناگوار ہو۔ یزید نے جواب دیا: میرے چچیرے بھائی میں حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہوں گا جس سے تمہارا دل دُکھے۔ (انصاب الاشراف بلاذری جلد۳) (خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۲۰۴)

تبصرہ

یہ بھی عجیب تعزیت ہے کہ خلیفہ صاحب بعد از شہادت بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر طعن کررہے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میں ان کو بچانے کے لئے اپنی انگلیاں بھی کٹوا سکتا تھا اور آنکھیں بھی دے سکتا تھا۔

(۲) یزید صاحب تحکمانہ انداز میں یہ بھی فرما رہے ہیں کہ ہم:۔ ''خلافت وحکومت میں کسی حریف کو برداشت نہیں کرسکتے'' تو پھر ایسے حریف کے لئے وہ اپنی انگلیاں کیونکر کٹواتے اور آنکھیں کیونکر دیتے؟

(۳) یزید کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بعد از وفات بُرا بھلا کہنا تو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے آخر دم تک یزید کی بیعت قبول نہیں کی تھی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یزید حضرت ابن حنفیہ کے سامنے بجائے طعن کے ان کے اس فعل کی تعریف کرتا کہ انہوں نے میری بیعت قبول کر لی تھی۔ جیسا کہ محمود احمد صاحب عباسی اس پر اپنی خوشی کا اظہار کر رہے ہیں کہ:۔

''بہر حال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا'' (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۰۲)

لیکن قابلِ عبرت یہ امر ہے کہ کیا یزید نے بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طہارت طینت کو تسلیم کیا تھا اور کیا ابن زیاد بھی آپ کی طہارت طینت کا قائل تھا؟ نہیں نہیں۔ عباسی صاحب بھی ظاہرداری کر رہے ہیں ورنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو وہ ذاتی وقار اور اقتدار کا طالب نہ قرار دیتے۔ جیسا کہ ان کی تحریروں سے ثابت ہے۔ اور یہ نہ کہتے کہ حصول حکومت کے لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے منتظر تھے۔ کیا طہارت طینت والے ایسے ہی بوالہوس ہوا کرتے ہیں۔

(۴) اگر یزید میں مروت ہوتی تو تعزیت کے وقت حضرت محمد بن حنفیہ کے سامنے ایسی باتیں نہ کرتا جن کی وجہ سے آپ اس کو تنبیہ کرنے پر مجبور ہو گئے اس تعویتی کارروائی کی بنا پر تو یہ روایت صحیح تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے آپس میں یزید کے متعلق یہ فرمایا تھا کہ اس میں نہ عزیمت و پختگی ہے اور نہ مروّت۔ بہرحال عباسی صاحب نے جو روایت یزید کی صفائی میں پیش کی ہے وہی اس کے برعکس حقیقتِ شرافت و مروت یزید کی پردہ کشائی کا سبب بن گئی۔ واللہ الہادی

حسین رضی اللہ عنہ کا سر نہیں کاٹا گیا (عباسی)

محمود عباسی صاحب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر کاٹا جانے سے بالکل انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری کی مندرجہ بالا حدیث میں ابن زیاد کے سامنے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر پیش ہونے اور اس کے ساتھ اس کی گستاخی کی تصریح پائی جاتی ہے۔ ہم عباسی صاحب کے وساوس و اوہام کی بنا پر حدیث بخاری کا انکار نہیں کر سکتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعہ روایات میں اس سلسلے میں مکذوبات کے انبار بھی ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اہل سنت کی مستند احادیث کا بھی انکار کر دیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ کر اگر ابن زیاد کے سامنے لایا گیا ہے تو یہ کوئی خلاف عقل اور باعث حیرت و استعجاب بات

نہیں ہے۔ جو لوگ انہیں قتل کر سکتے ہیں وہ سر بھی کاٹ سکتے ہیں۔ کیا عباسی پارٹی کے نزدیک قاتلانِ حسین سب معصوم ہی تھے؟

عباسی صاحب کی غلط بیانی

عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ علامہ ابن کثیر نے یہ بیان کیا ہے کہ سر کے جسم سے جدا کرنے کی روایت متفق علیہ نہیں۔ اور یہ بالکل بدیہی ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو ایک سر کی تدفین مختلف مقامات پر کیونکر ممکن ہو سکتی تھی۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۸۴)

الجواب

ایک سر کی مختلف مقامات پر تدفین کی روایات سے یہ نہیں لازم آتا کہ سرے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر کاٹا ہی نہیں گیا اور نہ ہمارے سامنے یہ بحث ہے کہ آپ کہاں مدفون ہیں۔ یہاں ہماری بحث سر کاٹے جانے اور ابن زیاد کے پاس لائے جانے میں ہے اور عباسی صاحب نے جو لکھا ہے کہ:۔

"علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ سر کے جسم سے جدا کرنے کی روایت متفق علیہ نہیں" یہ ان کی غلط بیانی ہے مجھے البدایہ والنہایہ میں ایسی عبارت نہیں ملی۔ بلکہ حافظ ابن کثیر نے تو صرف یزید کے پاس سر لے جانے میں اختلاف لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

وقد اختلف العلماء بعدها فی رأس الحسین هل سیّره ابن زیاد الی الشام الی یزید ام لاء علی قولین . الاظهر عنهما ان سیّرة الیه وقد ورد فی ذٰلك اٰثارٌ کثیرة فاللّٰه اعلم .

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۹۲)

"اور اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ کیا ابن زیاد نے اس کو شام میں یزید کے پاس بھیجا تھا یا نہیں۔ اس میں دونوں قول ہیں اور ان میں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس نے یزید کے پاس بھیجا تھا اور اس کے ثبوت میں زیادہ آثار وارد ہیں"۔

ابن کثیر کی مندرجہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ سر کاٹے جانے میں علماء کا اختلاف نہیں بلکہ یزید کے پاس لے جانے میں ہے اور خود ابن کثیر کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ یزید کے پاس سر بھیجا گیا تھا۔ واللہ اعلم

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ میں عباسی صاحب کی تلبیس

عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ ''راس الحسین'' میں لکھا ہے:۔

فمن نقل انه نکت بالقضیب ثنایا بحضرة انسؓ و ابی برزةؓ قدام یزید فهو کاذبٌ قطعاً کذباً معلوما بالنقل المتواتر ص ۱۸

''وہ قطعاً دروغ گو ہے جس نے انس وابو برزۃ (صحابہ) کی موجودگی میں یزید کا سرِ حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر چھڑی کی نوک مارنے کو بیان کیا ہے اس کا جھوٹ نقل متواتر سے ظاہر ہے'' (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۱۱)۔

(ب) نیز عباسی صاحب علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی منہاج النبوۃ سے یہ عبارت پیش کرتے ہیں:۔

وقد روی باسنادٍ مجهولٍ ان هٰذا کان قذاو یزید وان الرأس حمل الیه وانه هو الذی نکت علی ثنایاه وهذا مع انه لم یثبت ففی الحدیث ما یدل علی انه کذب فان الذین حضروا نکته بالقضیب من الصحابة لم یکونوا بالشام وانما کانوا بالعراق.

''اور مجہول سندوں سے روایت کی گئی ہے کہ یہ سر کالانا یزید کے آگے تھا اور وہ وہی ہے جس نے دانتوں پر چھڑی ماری تھی۔ اوّل تو یہ بات قطعاً ثابت نہیں دوسرے یہ کہ روایت ہی میں وہ بات موجود ہے جو اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہے یہ کہ جن صحابہ کی موجودگی میں چھڑی مارتے وقت بتائی جاتی ہے وہ اس وقت ملک شام میں ہی موجود نہ تھے بلکہ عراق میں

تھے"۔(خلافت معاویہ ویزید ص ۳۱۰)

الجواب

(ا) علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت جو عباسی صاحب نے نقل کی ہے وہ منہاج السنۃ جلد دوم ص ۲۴۹ کی ہے۔ اس میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اس بات کی نفی کی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک یزید کے پاس لایا گیا تھا اور یزید نے آپ کے دانتوں پر چھڑی ماری تھی لیکن آپ نے ابن زیاد کے پاس سر لے جانے کی نفی نہیں کی اور نہ ہی سر مبارک کاٹنے کی نفی کی ہے بلکہ آپ نے جمہور اہل سنّت کی تحقیق کے مطابق سر مبارک کا ابن زیاد کے پاس لے جانا تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مندرجہ عبارت سے پہلے علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

والذی ثبت فی الصحیح ان الحسینؓ لما قتل حمل رأسه الی قدام عبید اللّٰه بن زیاد و انه نکت بالقضیب علی ثنایاه وکان بالمجلس انس بن مالك رضی الله عنه و ابو برزة الاسلمی ففی صحیح البخاری عن محمد بن سیرین عن انس بن مالك رضی الله عنه قال اتی عبید اللّٰه بن زیاد براس الحسین فجعل فی طست فجعل ینکت وقال فی حُسنه شیئا فقال انسؓ کان اشبههم برسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم وکان مخضوبا بالوسمة.

(ایضاً منہاج السنۃ ص ۲۴۸ ج ۲)

"اور جو حدیث صحیح سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کے بعد آپ کا سر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا اور اُس نے آپ کے دانتوں پر چھڑی سے مارا اور اس مجلس میں انس بن مالکؓ اور حضرت ابو برزۃ رضی اللہ عنہ اسلمی (صحابہ) بھی موجود تھے۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس طشت (تھال) میں رکھ کر لایا گیا اور اس نے آپ کے دانتوں پر چھڑی ماری اور آپ کے حسن کے بارے میں کچھ کہا تو اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ تھے اور اس وقت آپ کی داڑھی میں وسمہ کا خضاب لگا ہوا تھا"۔

ناظرین! عباسی صاحب کی تلبیس اور علمی خیانت کا اندازہ لگائیں کہ پہلے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر تن سے جدا ہی نہیں کیا گیا پھر اس کے ثبوت میں علامہ ابن تیمیہ کی عبارتیں پیش کر دیں تا کہ قارئین یہ سمجھیں کہ ابن تیمیہ بھی اسی کے قائل ہیں حالانکہ ابن تیمیہ نے عباسی صاحب کی منقولہ عبارت سے پہلے صحیح بخاری کی حدیث سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ کا سر ابن زیاد کے پاس لایا گیا تھا نہ کہ یزید کے پاس اور ابن زیاد نے ہی آپ کے دانتوں پر چھڑی ماری تھی اور آپ نے یہاں صحیح بخاری کی وہ حدیث پیش کی ہے جو بندہ نے قبل ازیں نمبر (۴) کے تحت نقل کر دی ہے۔ یہ ہے محمود عباسی مورخ اور محقق کی علمی دیانت اور امانت کا حال۔ جس کو مولوی عظیم الدین صاحب وغیرہ امام اہل سنت لکھتے ہیں اور جن کی اسی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی مدح میں مولانا سندیلوی صاحب (سابق شیخ الحدیث) یوں رطب اللسان ہیں کہ:۔

"کتاب "خلافت معاویہ و یزید" تو زلزلہ فگن ثابت ہوئی اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے تعجب نہیں ہے مگر بعض اہل سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے خصوصاً دار العلوم دیوبند کا یہ اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک اہل السنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں" (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۱۹)۔

سندیلوی صاحب کی پوری عبارت کتاب ہذا میں بھی منقول ہے دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔

فرمائیے! سندیلوی صاحب حدیث بخاری کا انکار کرنا اور پھر حوالہ میں تلبیس و

خیانت کرنا کیا مذہب اہل السنّت والجماعت کے مخالف نہیں۔ اور صرف یہ نہیں بلکہ عباسی صاحب کی کتابوں میں اس طرح کی بیسیوں علمی خیانتیں پائی جاتی ہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہء آفتاب راچہ گناہ

جَعَلَ ینکت کے متعلق ایک یزیدی لطیفہ

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی منہاج السنۃ کے حوالہ سے ابن زیاد کی گستاخی کے متعلق بخاری شریف کے یہ الفاظ پہلے نقل کیے گئے ہیں کہ:۔

عن انس بن مالك رضى الله عنه قال اتى عبيد اللّٰه بن زياد برأس الحسين فجعل فى طستٍ فجعل ينكت وقال فى حُسنه شيئاً.

"یعنی حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس ایک طشت (تھال) میں رکھ کر لایا گیا اور اس نے آپ کے دانتوں پر چھڑی ماری اور آپ کے حسن کے بارے میں کچھ کہا"۔

حامیان یزید میں سے ایک صاحب نے جَعَل ینکت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ:۔ ابن زیاد نے آپ کی خوبصورتی کے متعلق کچھ نکتے بیان کئے۔ خوب کہا عجیب نکتہ سنجی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور وہ آپ کے حسن و جمال کی تعریف کر رہا ہے۔ قتل کرانے والا بھی وہی سر کٹوانے والا بھی وہی اور طشت میں سر مبارک ڈلوا کر آپ کے حسن و جمال پر نکتے بیان کرنے والا بھی وہی۔

وہی قتل بھی کرے ہے
وہی لے ثواب الٹا (ص ۱۹۰)

(۲) مذکورہ روایت کے متعلق یہ نکتہ آفرینی بھی کی گئی ہے کہ بخاری کے الفاظ تو صرف یہ تھے کہ:۔ فجعل ينكت اس میں کوئی چھڑی کا لفظ نہ تھا۔ نہ اس میں دانتوں، ناک، آنکھوں میں کوئی ٹھونکے مارنے کا ذکر ہے بعد میں محدث بزاز متوفی ۲۹۱ھ نے

روایت میں چھڑی کا ذکر کر دیا۔ پھر ان کے بعد طبرانی متوفی ۳۶۸ھ نے آنکھ اور ناک میں ٹھونکے مارنے کا ذکر کر دیا۔ یہ سب کچھ عباسی عہد میں سبائی قلمکاروں نے طرح طرح کے گل کھلائے ہیں۔

الجواب

(۱) بزاز اور طبرانی نے صحیح بخاری کے الفاظ ینکت کا ہی مطلب واضح کیا ہے۔ عربی لغت کی مشہور کتاب قاموس میں ہے۔ النکت ان تضرب فی الارض بقضیب فیؤثر فیہا. نکت اس کو کہتے ہیں کہ تو زمین میں لکڑی (چھڑی) مار کر کرید ے۔ اور حضرت امام حسین کے کسی حصہ کو ابن زیاد کے چھڑی مارنے کا قرینہ مسند احمد بن حنبل کی روایت کے یہ الفاظ ہیں جو حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں نقل کئے ہیں۔ (جلد ۸ ص ۱۹۰)

فجعل فی طستٍ فجعل ینکت عَلَیه ۔پس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر ایک تھال میں رکھا گیا اور ابن زیاد چھڑی سے اس پر ٹھونکے مارنے لگا۔ یہاں **عَلَیهِ** کو ملحوظ رکھا جائے۔ معلوم ہوا کہ نکت کا معنی ہی چھڑی سے ٹھونکے مارنا ہے اور راویوں نے اس کا مطلب ہی واضح کیا ہے۔ (۲) علاوہ ازیں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:۔

وقد رواه الترمذی من حدیث حفصة بنت سیرین عن انسؓ وقال حسن صحیح وفیه فجعل ینکت بقضیب فی انفه

''اسی کو ترمذی نے حفصہ بنت سیرین عن انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بیان کیا ہے یعنی ابن زیاد چھڑی سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ناک میں ٹھوکے مارنے لگا۔ امام ترمذی شاگرد ہیں امام بخاری کے ان کی روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت حسین کے جس حصہ پر ابن زیاد نے چھڑی سے ٹھوکیں ماری تھیں وہ آپ کا ناک تھا بہر حال بخاری کی حدیث میں سبائی قلمکاروں نے کوئی تصرف نہیں کیا۔ بلکہ راویوں نے ینکت کے معنی کی وضاحت کر دی۔ اللہ تعالیٰ فہم و دیانت عطاء فرمائیں۔ آمین

سرِ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے دربار میں (مورخ خضری)

گو یزید کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لے جانے میں اختلاف ہے۔ لیکن مورخ شیخ محمد الخضری مصری اس کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔

ولم يكن الا قليل وقت حتى قتل الحسينؓ وسائر من معه وعدة من قتل اثنان و سبعون رجلا وقتل من اصحاب ابن سعد ۸۸ رجلاً ثم اخذوا رأس الحسينؓ وحملوها الى ابن زياد ومعها بنات الحسينؓ واخوته ومعهم على بن الحسين صغير مريض فامر ابن زياد بحمل الرأس ومعها نساء والصبيان الى يزيد .

(محاضرات تاريخ الامم الاسلاميه ج۲ ص۱۲۹)

"اور تھوڑے ہی وقت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی قتل ہو گئے اور آپ کے ۷۲ مرد مقتول ہوئے اور ابن سعد کے مقتولوں کی تعداد ۸۸ تھی۔ پھر وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر اُٹھا کر ابن زیاد کے پاس لے گئے اور اس کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں اور ہمشیرگان بھی تھیں اور ان کے ساتھ علی بن حسین (یعنی زین العابدین) چھوٹے تھے اور بیمار تھے۔ پھر ابن زیاد نے آپ کا سر یزید کے پاس لے جانے کا حکم دے دیا اور اس کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی گئے"۔

ابن زیاد نے یزید کو فاسق کہا اور اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا

حافظ ابن کثیر محدث لکھتے ہیں:۔

وقد كان يزيد كتب الى عبيد الله بن زياد ان يسير الى ابن الزبير فيحاصره بمكة فأبىٰ عليه وقال والله لا اجمعهما للفاسق ابداً . اقتل ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم واغزو البيت الحرام؟ وقد كانت أمُّه مرجانة قالت له

حین قتل الحسینؓ ویحك ماذا صنعت وماذا رکبت و عنّفته تعنیفاً شدیدا (البدایه والنهایه ج۸ ص۲۱۹)

"اور یزید نے عبید اللہ بن زیاد کی طرف یہ لکھا کہ وہ (حضرت) عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی طرف جائے اور مکہ میں ان کا محاصرہ کرے تو ابن زیاد نے انکار کر دیا اور کہا کہ بخدا میں اس فاسق کے لئے ان دو باتوں کو اکٹھا نہ کروں گا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو بھی قتل کروں اور بیت حرام سے بھی جنگ کروں۔ اور اس کی ماں مرجانہ نے بھی اس سے (یعنی ابن زیاد) سے کہا جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تھے کہ تجھ پر ہلاکت ہو تو نے کیا کیا ہے اور تو کس راہ پر چلا ہے۔ اور اس نے اس کو بہت سخت سست کہا تھا"۔

ابن زیاد کو اس کی والدہ نے خبیث کہا

(ب) ابن زیاد کے حالات میں حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

قالت مرجانة لابنها عبید اللّٰه یا خبیث قتلت ابن بنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا تری الجنّة ابداً.

(البدایه والنهایه جلد۸ ص۲۸۶)

"مرجانہ نیا پنے بیٹے عبید اللہ بن زیاد سے کہا کہ اے خبیث! تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کیا ہے تو کبھی بھی جنت نہیں دیکھے گا"۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر ابن زیاد کو اس کی ماں نے بھی ملامت کی تھی اور اس کا اپنا نفس بھی اس پر ملامت کرتا تھا۔ اور یزید کو بھی وہ بجائے صالح اور متقی کے فاسق گردانتا تھا اسی وجہ سے اُس نے اُس کا دوسرا حکم ماننے سے انکار کر دیا جس میں بیت اللہ کی بے حرمتی لازم آتی تھی۔ واللہ اعلم

ابن زیاد کا عبرتناک انجام

مختار ثقفی کے دور میں ابراہیم بن الأشتر کے مقابلہ میں ۱۰ محرم ۶۷ھ میں ابن زیاد

قتل ہو گیا تو ابن الأشتر نے اس کا سر اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے سر (کاٹ کر) مختار کے پاس بھیج دیئے چنانچہ حافظ ابن کثیر محدث لکھتے ہیں:۔

لما جیئی براس ابن مرجانہ و اصحابہ طرحت بین یدی المختار فجاء ت حیّة رقیقة ثم تخللّت الروس حتی دخلت فی فم ابن مرجانة وخرجت من نخره ودخلت من منخره وخرجت من فمه وجعلت تدخل وتخرج من راسه من بین الرؤس . ورواه الترمذی من وجه اُخر بلفظ اُخر . عن عمارة بن عمیر قال لما جیئی براس عبید الله واصحابه فنضدت فی المسجد فی الرحبة فانتیهت الیها وهم یقولون . قد جاء ت قد جاء ت تخلّل الرؤس حتی دخلت فی منخری عبید اللّٰه بن زیاد. فمکثت هنیئة ثم خرجت فذهبت حتی تغیّبت ثم قالوا قد جآء ت قد جآء ت ففعلت ذلك مرّتین او ثلثاً . قال الترمذی . وهذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ (البدایه والنهایه ج۸ص۲۸۶)

''جب ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) اور ان کے ساتھیوں کے سر مختار ثقفی کے آگے ڈالے گئے تو ایک باریک سانپ آیا اور ان کے سروں میں گھستا ہوا ابن زیاد کے منہ میں داخل ہوا اور اس کے نتھنے سے باہر نکل گیا اور پھر اس کے نتھنے میں داخل ہوا اور اس کے منہ سے باہر نکل گیا۔ اسی طرح وہ دوسروں کے سروں کے درمیان اس کے اندر داخل ہوتا اور نکلتا رہا۔ یہ روایت ترمذی نے دوسری سند سے دوسرے الفاظ میں بیان کی ہے''۔

عمارہ بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ جب عبید اللہ ابن زیاد اور کے ساتھیوں کے سر مسجد کے اندر کھلے میدان میں رکھے گئے تھے تو میں ان کے پاس گیا اور لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ وہ آیا وہ آیا۔ تو دیکھا کہ ایک سانپ ان سروں میں سے گزرتے ہوئے عبید اللہ بن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہوا اور کچھ دیر اندر ٹھہر کر پھر نکلا اور چلا گیا حتیٰ کہ غائب ہو گیا۔ پھر

لوگ کہنے لگے کہ وہ آ گیا وہ آ گیا۔ پھر اس نے اسی طرح دو مرتبہ یا تین مرتبہ کیا۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (نوٹ) ترمذی شریف کی یہ حدیث کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین میں مذکور ہے۔

یہ ہے انجام اس ابن زیاد کا جس نے ظلماً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جن کو دینی اور شرعی عظمت حاصل تھی اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص محبوب تھے۔ رضی اللہ عنہ و عن سائر الصحابة واهل البيت اجمعين۔

ابن سعد کا حشر

اسی طرح عمرو بن سعد کا بھی خاتمہ خراب ہوا۔ اس کو بھی مختار ثقفی نے قتل کروا دیا اور اس کا سر حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجتے ہوئے کہا کہ:۔

قد بعثت اليك براس عمرو بن سعد و ابنه وقد قتلنا ممن اشترك فى دم الحسين واهل بيته كل من قدرنا عليه. (البدایه والنهایه جلد۸ ص ۲۷۴)

"میں آپ کی طرف عمرو بن سعد اور اس کے بیٹے کا سر بھیج رہا ہوں جو لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے گھر والوں کے قتل میں شریک تھے ان میں سے جس جس پر ہم نے قابو پایا ہے اس کو قتل کر دیا ہے"۔

یہ مختار ثقفی خود ظالم تھا۔ حدیث میں حجاج بن یوسف کو مُبیر (ہلاک کرنے والا) اور اسی مختار ثقفی کو کذّاب کہا گیا ہے کیونکہ اس نے شروع میں حُبِّ اہل بیت کا دعویٰ کیا اور آخر میں خود یہ دعویٰ کر دیا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آیا کرتے ہیں۔ لیکن خدائے بے نیاز نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کو ظلماً شہید کرنے والوں کو ایک ظالم کے ہاتھ سے ہی قتل کرایا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر محدث رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله لَيُؤيِّد هذا الدين بالرجل الفاجر . وقال تعالىٰ فى كتابه الذى هو افضل

ما یکتبہ الکاتبون (وَكَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. (سورۃ الانعام ع ۱۵)

"اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید کسی فاجر شخص کے ذریعہ بھی کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب (قرآن) میں جو سب کتابوں سے افضل ہے فرمایا ہے کہ:۔ اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں بوجہ ان کے اعمال کے"۔

مطلب یہ ہے کہ گو مختار ثقفی بھی ظالم تھا اور بعد میں مرتد کافر بھی ہو گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو ان لوگوں پر مسلط کر دیا جنہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا کروایا تھا۔

شمر ذی الجوشن

شمر ذی الجوشن بھی اس جیش کا امیر تھا جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ یہ بھی ۶۶ھ میں مختار ثقفی کے لوگوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کو دنیا میں ہی بہت جلدی عبرتناک سزا دے دی

نہ جا اس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اسکی
ڈر اس کی سخت گیری سے کہ ہے سخت انتقام اسکا

عباسی صاحب اور ان کی پارٹی یزید، ابن زیاد، ابن سعد اور شمر وغیرہ کی صفائی پیش کرتے ہیں۔ ان کو اسلام کی نامور شخصیات قرار دیتے ہیں اور پھر امام حسین رضی اللہ عنہ سے ان کی قرابت داریوں کی فہرست پیش کر دیتے ہیں اور اس طرح واقعات کا مذاق اُڑاتے ہیں کہ ان قرابتوں کے باوجود کیا وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر ظلم کر سکتے تھے؟ لیکن یہاں وہ جان بوجھ کر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ عقائد و نظریات کے اختلاف میں عموماً قرابتیں حائل نہیں ہوتیں۔ کیا غزوہ بدر میں ابوجہل اور اس کی پارٹی کی رحمتہ اللعالمین ﷺ کے ساتھ کوئی قرابت نہیں تھی۔ کیا ابولہب حضور ﷺ کا چچا نہیں تھا۔ جس کو قرآن نے ایک مستقل سورۃ میں جہنمی قرار دیا ہے۔ فرمایئے کیا جنگ جمل اور جنگ صفین میں قرابت داروں کی باہمی آویزش نہ تھی۔ گو نوعیت جنگوں کی جدا جدا ہے لیکن

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے سلسلہ میں قرابتداریوں کا وعظ پیش کرنا تو بالکل ایک بے اصولی سیاست ہے اور برعکس اس کے جب امام حسین رضی اللہ عنہ کا موقف پیش کیا جاتا ہے اور رحمتہ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی مخصوص قرابت کا ذکر آتا ہے تو ان کے خلاف تلوار اُٹھانا سب کچھ جائز ہو جاتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی (عباسی)

چنانچہ دور حاضر میں یزیدی پارٹی کے سرگروہ عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔

"حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی تلوار اگر ام المومنین عائشہ صدیقہ زوجہ مطہرہ حبیب رسول اللہ صلوات اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے اور اس ہودج پر تیر برسائے جاسکتے ہیں۔ جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہو اور ماں بھی وہ جو حجتِ دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہو۔ تو حضرت حسین کے خلاف تلوار کیوں نہیں اُٹھائی جاسکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے ان کی کوئی سند پیش کی جاسکتی ہے نہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائم آل البیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ امت اس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی بلکہ کسی درجہ میں بھی اسے قابل اعتنا نہیں سمجھا حتی کہ ان لوگوں نے بھی نہیں جو اپنی دانست میں خلافت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی وراثت سمجھتے تھے"۔

(خلافتِ معاویہ ویزید ص ۲۰۳)

الجواب

(۱) عباسی صاحب نے یہاں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام لے کر محض جذبات بھڑکانے کی کوشش کی ہے جس طرح قضیہ باغ فدک کے سلسلہ میں شیعہ

علماء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نام سے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے خلاف جذبات بھڑکاتے ہیں اسی طرح جنگ جمل کے سلسلہ میں خارجی امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی آڑ لے کر قرآن کے خلیفہ موعود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف ذہن ابھارتے ہیں۔ حالانکہ حقیقتاً یہاں کوئی اشکال نہیں ہے۔ یہ ایک وقتی اختلاف تھا جو بعد میں رفع ہو گیا اور فریقین رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کا مصداق تھے۔ ان کا یہ اجتہادی اختلاف نیک نیتی پر مبنی تھا۔ خارجی فتنہ حصہ اوّل میں مشاجرات صحابہ کرام پر حسبِ ضرورت کافی بحث آ چکی ہے دوبارہ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا یزید کی ولی عہدی کا طریق بھی قرآن، حدیث اور تعامل خلفائے راشدین پر مبنی ہے۔ کیا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن الزبیر اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ حضرت حسین رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام نے یزید کی ولی عہدی کی مخالفت نہیں کی تھی اور پھر یزید کی بیعت خلافت کی کیا حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت نہیں کی۔ اور پھر کیا حرمین شریفین کے صحابہ اور تابعین کی اکثریت نے یزید کی بیعت فسخ نہیں کر دی تھی؟ واقعات حرہ وغیرہ پر تبصرہ اپنے مقام پر کیا جائے گا۔

(۳) عباسی صاحب یہ بھی تصریح کر چکے ہیں کہ:۔

> ''بہر حال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا'' (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۰۲)

فرمایئے اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا تو پھر ان کے خلاف تلوار اُٹھانے کا کیا جواز تھا جیسا کہ وہ لکھ رہے ہیں کہ:۔

> ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اُٹھائی جا سکتی؟''

(۴) آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ:۔

"جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے"۔

فرمائیے کہ طہارت طینت کا یہی تقاضا ہو سکتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خلافِ اصولِ اسلام محض وراثت خاندانی کے تحت سب کچھ قربان کر دیں؟

عباسی صاحب کا یہ نظریہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلوص و تقویٰ کے انکار پر مبنی ہے۔ بے شک شیعہ مذہب میں تو منصب امامت موروثی ہے جو بارہ اماموں کو بالترتیب ملا ہے لیکن سنّی مذہب میں خلافت اہلیت پر مبنی ہے نہ کہ توریث پر۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم موروثی خلافت کے قائل ہوتے تو پھر حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ کو کیوں تسلیم کرتے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کیوں سپرد کرتے؟ کچھ تو عقل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔

کیا ابن سعد صحابی ہے "عباسی کی غلط بیانی"

فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ کے فضائل مسلّم ہیں لیکن محمود احمد عباسی صاحب ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے کے بعد ان کا بیٹا ہونے کی وجہ سے عمرو بن سعد کے فضائل بھی منوانا چاہتے ہیں لکھتے ہیں:۔

"ان ہی کے یہ فرزند عمر بن سعد امیر عسکر کوفہ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تولد ہوئے۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں بزمرۂ صغار صحابہ ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔ عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری۔ انہ ولد فی عهد النبی صلی اللہ علیه وسلم عمرو بن سعد بن ابی وقاص زہری۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تولد ہوئے (ج ۳ ص ۱۷۳)۔

"عہد نبوی کے یہ مولود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کے فرزند۔ بچپن میں جن کی آنکھیں جمال نبوی سے منور ہوئیں جنہوں نے عشرہ مبشرہ کے ایک جنتی صحابی

کی گود میں پرورش پائی جن کے گھرانے کے چند در چند تعلقات قرابت خاندان نبوت سے قائم تھے جن کے دادا کی حقیقی بہن ہالہ بنت وہب نبی کریم ﷺ کے چچا سید الشہداء حمزہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ان ہی بزرگوں کی گودوں، ان ہی کے آغوش محبت و شفقت میں اور ایسے پاک ماحول میں عمر بن سعد نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں۔ خود بھی صنعاء صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے اور قربت کے کتنے ہی قوی سلسلے خاندانِ نبوت سے ان کو پیوستہ کئے ہوئے تھے۔ معمولی کردار کا کوئی عرب بھی خصوصاً قریش کے ممتاز گھرانے کا کوئی فرد تعلقات قرابت سے برگشتہ و منحرف نہیں ہوسکتا تھا یہ تو اہل عرب کا نسلی و خاندانی شیوہ ہی نہیں جبلت تھی۔"

(خلافت معاویہ و یزید ص ۲۳۰ طبع چہارم)

الجواب

(۱) یہ تو پدرم سلطان بود والا قصہ ہے۔ ابن سعد کے بارے میں تو عباسی صاحب نے ساری قرابتوں کی تفصیل بیان کر دی لیکن جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا تذکرہ آتا ہے تو سب کچھ بھول جاتے ہیں اور پوری وضاحت سے لکھتے ہیں:-

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تلوار اگر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ زوجہ مطہرہ حبیبہ رسول اللہ صلوات اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہوسکتی ہے اور اس ہودج پر تیر برسائے جا سکتے ہیں جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہو اور ماں بھی وہ جو حُجتِ دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہو تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اُٹھائی جاسکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے۔ (ایضاً ص ۲۰۳)

خود عباسی صاحب یہاں تحفظِ دین کی خاطر نواسہء رسول ﷺ کے خلاف تلوار اُٹھانے کا جواز پیش کر رہے ہیں تو اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ ابن سعد نے بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قرابت داری کو نظر انداز کر کے آپ کو قتل کرایا ہوگا۔ جب بقول عباسی

خلیفہء راشد حضرت علی المرتضیٰ اور امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے درمیان تلوار چلی اور کسی نے قرابتداری کا اور تعلق نبوی کا لحاظ نہ کیا تو یہاں ابن سعد نے کیوں اس کا لحاظ کیا ہوگا۔ اور پھر کیا عباسی صاحب اور ان کی پارٹی یہ نہیں جانتے کہ مکی دور نبوی میں کفار نے قرابتداری کا لحاظ نہیں کیا۔ اور غزوۂ بدر میں اقرباء نے ہی ایک دوسرے کے خلاف تلوار چلائی۔ غزوۂ احد میں قریش کے ہاتھوں ہی محبوب خدا ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ ستّر اصحابِ رسول ﷺ نے جامِ شہادت نوش فرمایا وغیرہ۔ تو کربلا میں اچانک قرابتداریاں کیونکر ابن سعد و شمر ذی الجوشن وغیرہ کے مظالم میں حائل ہوگئی تھیں۔ قرابتداریوں کا وعظ سُنا کر حقائق پر پردے نہیں ڈالے جاسکتے۔

(۲) عباسی صاحب نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دے کر ابن سعد کا جو صغار صحابہ میں شمار ہونا ثابت کیا ہے تو یہ بھی ان کی غلط بیانیوں مین سے ایک ہے جن پر ان کی ریسرچ (تحقیق) کا دارومدار ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن فتحوں کے حوالہ سے یہ روایت لکھی ہے کہ:۔

كتب عمر بن الخطاب الى سعد بن ابى وقاص ان الله قد فتح الشام والعراق فابعث من قبلك جنداً الى الجزيرة فبعث جيشاً مع عياض بن غنم و بعث معه عمر بن سعد وهو غلام حديث السن و كذا رواه يعقوب بن سفيان والطبرى من طريق سلمة بن الفضل عن ابن اسحٰق . قال و كان ذلك سنة تسع عشرة قال ابن فتحون من كان فى هذه السنة يبعث فى الجيوش فقد كان لا محاله مولودًا فى عهد النبى صلى اللّٰه عليه وسلم . قال ابن فتحون فقد عارض هذا ما هوا قوى منه ففى الصحيحين من طريق ابن شهاب عن عامر بن سعد عن ابيه قال مرضت بمكة فعادنى رسول اللّٰه صلى الله عليه واٰله وسلم فقلت يا رسول الله

صلی اللہ علیہ والہ وسلم انی ذومال لا یرثنی الا ابنة الحدیث . ففی روایة مالك و الجمهور ان ذلك کان فی حجة الوداع وفی روایة ابن عینیة فی الفتح (قلت) قد جزم امام المحدثین یحیی بن معین بان عمرو بن سعد ولد فی سنة التی مات فیها عمر بن الخطاب ذکر ذلك ابن ابی خیثمة فی تاریخه .

(الاصابة فی تمییز الصحابة ج ۳ ص ۱۷۲ طبع بیروت)

''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو یہ لکھا کہ:۔ اللہ تعالیٰ نے شام اور عراق کی فتح عطاء فرمائی ہے آپ اپنی طرف سے جزیرہ کی طرف بھی ایک لشکر بھیج دیں۔ پس آپ نے حضرت عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم کی قیادت میں ایک جیش بھیج دیا اور ان کے ساتھ عمر بن سعد کو بھیجا جو اس وقت نوعمر لڑکے تھے۔ اسی طرح روایت کیا ہے اس کو یعقوب بن سفیان اور طبری نے سلمة بن فضل عن ابن اسحٰق کے طریق سے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ۱۹ھ کا واقعہ ہے۔ ابن فتحون کہتے ہیں کہ جو شخص اس وقت اتنی عمر کا ہو کہ اس کو جیوش کے ساتھ بھیجا جائے وہ ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوا ہوگا۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمر بن سعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوا ہوگا۔ (اس کے متعلق) ابن فتحوں کہتے ہیں کہ اس روایت سے ایک دوسری اس سے قوی روایت کا تعارض ہے جو صحیحین (یعنی بخاری و مسلم) میں ابن شہاب عن عامر بن سعد بن ابی وقاص کی سند سے مروی ہے حضرت سعد بن ابی وقاص کے بیٹے عامر کہتے ہیں کہ ان کے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص) نے فرمایا کہ میں مکہ میں بیمار ہو گیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت (بیمار پرسی) فرمائی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میں صاحبِ دولت ہوں اور سوائے ایک بیٹی کے کوئی میرا وارث نہیں ہے) اور مالک کی روایت میں یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک یہ واقعہ حجة

الوداع کا ہے اور ابن عیینۃ کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے (ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ امام المحدثین یحیٰ بن معین جزماً فرماتے ہیں کہ عمر بن سعد کی پیدائش اسی سال کی ہے جس میں حضرت عمر بن الخطاب نے انتقال فرمایا ہے۔ اس کا ذکر ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں کیا ہے"۔

ناظرین! مورخ عباسی صاحب کی شانِ تحقیق ملاحظہ فرمائیں کہ ابن سعد کے صحابی ہونے کا قول شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف منسوب کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے بعض کا یہ قول پیش کر کے (قلتُ) سے اس قول کی تردید میں امام المحدثین یحیٰ بن معین کی تحقیق پیش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کی مندرجہ روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر (جو ۹ھ میں ہوا ہے) حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے ہاں ایک ہی بچی تھی اور اس کے بعد ابن سعد کی پیدائش حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سنِ شہادت ۲۴ھ میں ہوئی ہے اس حساب سے ابن سعد کے بعہد نبوی پیدا ہونے کا قول بالکل بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔ عباسی صاحب نے یہ خیانت اور تلبیس کی ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی پوری عبارت نہیں لکھی جس سے حقیقت بے نقاب ہوتی تھی اور تعجب ہے کہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی بھی عباسی صاحب کی تحقیق قبول کر کے کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کی تعریف وتائید کر رہے ہیں۔

(۳) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں بھی یہی تحقیق پیش کی ہے کہ ابن سعد حضرت عمر فاروق کی وفات کے سال میں پیدا ہوا ہے۔ اس میں عجلی کا قول پیش کیا ہے کہ هو تابعی ثقة وهو الذی قتل الحسين رضی اللہ عنہ یعنی ابن سعد تابعی ہے اور ثقہ، اور اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

وقال ابن ابی خيثمة عن ابن معين كيف يكون من قتل الحسين ثقة.

"ابن ابی خیثمہ محدث یحیٰ بن معین سے بیان کرتے ہیں کہ جس نے حضرت

حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے وہ ثقہ کیونکر ہو سکتا ہے''

(ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۴۵۱)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۴۸ھ نے بھی عجلی کا قول نقل کر کے حضرت یحییٰ بن معین کے قول سے اس کی تردید کی ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۹۸)

خارجیت کے آثار

خارجیت اور بغض حسین رضی اللہ عنہ کے یہی تو آثار ہیں کہ عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تو حبِّ جاہ کا طالب قرار دے کر ان کی توہین کی لیکن ان کی قاتل پارٹی کے ایک سرغنہ عمرو بن سعد کو (شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ کی عبارت کا غلط مطلب بیان کر کے) صحابی ثابت کر دیا۔ یزید ہو یا ابن زیاد، عمرو بن سعد ہو یا شمر ذی الجوشن جمہور اہل السنت کی تحقیق میں یہ لوگ فسق و ظلم کے مرتکب ہیں لیکن عباسی صاحب اور ان کی پارٹی کے نزدیک یہ سب عادل، صالح، متقی اور حق پرست ہیں۔

خارجی کون؟ ایک پمفلٹ

میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل کی اشاعت کے بعد ۲۴ صفحات کا ایک پمفلٹ بنام خارجی کون؟ مرتبہ مولانا غلام نبی کراچی سے شائع ہوا ہے۔ یہ مولانا غلام نبی کون ہیں؟ کراچی والے جانتے ہوں گے۔ اس پمفلٹ کی امتیازی شان یہ ہے کہ نہ شروع میں بسم اللہ یا حمد و ثنا اور درود و سلام ہے نہ آخر میں بلکہ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہے:۔

''آپ نے ایک جاٹ اور ایک تیلی کا واقعہ تو سنا ہو گا اگر نہیں سنا تو سماعت فرمائیں''۔

اس پمفلٹ میں انہوں نے خارجی اور ناصبی کا مفہوم بیان فرمایا ہے اسی سلسلے میں انہوں نے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ پر کڑی تنقید کی ہے حالانکہ ان کی کتاب حدیث نسائی صحاح ستہ میں شامل ہے۔ پھر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت شاہ صاحب نے اس واقعہ (یعنی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی موت) کا گہرا جائزہ نہیں لیا۔

اور پھر فرماتے ہیں کہ:۔ بہرحال شاہ صاحب نے اپنے علم وفضل کے باوجود یہاں ''نامبہ'' کے لفظ کا صحیح استعمال نہیں کیا۔ (ص ۱۸) پھر لکھتے ہیں کہ:۔ ''نواب حبیب الرحمن خان شروانی نے تو کمال ہی کر دیا۔ انہوں نے یہ واقعہ بیان کر کے دمشق کے لوگوں کو کلیتاً خارجی قرار دے دیا''۔ اس کے بعد بندہ پر کرمفرمائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ اسی سلسلہ میں عظیم ترین کارنامہ حضرت مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم بانی وامیر تحریک خدام اہل السنّت والجماعت نے انجام دیا ہے۔ موصوف نے حال ہی میں ایک ضخیم کتاب ''خارجی فتنہ'' کے نام سے تصنیف فرمائی ہے۔ خیر سے اس تصنیف لطیف کا پہلا حصہ ہی منظر عام پر آیا ہے لیکن یہ حصہ ہی چھ سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور کیوں نہ ہو، موصوف نے ہر قابل حصول ماخذ سے متعلق اور غیر متعلق مواد کو سمیٹ کر وزن بڑھانے کے لئے اس کے دامن کو وسیع کیا ہے غالباً اس کو ''آرٹ'' کہا جاتا ہے۔ لیکن مواد کی فراہمی کی دھن میں انہوں نے اس بات کی بھی پروا نہیں کی ہے کہ ''جن لوگوں کو وہ خارجیت کا خلعت عطا فرما رہے ہیں ان کے قامت پر یہ جامہ فٹ بھی ہو سکے گا یا نہیں''۔ اسی سلسلہ میں بندہ کے متعلق فرماتے ہیں:

حیرت ہے کہ مولف موصوف جو امیر تحریک خدام اہل السنّت والجماعت ہیں سبائیوں کی گھڑی ہوئی روایتوں پر بھروسہ کر کے جماعت صحابہ میں سے کسی کو حق پر بتاتے ہیں اور کسی کو خطا پر اور اپنے اس فیصلہ کی تائید میں ان لوگوں کے اقوال پیش کرتے ہیں جن کی حیثیت صحابہ کے مقابلہ میں وہی ہے جو خود مولف موصوف کی ہے خاص طور پر سابق مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب کا ایک فتویٰ نقل کر کے امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی پر گویا مہر تصدیق ثبت کر دیتے ہیں۔ مفتی صاحب کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ (ص ۲۰) آخر میں مرتب موصوف لکھتے ہیں:۔ یہاں ایک بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ اگر مفتی صاحب صلح جویانہ انداز اختیار کر کے اس خطا کو خطائے اجتہادی قرار دیتے ہیں اور اس جرم کو بے ضرر سمجھتے ہیں تو کوئی دوسرا شخص بھی ان ہی کی طرح اپنے وجدان کو کام میں لا کر اور اس فتویٰ

میں تھوڑی سی ترمیم کر کے ان الفاظ میں پیش کر سکتا ہے:۔

”جنگ جمل میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خطا پر، اسی طرح جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب حق پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خطا پر۔ البتہ ان دونوں کی خطاؤں کو اجتہادی خطائیں قرار دیا جائے گا جو شرعاً گناہ نہیں“۔

کیا مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس فیصلہ پر راضی ہو جاتے؟ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم راضی ہو جائیں گے؟ ہمیں یقین ہے کہ نہ مفتی صاحب اس پر راضی ہوتے اور نہ قاضی صاحب راضی ہوں گے اور اس شخص کو نہ صرف خارجی بلکہ فاسق و فاجر اور مشرک بنا ڈالیں گے۔ (ایضاً ص ۲۲ تا ۲۴)

الجواب

(۱) خارجیت اور ناصبیت کیا ہے اس کے متعلق میں نے پہلے بحث کر دی ہے اور محققین کی عبارات پیش کر دی ہیں۔ لیکن پمفلٹ کے مرتب صاحب موصوف کے نزدیک جب امام نسائی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہ اکابر ان کے معیار پر پورے نہیں اُترتے تو بندہ ناکارہ کی کیا حیثیت ہے؟ غالباً ان کے نزدیک میرا بڑا جرم یہ ہے کہ میں نے اپنی کتاب کا نام ”خارجی فتنہ“ رکھا ہے۔ وہ سنّیت کا نقاب اوڑھ کر خارجیت اور ناصبیت پھیلانے کے حامی نظر آتے ہیں اور میں نے خارجیت اور ناصبیت کو بے نقاب کر دیا ہے۔

(۲) اجتہادی خطا حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے

میں نے مشاجرات صحابہ کی بحث میں اہل السنّت والجماعت کا ہی مسلک حق پیش کیا ہے اور اس سلسلے میں اکابر اہل السنّت کی عبارات پیش کی ہیں۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرات اکابر دیوبند کی تحقیقات پیش کی ہیں انہی میں مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد

شفیع رحمۃ اللہ علیہ صاحب مفتی اعظم پاکستان کی عبارت بھی ہے جس پر مرتب صاحب نے اعتراض کیا ہے۔ ان کے اعتراض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خطائے اجتہادی کو خلاف حق سمجھتے ہیں حالانکہ حق کا تقابل باطل سے ہے نہ کہ اجتہادی خطا سے۔ اجتہادی خطا تو حق کے دائرہ میں ہوتی ہے۔ اسی لئے حسب حدیثِ بخاری اس پر بھی مجتہد کو ایک اجر ملتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم ان کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کرنے میں کسی قسم کی کوئی تنقیص وتوہین نہیں ہے جیسا کہ بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں اس پر تفصیلی بحث کردی ہے۔

(۳) باقی رہا مرتب صاحب کا مذکورہ سوال تو یہ بھی کم فہمی پر مبنی ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خطائے اجتہادی کا صدور نہیں ہوسکتا۔ زیر بحث مسئلہ تو صرف یہ ہے کہ جنگِ جمل اور صفین میں وہ مصیب تھے یعنی ان کا اجتہاد صحیح تھا اور اس کی دلیل میں نے یہ بیان کی ہے کہ آپ خلفائے ثلاثہ کی طرح ان کے بعد قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد ہیں وہ بھی آیت استخلاف اور آیتِ تمکین کا مصداق ہیں۔ اگر مرتب صاحب موصوف اپنی پارٹی کے کسی مستند عالم سے یہ ثابت کرادیں کہ قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے بعد متصلاً آپ ہی خلیفہ راشد تھے نہ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ اس لئے کہ قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کرنے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے تو اسلام کی تاریخ میں یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہوگا۔

ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ.

گو پمفلٹ ''خارجی کون؟'' کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے اور مشاجراتِ صحابہ کی مفصل بحث خارجی فتنہ حصہ اوّل میں آچکی ہے۔ مگر اس وجہ سے اس پر مختصراً تبصرہ کردیا ہے کہ اگر کسی ناواقف کو اس پمفلٹ کے مطالعہ سے کوئی شبہ لاحق ہوجائے تو اس کا ازالہ ہوسکے۔

وَمَا توفیقی الا باللہ العلی العظیم

مولانا حکیم عبدالشکور مرزاپوری کا رسالہ اور ایک شبہ کا ازالہ

ایک رسالہ بنام ''شہادتِ حسین'' مؤلفہ حضرت مولانا حافظ حکیم عبدالشکور صاحب حنفی مرزاپوری ادارہ تحفظ ناموس اہل بیت پاکستان (کراچی) نے شائع کیا ہے۔ جس میں امام اہل السنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ بھی درج ہے۔ یہ رسالہ قیام پاکستان سے پہلے ہندوستان میں قاتلانِ حسین کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اس میں حضرت مولانا حکیم عبدالشکور صاحب حنفی مرحوم نے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے کہ:۔ قاتلان حسین رضی اللہ عنہ سنّی تھے یا شیعہ۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ:۔ معلوم ہوا کہ ابن زیاد دشمن آل رسول نہ تھا (ص ۱۰) معلوم ہوا کہ ابن سعد کے دل میں امام کی عظمت اور وقعت تھی (ص ۱۱) نیز لکھتے ہیں کہ:۔ الغرض مذکورالصدر شواہد اس امر کے بیّن ثبوت ہیں کہ نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کا دامن امام حسین رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق سے پاک ہے بلکہ ابن زیاد، ابن سعد اور شمر یہ تینوں بھی قتل حسین رضی اللہ عنہ سے بری ہیں۔ (ص ۱۳)

اس قسم کی عبارات پر کسی سنّی نما شیعہ شیخ صاحب نے اعتراضات لکھے تو مولانا عبدالشکور مرزاپوری رحمہ اللہ نے ان کا مفصل جواب لکھا اور تصریح کی کہ:۔ میں نے اپنے دعویٰ کو کتب اہل السنّت سے نہیں بلکہ صرف کتب شیعہ سے مدلّل کیا ہے (دشمنان حسین ص ۸۳) بحوالہ ماہنامہ النجم لکھنؤ ۷۔۲۱ رمضان ۱۳۴۶ھ) نیز یہ لکھتے ہیں کہ:۔ اصل یہ ہے کہ میری تحریر الزاماً اور آپ کی تحریر بطور دفع الزام کے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یزید ابن زیاد، ابن سعد اور شمر ذی الجوشن کی صفائی جو مولانا مرحوم نے رسالہ:۔ ''قاتلان حسین رضی اللہ عنہ میں پیش کی ہے وہ شیعہ مذہب کی کتب کی بناء پر الزاماً ہے نہ کہ تحقیقاً۔ یہی وجہ ہے کہ ان عبارات کی بنا پر جب شیخ صاحب نے مولانا مرحوم کو یزیدی کے لفظ سے خطاب کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

پھر اس کی تائید میں جناب نے اُسد الغابہ، عمدۃ القاری، تاریخ طبری اور تاریخ کامل کی عبارت نقل فرما کے مجھے بلفظ یزیدی مخاطب کر کے تبرا گوئی کا حق ادا کیا ہے۔

جناب سے یہ تو نہ ہوسکا کہ کتب شیعہ سے الزام دفع کرتے (ایضاً النجم ص ۹۰) اس جواب سے واضح ہے کہ دیگر اکابر اہل السنّت کی طرح مولانا عبدالشکور مرزاپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی یزید کو اچھا نہیں سمجھتے تھے ورنہ وہ اگر عباسی صاحب اور ان کے معتقدین کی طرح یزید کو صالح اور متقی قرار دیتے تو پھر یزیدی کے خطاب پر ناز کرتے نہ یہ کہ اس کو تبرا بازی قرار دیتے۔

سنی حنفی اور صدیقی وغیرہ نسبتیں

محبوب سے نسبت بھی محبوب ہوتی ہے۔ سُنّی حنفی اور چشتی، قادری، نقشبندی اور سہروردی ہونا بھی تو نسبتیں ہی ہیں۔ جن کو باعث شرف و عزت سمجھا جاتا ہے۔ اور دیوبندی بھی ایک نسبت ہی ہے جس کا تعلق مرکز رشد و ہدایت دارالعلوم دیوبند سے ہے۔ وہ اپنے دیوبندی ہونے کو باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ اور مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی اپنے نام کے ساتھ صدیقی لکھتے ہیں یہ بھی تو ایک عظیم نسبت ہے جس میں امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبی یا اعتقادی تعلق پایا جاتا ہے لیکن یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ عباسی صاحب کی پارٹی کے مخصوص افراد صدیقی کہلاتے ہیں۔ مثلاً عزیر احمد صدیقی، عظیم الدین صدیقی، حکیم فیض عالم صدیقی وغیرہ۔ اب معلوم نہیں کہ مولانا سندیلوی یزیدی نسبت کے ساتھ حسینی نسبت بھی پسند کرتے ہیں یا نہیں؟ بندہ تو اپنے نام مظہر حسین میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کو الحمد للہ باعث شرف سمجھتا ہے۔ البتہ بعض شیعوں نے اپنے خطوط میں مجھے لکھا ہے کہ تو مظہر حسین نہیں مظہر یزید ہے۔

نگاہ اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور یزید

مجاہد کبیر، امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور ہائیکورٹ میں کیا خوب بیان دیا تھا کہ:۔

''کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا'' (مقدمات امیر شریعت ص ۲۵۷ مرتبہ مولانا سیّد عطاء المنعم صاحب بخاری)۔

یہ حوالہ پہلے گذر چکا ہے ملاحظہ ہو کتاب ہذا۔ یہاں مولانا حکیم عبدالشکور صاحب مرزاپوری کے رسالہ سے جو شبہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اس کا ازالہ اس لئے بھی کر دیا گیا ہے کہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے بھی مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم کے نام اپنے جوابی خط محررہ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ میں اس رسالہ ''شہادت حسین'' کو اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے کوفہ کے روافض تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنے منصوبے کے مطابق انہیں دھوکہ دے کر بلایا اور شہید کیا یہ بات تاریخ نیز کتب شیعہ سے ثابت ہے۔ اس کے بارے میں مولانا حکیم عبدالشکور صاحب مرحوم مرزاپوری کا ایک رسالہ ''شہادت حسین'' ہے۔ اسے ملاحظہ فرمائیے (ہمارے مدرسہ کے نائب مفتی مولانا عبدالسلام صاحب کو لکھ کر منگایا جا سکتا ہے۔ قیمت تین روپیہ ہے۔

سندیلوی صاحب کی تضاد بیانی

بیشک کوفیوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا لیکن یہ وہ کوفی نہیں تھے جو مکہ معظمہ سے قافلہ حسینی کے ساتھ چلے تھے بلکہ یہ وہ کوفی تھے جو ابن زیاد کے حکم کے تحت حضرت حسین کے مقابلہ میں آئے تھے۔ اور آخر کار کربلا میں ان کو شہید کر دیا۔ اس غیر مطبوعہ خط کے مندرجہ بالا الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سندیلوی صاحب کے نزدیک بھی حضرت حسین کو شہید کرنے والے وہی روافض تھے جنہوں نے کوفہ میں آپ کو بلایا تھا اور پھر کوفہ سے آپ کے مقابلہ کے لئے آئے اور آپ کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور جس رسالہ کا سندیلوی صاحب نے حوالہ دیا ہے اس میں بھی وہی کوفی مراد ہیں۔ لیکن مولوی عظیم الدین صاحب مؤلف ''حیات سیدنا یزید'' نے یہ لکھا ہے کہ:۔ چنانچہ ان ساٹھ تجربہ کار جنگجو کوفیوں نے اچانک سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خیمہ پر دھاوا بول دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قافلہ میں آپ کے خاندان کی عورتیں بچے یا پھر عموماً ایسے نوجوان شامل تھے جنہیں حرب وضرب کا کوئی خاص تجربہ نہ تھا۔ اور اس اچانک ہڑبونگ

نے انہیں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ (حادثہ کربلا ص ۱۱)

لیکن جو اصل قاتل ہیں یا جن کے حکم سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کو شہید کیا گیا تھا وہ مولوی عظیم الدین صاحب کے نزدیک حسینی قافلہ کے محافظین میں سے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں لیکن بڑی دشواری یہ تھی کہ حُر بن یزید ریاحی کا گشتی دستہ اور امیر ابن سعد اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ماموں شمر ذی الجوشن کی معیت میں ایک فوجی دستہ قافلہ حسینی کی حفاظت کے لئے گورنر کوفہ امیر عبید اللہ بن زیاد کے حکم سے قافلہ حسینی سے قدرے فاصلہ پر رہا کرتا تھا'' (ایضاً ص ۱۰)

یہ تھے محافظ اور وہ تھے قاتل۔ کیا خوب مذہب ہے۔ بقول امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

بروز حشر گر پرسند خسرو راچرا کشتی

چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہماں گویم

مکہ معظّمہ سے قافلہ حسینی کے ساتھ آنے والے ساٹھ کوفیوں کو قاتلان حسین رضی اللہ عنہ قرار دینے کا جھوٹا افسانہ اس لئے گھڑا گیا ہے تاکہ ابن زیاد، ابن سعد اور شمر وغیرہ کو بری الذمہ قرار دیا جائے۔ اور سندیلوی صاحب بھی اس ڈرامہ کی تائید کر رہے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے رسالہ ''حادثہ کربلا'' کی ان لفاظ میں بھرپور تائید کر دی ہے کہ:۔ مولانا ابو الحسین محمد عظیم الدین صاحب کے رسالہ ''حادثہ کربلا'' میں نے دیکھا۔ ماشاء اللہ بہت مفید اور نافع ہے۔ اہل السنّت کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ تاکہ سبائی دروغ بافیوں نے جو طلسم تیار کیا ہے وہ شکست ہو اور ان کی آنکھیں کھلیں''۔ (۲۶ صفر ۱۳۹۵ھ۔ ۹ مارچ ۱۹۷۵ء) گو اہل السنّت کی اس طرح تو آنکھیں نہیں کھلیں جس طرح مولانا سندیلوی چاہتے ہیں۔ البتہ بہتوں کی آنکھیں اب کھل چکی ہیں اور انہوں نے خارجیت اور ناصبیت کا دھواں دیکھ لیا ہے۔

قتل حسین رضی اللہ عنہ اور قتل ذباب کا مسئلہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت اہل السنّت والجماعت کے نزدیک متفق علیہ

ہے۔ (اور اسی طرح جمہور اہل السنّت کے نزدیک یزید کا فسق بھی متفق علیہ ہے) اور صحابہ کرام میں یزید کی بیعت کرنے یا نہ کرنے میں جو اختلاف تھا وہ اجتہادی تھا چنانچہ اس موضوع پر مفصل بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے اور جن صحابہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا ہے وہ بھی آپ کی عظمت و شہادت کے قائل تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد باعث عبرت ہے۔ صحیح بخاری باب مناقب الحسن رضی اللہ عنہ والحسین رضی اللہ عنہ میں ہے:۔

سمعت عبداللّٰه بن عمر وسأله عن المُحرم قال شعبة احسبه يقتل الذباب فقال اهل العراق يسئلون الذباب وقدقتلوا ابن ابنة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم هما ريحانتاى من الدنيا.

کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا اور آپ سے مُحرم (احرام باندھنے والے) کے متعلق پوچھا تھا اور شعبہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ (احرام کی حالت میں) مکھی کو مارنے کے متعلق پوچھا تھا (کہ جائز ہے یا نہیں) تو آپ نے فرمایا کہ اہل عراق مکھی مارنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر دیا تھا جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں (یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ دنیا میں میرے پھول [1] ہیں)۔

یہ تو ہے شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر کا ارشاد، لیکن آج کا یزیدی گروہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو طعن و تنقید کا ہدف بنا کر یزید اور ابن زیاد وغیرہ کو اسلام کے ہیرو منوانے کی کوشش کرتا ہے۔

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

سَاءَ مَا یَحْکُمُوْنَ (یہ لوگ کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں)۔

---

[1] علامہ ابن تیمیہ نے بھی یہی حدیث نقل کی ہے۔ (ملاحظہ ہو منہاج السنۃ جلد دوم ص ۲۴۸)

واقعہ حرّہ اور یزید

مدینہ منورہ سے باہر شرقی جانب سیاہ پتھروں والی سخت زمین ہے جس کو حُرّہ کہتے ہیں۔ اہل مدینہ اور یزیدی لشکر کی مشہور جنگ ۶۳ھ میں یہاں ہی لڑی گئی تھی۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔ حرہ، زمین سنگستان مراد زمین مدینہ است (حرہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں۔ جس سے مراد زمین مدینہ ہے) (اشعۃ اللمعات جلد چہارم کتاب الفتن باب الکرامات ص۵۹۹)

(۲) علامہ علی قاری حنفی محدث لکھتے ہیں:۔

فی النہایۃ ھذہ ارض بظاھر المدینۃ بھا حجارۃ سود کثیرۃ کانت الوقعۃ المشھورۃ فی الاسلام ایام یزید بن معاویۃ لما انتھب المدینۃ عسکرہ من اھل الشام الذین ندبھم لقتال اھل المدینۃ من الصحابۃ والتابعین وامّر علیھم مسلم بن عقبۃ المری فی ذی الحجۃ سنۃ ثلث وستّین. (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دھم کتاب الفتن فصل ثالث ص۱۳۸)

''نہایہ میں ہے کہ حرہ مدینہ شریف سے باہر ایک زمین ہے جس میں سیاہ پتھر زیادہ ہیں۔ یزید کے دور حکومت میں تاریخ اسلام کا ایک مشہور واقعہ ہے جبکہ اہل شام کے یزیدی لشکر نے مدینہ (منورہ) کو لوٹا تھا جس کو اس نے اہل مدینہ کے صحابہ اور تابعین سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اور اس نے اس لشکر کا امیر مسلم بن عقبہ مرّی کو مقرر کیا تھا۔ (یہ واقعہ ذی الحجہ ۶۳ھ کا ہے)

(۳) حافظ ابن کثیر محدث ومؤرخ ۶۳ھ کے واقعات کے تحت لکھتے ہیں:۔

ففیھا کانت وقعۃ الحرّۃ وکان سببھا ان اھل المدینۃ لمّا خلعوا یزید بن معاویۃ وولّوا علی قریش عبداللہ بن مطیع وعلی الانصار عبداللہ بن حنظلۃ بن ابی عامر.

(البدایۃ والنھایہ جلد۸ ص۲۱۷)

”اس سال واقعہ حرہ پیش آیا اور اس کا سبب یہ تھا کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی اور انہوں نے قریش پر حضرت عبداللہ بن مطیع کو اور انصار پر حضرت عبداللہ بن حنظلہ کو امیر مقرر کر دیا“۔

(۴) حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ واقعہ حرہ کا سبب بیان کرتے ہوئے، لکھتے ہیں:

وكان السبب فيه ما ذكره الطبرى مسنداً انّ يزيد بن معاويةؓ كان اَمَّر على المدينة ابن عمه عثمان بن محمد بن ابى سفيان اَوفد الى يزيد جماعة من اهل المدينة منهم عبدالله بن غسيل الملائكة حنظلة بن ابى عامر و عبدالله بن ابى عمرو بن حفص المخزومى فى اٰخرين فاكرمهم واجازهم فرجعوا فاظهروا عيبه ونسبوه الى شرب الخمر و غير ذٰلك ثم وثبوا على عثمان فاخرجوه وخلعوا يزيد بن معاوية فبلغ ذٰلك يزيد فجهز اليهم جيشا مع مسلم بن عقبة المرى وامره ان يدعوهم ثلثا فان رجعوا والّافقاتلهم فاذا ظهَرْتَ فأبِحها للجيش ثلاثا ثم اكفُف عنهم فتوجه اليهم فوصل فى ذى الحجة سنة ثلاث سِتين فحاربوه وكان الامير على الانصار عبدالله بن حنظلة وعلٰى قريش عبدالله بن مطيع وعلى غيرهم من القبائل معقل بن يسار الاشجعى وكانوا اتخذوا خندقا فلما وقعت الوقعة انبهزم اهل المدينة فقتل ابن حنظلةؓ وفرّابن مطيعؓ واباح مسلم بن عقبة المدينة ثلاثا فقتل جماعة صبرًا منهم معقل بن سنان ومحمد بن ابى الجهم بن حذيفة ويزيد بن زمعة وبايع الباقين على انهم خولَ ليزيد. (فتح البارى شرح البخارى جلد ۱۳ ص ۶۰ كتاب الفتن)

”طبری نے سند کے ساتھ اس واقعہ حرہ کا سبب یہ لکھا ہے کہ یزید نے مدینہ

پر اپنے چچازاد بھائی عثمان بن محمد ابی سفیان کو امیر (والی) مقرر کیا پھر اس نے یزید کے پاس اہل مدینہ کا ایک وفد بھیجا جس میں غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ کے بیٹے عبداللہ اور عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص المخزومی اور دوسرے لوگ تھے۔ پس یزید نے ان کا اکرام کیا اور ان کو عطیات دیئے۔ پھر جب وہ واپس (مدینہ) لوٹے تو انہوں نے یزید کے عیب ظاہر کئے اور اس کے افعال شراب پینا وغیرہ کا ذکر کیا۔ پھر انہوں نے والیء مدینہ پر حملہ کیا اور اس کو شہر سے نکال دیا اور یزید کی بیعت توڑ دی۔ یزید کو ان کی خبر ملی تو اس نے مسلم بن عقبہ کے ساتھ ایک لشکر ان کی طرف روانہ کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ ان (اہل مدینہ) کو تین دن تک دعوت دے (کہ وہ اطاعت کرلیں) پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان سے جنگ کرو اور جب تو ان پر غالب آجائے تو تین دن تک اپنے لشکر پر مدینہ کو حلال کردے۔ اس کے بعد ان سے ہاتھ اُٹھالے اور ان کی طرف توجہ کر۔ پس مسلم ذی الحجہ ۶۳ھ میں مدینہ پہنچا تو اہل مدینہ نے اس سے جنگ کی۔ اور انصار پر ان کے امیر عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن حنظلہ تھے اور قریش پر امیر عبداللہ ابن مطیع رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے علاوہ دوسرے قبائل پر معقل بن یسار اشجعی تھے اور انہوں نے خندق کھود لی تھی۔ پس جب جنگ ہوئی تو اہل مدینہ شکست کھا گئے۔ حضرت عبداللہ ابن حنظلہ قتل ہو گئے اور عبداللہ بن مطیع وہاں سے بھاگ گئے اور مسلم بن عقبہ نے تین دن تک مدینہ میں قتل کی اجازت دے دی پس ایک جماعت گرفتاری کے بعد قتل کردی گئی جن میں سے معقل بن سنان، محمد بن ابی الجہم بن حذیفہ، یزید بن عبداللہ بن زمعہ بھی تھے اور باقی لوگوں نے اس شرط پر بیعت کرلی کہ وہ یزید کے غلام ہوں گے"۔

واقعہ حرہ اور محمود احمد عباسی

محمود احمد صاحب عباسی نے اپنے نظریہ کے مطابق واقعہ حرہ پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔

چنانچہ اہل مدینہ کی مخالفت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

امیر المؤمنین یزید کو ان افسوسناک حالات کی اطلاع ہوئی۔ تشدد کرنے کے بجائے بعض صحابہ کا وفد ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے سمجھانے کو بھیجا جس میں حضرت نعمان بن بشیر انصاری و حضرت عبداللہ بن عصام الاشعری و حضرت حُصین بن نُمیر السکونی اور دیگر حضرات شامل تھے۔ ایک تحریر بھی بعنوان: من عبد اللہ یزید امیر المومنین الی اہل المدینۃ (اللہ کے بندے یزید امیر المومنین کی طرف سے اہل مدینہ کے نام) ارسال کی جس میں لکھا تھا کہ میں نے تم لوگوں کی قدر و عزت کی اور اتنی کی کہ تمہارے سامنے اپنی ہستی کو کچھ نہ سمجھا۔ وحملتکم علیٰ رأسی ثم علیٰ عینی ثم علیٰ نحری (انساب الاشراف جلد ۴ ص ۳۲) یعنی تم کو میں نے اپنے سر پر بٹھایا پھر اپنی آنکھوں پر پھر اپنی گردن پر۔ مگر میرے حلم سے تم نے مجھ کو ضعیف سمجھا۔ تم باز نہ آئے تو خمیازہ بھگتو گے۔ یہ دو شعر بھی آخر میں لکھے تھے۔

ترجمہ: ''میں سمجھتا ہوں کہ حلم و نرمی نے میری قوم کو میرے اوپر دلیر کر دیا ہے اور حلیم و نرم خو شخص کو تو کمزور ہی سمجھا جاتا ہے میں نے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی اور لوگوں نے میری اصلاح کی۔ تو کسی کو میں نے کج رو پایا اور کسی کو راہ راست پر''۔

حضرت نعمان انصاری اور دوسرے حضرات نے بہت کچھ سمجھایا کہ اطاعت اختیار کریں۔ فتنہ و فساد میں مبتلا نہ ہوں مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ عبداللہ بن مطیع عدوی نے تو حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ہماری جماعت کو کیوں متفرق کرتے ہو۔ اللہ نے جو کام ہمارا بنا دیا ہے اُسے کیوں بگاڑتے ہو۔ وفد ناکام واپس آیا تو حلیم الطبع امیر المؤمنین نے پھر کوشش کی کہ معاملہ آشتی سے سلجھ جائے۔ اہل مدینہ کو خود مخاطب کیا اور وہ قطعہ اشعار لکھ کر بھیجا جو اوپر درج ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی عامل مدینہ کو ہدایت کی کہ وہاں کے لوگوں کا وفد ہمارے پاس بھیجو تاکہ ہم ان کی باتیں اپنے کانوں سے سُنیں اور استمالت قلب کریں۔

(انساب الاشراف جلد ۴ ص ۲۱)

عامل مدینہ نے حکم کی تعمیل تو کی مگر وفد کے ارکان غلطی سے وہی منتخب کئے جو بغاوت کے سرغنہ اور پرجوش حامی و سرگرم مبلغ تھے۔ ان میں عبداللہ بن مطیع عدوی کے ساتھ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے برادر حقیقی المنذر بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر لیا تھا (انساب الاشراف ص ۳۱)۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین نے ارکان وفد کی خوب آؤ بھگت کی۔ گرانقدر عطیات پیش کئے جو ان سب نے بخوشی لے لئے لیکن جو جذبات لے کر گئے تھے انہی کے ساتھ واپس آئے اور جو باتیں پہلے کہتے تھے واپسی کے بعد اور بھی شدت سے کہنے لگے۔ ان لوگوں کا پروپیگنڈا حد سے گزرنے لگا تو مدینہ ہی کے بزرگوں نے جو امیر المؤمنین کے حالات سے کماحقہ واقفیت رکھتے تھے اور ان لوگوں سے زیادہ ان کے پاس مقیم رہ کر ان کے شب و روز کے معمولات کو بچشم خود دیکھ چکے تھے۔ مثلاً حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ (ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ) نے بہتانوں کی تردید میں کہیں۔ بہتان تراشنے والوں کو جھڑکا اور ان سے بحثیں کیں، سمجھایا، بجھایا جیسا آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔ اور حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے موقف اور طرزِ عمل کا حال معلوم کر چکے ہیں کہ یہ سب حضرات امیر المؤمنین کی موافقت اور بغاوت پھیلانے والوں کی مخالفت میں پیش پیش رہے اور عبداللہ بن زبیر کے دعویٰ خلافت کی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ احکام شرع و ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے اسے غلط بتایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام اہل خاندان کو مجتمع کر کے وہ حدیث سنائی تھی جو پہلے درج ہو چکی ہے اور کہا تھا کہ اگر اس شورش میں کوئی بھی تم میں سے شریک ہوا تو میرا اس سے ہمیشہ کے لئے تعلق منقطع ہو جائے گا۔ (بخاری) کتاب الفتن ج ۲ جزو ۲۹) مگر ان لوگوں نے جو بغاوت کی تحریک چلا رہے تھے اپنی تحریک جاری رکھی۔ بنی عدی یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں سے صرف عبداللہ بن مطیع جو اس تحریک کے ایک سرغنہ تھے باغیوں کے ساتھ رہے۔ انصاریوں میں سے سب سے بڑا گھرانہ بنو عبدالاشہل کا ان لوگوں سے الگ رہا۔ بنو ہاشم میں سے صرف چند حارثی شریک تھے ورنہ بنو عبدالمطلب میں خصوصاً حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ) و علی بن الحسین رضی اللہ عنہ (زین

العابدین) حضرت عبداللہ بن عباس اوران کے سب عزیز باغیوں کے مخالف تھے۔ آل جعفر وآل علی وآل ابی بکر میں سے کوئی بغاوت میں شریک نہ ہوا۔ جیسا کہ عام ہنگاموں اور فتنہ وفساد میں ہوتا رہا ہے۔ عوام الناس کا جم غفیر ان لوگوں کے بہکانے میں آ گیا۔ دمشق سے واپسی پر کافی رقم ان کے پاس تھی۔ سامان حرب کی فراہمی ہونے لگی۔ بنوامیہ کو پہلے تو محصور کر کے ان پر پانی تک بند کر دیا گیا۔ طبری کی روایت ہے کہ محصورین نے امیر المومنین سے استغاثہ (یعنی فریاد) کیا اور قاصد کے ذریعہ تحریر بھیجی تو باغیوں نے عامل مدینہ اور بنی امیہ کے مرد وزن اوران کے لواحقین کو جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ بیان کی گئی ہے یہ عہد وپیمان لے کر کہ وہ شہر کے مورچوں اور گزرگاہوں کا حال کسی کو نہ بتلائیں گے خارج البلد کر دیا۔

اخرجوهم باثقالهم و اموالهم فقصوا الى الشام

(انساب الاشراف ص ۳۳)

یہ سب اموی سادات مع امیر عثمان کے بغیر کسی مقاومت کے شہر سے نکل گئے۔ کیونکہ اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہیں کرنی چاہتے تھے جس سے حرم شریف میں خونریزی کی نوبت آئے۔ اپنے ذی اقتدار کنبے کے علاوہ چاہتے تو کافی مدد حاصل کر سکتے تھے۔ شہر بدر کرنا آسان نہ ہوتا۔ یہ بنی امیہ کی غایت عقیدتمندی تھی کہ خونریزی کے بغیر شہر چھوڑ دیا۔ ان حالات وواقعات کی اطلاع جس وقت امیر المومنین کو پہنچی کہا جاتا ہے کہ درد نقرس کی وجہ سے کہ اسی بیماری میں چند ماہ بعد وفات پائی طشت میں پاشویہ کر رہے تھے۔ سن کر فرمایا:۔

لقد بدلوا الحلم الذى فى سجيتى

فبدلت قومى غلظة بليان

"میری طبیعت میں حلم تھا اسے لوگوں نے بدل دیا میں نے بھی اپنی قوم کے لئے نرمی کے بدلے سختی کو اختیار کر لیا"۔

اس سختی کی نوبت بھی یہ تھی کہ ایک تادیبی مہم باغیوں کی سرکوبی کے لئے تجربہ کار فوج

افسروں کی ماتحتی میں بھیجی گئی۔ افسروں میں متعدد صحابی و تابعی حضرات تھے۔ افسر بالا امیر مسلم بن عقبہ المری تھے جو کبیر السن تھے اور اس زمانہ میں مریض بھی۔ انہوں نے اس خدمت کو بخوشی قبول کیا۔ جس مدینہ طیبہ میں نبی کریم ﷺ کی حضوری کا ان کو شرف حاصل ہوا تھا اس کو اپنے آخری ایام زندگی میں فتنہ وفساد سے پاک کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ اِن کے ساتھ دیگر صحابہ امیر حُصین بن نُمیر السکونی (الاصابہ۔ جلد اول، ص ۳۳۹) امیر عبداللہ بن عصام الاشعری (الاصابہ جلد ۳ ص ۳۴۶ و امیر عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۳ ص ۳۱) اور دوسرے صحابی و تابعی بھی بھیجے گئے تھے۔ امیر روح بن زنباع تابعی تھے۔ ان کے فرزند ضبعان بن روح والیء اردن تھے۔ ان کے علاوہ متعدد وہ حضرات بھی شامل تھے جو اس سے پہلے عبداللہ بن الزبیر کے پاس امیر المومنین کے پیغامبر کی حیثیت سے جا چکے تھے ان سے حصین بن نُمیر کی گفتگو کی تفصیل امیر المومنین کے ذاتی حالات کے سلسلہ میں آگے آتی ہے۔ حبیب بن کرہ کا جو بنی امیہ کی تحریر لے کر امیر المومنین کے پاس گیا تھا یہ بیان ہے کہ جب فوجی دستہ روانگی کے لئے تیار ہو گیا۔ امیر المومنین اسے رخصت کرنے خود آئے تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے تھے اور عربی کمان کاندھے پر لٹکائے ہوئے تھے اور یہ اشعار اپنی زبان سے کہہ رہے تھے جو تغییر الفاظ پہلے نقل ہو چکے ہیں۔

یا عجبا من ملحد یا عجبا یخادع فی الدین یقفو بالعرے

”مجھے اس مُلحد (دین میں نئی باتیں پیدا کرنے والے) سے تعجب ہوتا ہے۔
جو دین میں مکاری کرتا ہے اور بزرگوں کو برا کہتا ہے“۔

پھر امیر عسکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینہ کے لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا۔ مان جائیں گے تو خیر ورنہ لڑائی کرنا۔ جب غلبہ پا جاؤ تو باغیوں کا مال اور روپیہ اور ہتھیار اور غلہ (من مال او ورقۃ او السلاح او الطعام فھو للجند) یہ لشکریوں کے لئے ہے۔

بلاذری اور طبری میں ان ہی اشیاء کے لے لینے کے الفاظ ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔
اس حکم پر بری چہ میگوئیاں کی جاتی ہیں اور وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مدینہ کی

حرمت مٹانے اور اہل مدینہ پر خوف مسلط کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ لیکن کوئی صاحب یہ نہیں بتاتے کہ مدینہ کی حرمت پر حرف لانے والا اصل میں کون تھا۔ اس خالی روحانی مرکز کو عسکری مورچہ اور بغاوت کا محور کس نے بنایا تھا؟ قرآن حکیم نے تو عین کعبہ میں بھی جنگ کی اجازت دی ہے پھر مدینہ کو فتنہ و شورش سے پاک رکھنے اور باغیوں کی سرکوبی میں کیا چیز مانع تھی۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ سمجھانے بجھانے، فہمائش کرنے اور امان پیش کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا تھا۔ جو اہل مدینہ بغاوت میں شریک نہ تھے ان سے حسن سلوک کی تائید کی گئی تھی حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ (زین العابدین) کے متعلق فوجی افسر کو خاص طور سے ہدایت کی گئی تھی کہ:۔ دیکھو علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مراعات سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا۔ ان کو اپنے قریب عزت سے بٹھانا۔ وہ ان لوگوں کے شریک نہیں جنھوں نے بغاوت کی ہے۔ ان کا خط ہمارے پاس آگیا ہے۔ امیر مسلم نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے وہ مورخین نے یہ لکھے ہیں:۔ اے اہل مدینہ۔ امیر المومنین یزید سمجھتے ہیں کہ تم لوگ اصل ہو، تمہارا خون بہانا انہیں گوارا نہیں تمہارے لئے تین دن کی مدت مقرر کرتا ہوں۔ جو کوئی تم میں سے باز آجائے گا اور حق کی طرف رجوع کرے گا ہم اس کا عذر قبول کرلیں گے۔ جو کوئی تم میں سے باز آجائے گا اور حق کی طرف رجوع کرے گا ہم اس کا عذر قبول کرلیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے اور اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) کی طرف متوجہ ہوں گے جو مکہ میں ہے اور اگر تم نہ مانو گے تو سمجھ لو کہ ہم حجت تمام کر چکے۔ تین دن گزرنے کے بعد پھر دوبارہ اہل مدینہ کو مخاطب کر کے کہا کہ:

اے اہل مدینہ اب تین دن ہو چکے۔ کہو اب تم کو کیا منظور ہے۔ ملاپ کرتے ہو یا لڑنا چاہتے ہو۔ اہل مدینہ نے جواب میں جب کہا کہ ہم لڑیں گے اس پر بھی امیر مسلم نے پھر ان سے یہ الفاظ کہے:۔

فقال لهم لا تفعلوا بل ادخلوا فى الطاعة ونجعل جدنا وشوكتنا على هذا الملحد الذى قد جمع اليه المرّاق

والفسّاق من کل حَدبٍ (طبری جلد ۷ ص ۸)

امیر مسلم نے اہل مدینہ سے کہا۔ دیکھو ایسا ہرگز مت کرو بلکہ تم سب طاعت گزاری اختیار کرو۔ پھر ہم تم مل کر اپنا زور اس ملحد پر ڈالیں جس نے فاسقوں کو چار جانب سے اپنے پاس جمع کر رکھا ہے۔ فاسقوں اور بے دینوں سے مراد باغیوں سے تھی۔ جو احکام شرع کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ مگر باغی پھر بھی باز نہ آئے۔ تین طرف خندقیں کھود رکھی تھیں۔ پتھروں کے ڈھیر ان کے پاس تھے۔ صلح کی باتوں کا جواب پتھروں سے دیا اور جب امیر مسلم نے آخری بات کہی کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔ **فاتقوا اللہ فی انفسکم** انہیں گالیاں دیں اور امیر المومنین کو بھی نہ چھوڑا انہیں بھی گالیاں دیں۔

(فشتموہ وشتموا یزید) مدینہ کی آبادی کوئی لاکھوں نہ تھی۔ سب شہر باغی نہیں تھا۔ بغاوت کے سرغنہ چند لوگ تھے جنہوں نے وقتی ہنگامہ بپا کر کے عوام کی ایک جماعت اکٹھی کر لی تھی۔ پھر مورچہ بندی کی تھی ان کی عسکری قوت کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ خندقیں تین ہی طرف کھودی تھیں اور ایک طرف ایسی آبادی تھی کہ مدافعانہ تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ انصار کا سب سے بڑا گھرانا بنو عبدالاشہل اس طرف آباد تھا۔ یہ گھرانا باغیوں کا شروع سے مخالف اور امیر المومنین کا حمایتی تھا۔ گویا بیعت توڑنے والے باغیوں کی فوج اتنی نہ تھی کہ سامنے سے حریف کا مقابلہ کر سکتے اور نہ اتنی کہ تین طرف خندق کھود کر چوتھی طرف حفاظتی دستے متعین کر سکتے۔ فوجی زاویہ نگاہ سے شاید شاید ہی کبھی کوئی ایسی عقیم کارروائی کی گئی ہو جیسی اس وقت مدینہ کے باغیوں نے کی تھی۔ ان کو غرہ تھا کہ ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے ہم ارض پاک کے رہنے والے ہیں۔ ان کی اس جہالت کا اشارہ امیر المومنین کی اس گفتگو کے ایک فقرے سے ہو سکتا ہے جو موصوف نے امیر عسکر کو وداع کرتے وقت کی تھی۔ فرمایا تھا:۔

اعلم انک تقدم علی قوم ذوی جہالۃ واستطالۃ.

”یہ سمجھ لو کہ تم ایسے لوگوں کی طرف جا رہے ہو جو ناداں و ناسمجھ، شیخی خورے اور اکھڑ ہیں۔ جنہیں امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم نے بگاڑ رکھا ہے۔ اور ان

کو یہ گمان ہے کہ میرا ہاتھ ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ (انساب الاشراف ج ۴ص ۳۴)

غرضیکہ جب کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا فوجی دستہ خندقوں کی طرف بڑھا۔ باغیوں نے پتھر اور تیر برسانے شروع کئے۔ **وجعل اهل الشام يطوفون بها** (جب اہل شام خندقوں کا پھیرا لگانے لگے) تو لوگوں نے پہاڑوں اور چھتوں پر سے پتھروں اور تیروں کا انہیں نشانہ بنایا۔

والناس يرمونهم بالحجارة والنبل من فوق الآكام والبيوت.

(الامامة والسياسة ج ا ص ۲۲۲)

اتنے میں بنو عبدالاشہل کے سرکردہ لوگوں نے امیر مسلم کو مشورہ دیا کہ ان کے محلے سے فوج گزار کر شہر پر قبضہ کرلیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ **الامامة والسياسة** کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو چونکہ رشوت دی گئی انہوں نے راستہ دے دیا **ففتح له طريق** (ص ۲۲۲ ایضاً)

تھوڑی دیر لڑائی ہوتی رہی۔ چند سرغنہ مارے گئے کچھ فرار ہو گئے جن میں بغاوت کے سب سے بڑے سرغنہ عبداللہ بن مطیع بھی تھے۔ **وفرّا بن مطيع فلحق ابن الزبير** (ابن مطیع فرار ہو گئے اور ابن زبیر سے جا ملے) چنانچہ اپنی فراری کا اقرار بھی کیا ہے۔ **انا الذی فررت يوم الحره.** پانچ چھ سرغنہ جو گرفتار ہوئے بجرم بغاوت قتل کئے گئے۔ رہیں وہ تفصیلات جو بعد میں گھڑی گئیں کہ ہزاروں آدمی قتل ہوئے۔ خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ دو ہزار کنواری لڑکیاں حمل سے رہیں یا بے دریغ مدینہ کو لوٹا گیا۔ یہ سب داستانیں اکاذیب محض ہیں۔ بعد کے مسلمانوں کو برافروختہ کرنے اور پہلے مسلمانوں کی عزت و حرمت پر حرف لانے کے لئے وضع کی گئیں۔ مدینہ طیبہ پہلا شہر نہیں تھا جہاں صحابہ و تابعین کی سرکردگی میں اسلامی فوجیں داخل ہوئی ہوں ان اموی اسلامی فوج نے سینکڑوں شہر فتح کئے۔ اور لطف یہ ہے کہ یوم حرہ و حصار ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جتنی بھی روایتیں طبری میں ہیں وہ سب کی سب یا تو ابو مخنف کی ہیں یا ہشام کلبی کی۔ لیکن ان روایتوں میں اشارتاً و کنایتاً بھی خواتین کی بے حرمتی کا یا لوگوں کے بے دریغ قتل کر

کا کوئی ذکر نہیں۔ بلاذری نے بڑی تفصیل سے روایتوں کو یکجا کیا ہے اور ابومخنف و ہشام کلبی کے علاوہ واقدی جیسے داستان گو کی روایتیں بھی لی ہیں۔ لیکن اشارتاً و کنایتاً کہیں بھی خواتین کی بے حرمتی کا ذکر نہیں ملتا۔ اشراف میں سے جو لوگ قتل ہوئے ان کا جداگانہ باب بندھا ہے۔ مگر نام صرف چھ اشخاص کے پیش کر سکے ہیں۔ بغاوت کا تو چند گھنٹوں میں قلع قمع ہو گیا تھا۔ شہر کو مفسدین اور فتنہ جو عناصر سے پاک کرنے اور انتظامات درست کرنے میں ہفتہ عشرہ لگ گیا۔ امیر روح بن زنباع الجزامی کو مدینہ کے انتظام کے لئے معین کیا۔ نصف محرم ۶۴ھ کو امیر مسلم مکہ معظّمہ کے قصد سے روانہ ہوئے۔ مرض کی حالت میں باغیوں کا مقابلہ کیا تھا۔ مدینہ منورہ سے روانگی کے بعد المشلّل مقام پر وفات پا گئے۔ (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۳۲۳ تا ص ۳۳۰)

سانحہ حرہ کے متعلق ہم نے یہاں عباسی صاحب کی مفصّل عبارت درج کر دی ہے تا کہ قارئین ان کے نظریہ کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور کسی کو اس اعتراض کی گنجائش نہ رہے کہ سیاق و سباق کو چھوڑ کر صرف متفرق ٹکڑے پیش کر دیئے ہیں۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہم نے یہ عبارتیں طبع چہارم مطبوعہ ۱۹۶۲ء کی پیش کی ہیں۔ جس کی وجہ سے اس سے پہلے یا بعد کے ایڈیشنوں کے صفحات میں اختلاف پایا جا سکتا ہے۔

(۲) عباسی صاحب نے اپنی تصنیف ''حقیقت خلافت و ملوکیت'' (طبع اوّل فروری ۱۹۶۸ء) میں بھی واقعہ حرہ پر مفصل بحث لکھی جس میں قریباً وہی مضمون ہے جو ''خلافت معاویہ و یزید'' میں ہے (ملاحظہ ہو ص ۳۷۲ تا ص ۳۹۱)

عباسی صاحب کی یہ کتاب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب ''خلافت و ملوکیت'' کے رد میں ہے۔ مودودی صاحب کی اس کتاب کا اکثر حصہ مسلک اہل السنّت والجماعت کے خلاف ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت راشدہ کو بھی انہوں نے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تو کھلی توہین کی ہے۔ اسی بناء پر کئی علمائے اہل السنّت والجماعت کا یہ قول ہے کہ مودودی صاحب دراصل شیعہ تحریک کے مبلغ تھے۔ لیکن عباسی صاحب نے خلافت و ملوکیت کا جو جواب لکھا ہے وہ ان کے خارجی ذہن پر مبنی

ہے۔ جس کا عقیدہ اہل السنّت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ انہوں نے حادثہ کربلا، حرہ اور محاصر مکہ کے متعلق اپنا جو نظریہ پیش کیا ہے وہ مسلک اہل السنّت والجماعت کے بالکل خلاف ہے۔

سانحۂ حرہ، عباسی تلبیس اور غلط بیانیاں

عباسی صاحب نے جس ڈرامائی انداز میں واقعہ حرہ پر تبصرہ کیا ہے۔ ناواقف قارئین اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ایک طرف تو یزید اور اس کا لشکر تھا جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین پر مشتمل تھا اور جس کے امیر اعلیٰ مسلم بن عقبہ اور اس کے تحت باقی کمانڈر بھی صحابی تھے اور دوسری طرف مدینہ کے چند سرغنہ تھے جو محض تخریب کار اور شرپسند تھے۔ جن کے ساتھ مدینہ کی قلیل تعداد تھی اور اہل مدینہ کی اکثریت یزید کی حامی تھی حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ نہ یزیدی کمانڈر صحابی تھے نہ اس کا لشکر صحابہ پر مشتمل تھا بلکہ یزیدی لشکر کے مقابلہ میں اہل مدینہ کے قائدین حضرت عبداللہ بن حنظلہ (غسیل ملائکہ) اور حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابی تھے اور واقعہ حرہ میں کئی صحابہ یزیدی لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس جن صحابہ نے یزید کی بیعت فسخ نہیں کی وہ بھی عملاً غیر جانبدار رہے اور انہوں نے یزیدی لشکر کا ساتھ نہیں دیا۔

حضرت ابن حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں

غزوۂ احد میں حضرت حنظلہ صحابی شہید ہوئے تھے اور ان کو ملائکہ نے غسل دیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کو غسیل ملائکہ کہا جاتا ہے۔ ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں اور اہل مدینہ کے قائدین میں سے وہ انصار کے قائد تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن مطیع (جو بنی عدی میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ میں سے ہیں) قریش کے قائد تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

ان اهل المدينة لما خلعوا يزيد بن معاوية ولّوا على قريش عبدالله بن مطيع وعلى الانصار عبدالله بن حنظلةً بن ابى عامر.

''یعنی اہل مدینہ نے جب یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی تو انہوں نے انصار کی کمانڈ حضرت عبداللہ بن حنظلہ کے سپرد کی اور قریش کا کمانڈر حضرت عبداللہ بن مطیع کو مقرر کیا''۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حنظلہ کے صحابی ہونے کے ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱)الا کمال فی اسماء الرجال لمؤلف المشکوٰۃ

(۲)تہذیب التہذیب ج۵ ص ۱۹۳ مؤلفہ حافظ ابن حجر عسقلانی محدثؒ۔

(۳)اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج۳ لحافظ ابن الاثیر متوفی سنہ ۶۳۰ھ۔

(۴)الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج۲ ص۲۹۹۔ لحافظ ابن حجر عسقلانی متوفی سنہ ۸۵۲ھ۔

(۵)الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لحافظ ابن عبد البر متوفی سنہ ۴۶۳ھ ص۲۶۸)

اور حضرت عبداللہ بن مطیع کا صحابی ہونا بھی ان ہی کتابوں میں مذکور ہے۔ملاحظہ ہو:

الاکمال فی اسماء الرجال و اسد الغابۃ جلد۳ ص ۲۶۲۔

الاصابۃ ج۲ ص ۳۷۱ و جلد ۳ ص ۶۴۔

تہذیب التہذیب ج۶ ص۳۶ والاستیعاب ج۲ ص ۳۲۷ (حاشیہ الاصابۃ)۔

جنگ حرہ میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ اپنے آٹھ بیٹوں سمیت شہید ہوئے اور حضرت عبداللہ بن مطیع کے سات بیٹے اس میں شہید ہوئے اور وہ خود جنگ کے دوران بچ کر نکل گئے اور مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ ابن الزبیر کے پاس پہنچے اور وہاں ہی دورِ حجاج بن یوسف میں حضرت ابن الزبیر کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیکن عباسی صاحب نے تو یہ ظاہر ہی نہیں ہونے دیا کہ یہ دونوں حضرات صحابی

ہیں۔ کیا یہ علمی خیانت نہیں ہے؟

مسلم بن عقبہ صحابی نہیں

یزیدی لشکر کے کمانڈر کو عباسی صاحب نے ''خلافت معاویہ و یزید'' اور ''حقیقت خلافت وملوکیت'' میں بار بار صحابی لکھا ہے چنانچہ خلافت معاویہ و یزید ص ۳۲۶ پر مسلم بن عقبہ کے متعلق وضاحت سے لکھا ہے کہ:۔

''جس مدینہ طیبہ میں نبی کریم ﷺ کی حضوری کا ان کو شرف حاصل ہوا تھا اس کو اپنے آخری ایام زندگی میں فتنہ وفساد سے پاک کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے''۔

حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ مسلم بن عقبہ کو حضور ﷺ کی زیارت ہی نصیب نہیں ہوئی۔ اسی لئے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا ترجمہ الاصابہ ج ۳ ص ۴۹۴ قسم ثالث میں لکھا ہے۔ اور قسم ثالث میں انہوں نے صحابہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کا ترجمہ لکھا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ تو پایا ہے لیکن زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ اور ان کو اصطلاح میں مخضرم کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں چار قسمیں لکھی ہیں۔ (۱) قسم اوّل میں ان حضرات کا تذکرہ ہے جن کا صحابی ہونا کسی نہ کسی روایت سے ثابت ہے (۲) قسم دوم میں ان صغار صحابہ کا تذکرہ ہے جو عہد رسالت میں بعض صحابہ کے ہاں پیدا ہوئے ہیں۔ (۳) قسم ثالث میں مخضرمین کا تذکرہ ہے۔ جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا ہے اور ان کے متعلق اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے خواہ وہ حضور ﷺ کی حیات میں اسلام لائے ہیں یا نہیں۔

وھؤلاء لیسوا اصحابہ باتفاق من اھل العلم بالحدیث وان کان بعضھم قد ذکر بعضھم فی کتب معرفۃ الصحابۃ فقد افصحوا بانھم لم یذکرونھم الالمقار بتھم لتلک الطبقۃ لاان ھم من اھلھا.

''اور یہ لوگ بالاتفاق محدثین کے نزدیک اصحاب رسول نہیں ہیں۔ اگرچہ بعض نے معرفۃ الصحابۃ کی کتابوں میں ان میں سے بعض کا ذکر کیا ہے لیکن

انہوں نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ ان کا ذکر صحابی ہونے کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ اس وجہ سے کیا ہے کہ وہ طبقہ صحابہ کے قریب ہیں"۔

(۴) قسم رابع میں ان حضرات کا تذکرہ ہے جن کو غلطی اور وہم سے بعض کتابوں میں صحابہ کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو الاصابہ جلد اول ص ۶)۔

بہر حال مسلم بن عقبہ صحابی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر کو تو اس سے اتنی نفرت ہے کہ وہ قسم ثالث میں بھی اس کا ذکر نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

لولا ابن عساکر ما ذکرته کما تقلم الاعتذار عن ذکر مثل هذا فی ترجمة عبدالرحمٰن بن ملجم (الاصابه جلد سوم ص ۴۹۴)

"اگر ابن عساکر اس کا ذکر نہ کرتے تو میں بھی نہ کرتا۔ جیسا کہ میں نے قبل ازیں عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی کا ترجمہ بھی حافظ ابن حجر نے قسم ثالث میں لکھ دیا ہے۔ اور اس کے متعلق یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ:۔

هو اشقی الامة بالنص الثابت عن النبی صلی الله علیه وسلم بقتل علی بن ابی طالب (الاصابه جلد ۳ قسم ثالث ص ۹۹)

"یعنی نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ بد بخت شخص ہے"۔

جس طرح حافظ ابن حجر نے قسم ثالث میں ذکر کرنے کے باوجود ابن ملجم خارجی کی حقیقت ظاہر کر دی ہے۔ اسی طرح قسم ثالث میں قسم بن عقبہ کا ذکر کرنے کے باوجود اس کی سفاکی اور خونریزی کا تذکرہ ان الفاظ میں لکھا ہے:۔

وقد افحش مسلم القول والفعل باهل المدینة واسرف فی قتل الصغیر و الکبیر حتی سموه مسرفا واباح المدینة ثلثة ایام لذلك والعسکر ینهبون ویقتلون ویفجرون ثم رفع القتل وبایع من بقی علی انهم عبید لیزید بن معاویة.

(ایضاً ص ۴۹۴)

"اور مسلم بن عقبہ نے اہل مدینہ کے ساتھ قول وفعل میں بڑی زیادتی کی ہے

اور چھوٹوں اور بڑوں کو بے دریغ قتل کیا ہے حتیٰ کہ اس کا نام (بجائے مسلم کے) مُسرف پڑ گیا اس نے مدینہ میں تین دن تک قتل عام کی اجازت دے دی اور اس کے لشکری لوٹ مار، قتل اور خرابی کرتے رہے۔ تین روز کے بعد قتل روک دیا۔ اور جو لوگ باقی رہے انہوں نے اس شرط پر یزید کی بیعت کر لی کہ وہ اس کے غلام ہیں''۔

حافظ ابن کثیر محدث متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:۔

ثم اباح مسلم بن عقبة الذی یقول فیه السلف مسرف بن عقبة قبحه اللّٰه من شیخ سؤ ما اجهله اباح المدینة ثلثة ایام کما امره یزید لا جزاه اللّٰه خیراً . و قتل خلقا من اشرافها وقرّائها وانتهب اموالاً کثیرة منها ووقع شرٌ عظیم وفسادٌ عریض علی ما ذکره غیر واحد.

(البدایه والنهایه ج۸ ص ۲۲۰)

''پھر مسلم بن عقبہ نے (جس کو سلف مُسرف کہتے ہیں۔ اللہ اس بڈھے کھوسٹ کا بُرا کرے کتنا جاہل تھا) مدینہ کو تین دن تک مباح کیا جیسا کہ اس کو یزید نے حکم دیا تھا اللہ اس کو اچھی جزاء نہ دے اس نے مدینہ کے شرفاء اور قراء کو قتل کیا اور بہت مالوں کو لوٹا''

حصین بن نمیر بھی صحابی نہیں

عباسی صاحب نے امیر مسلم بن عقبہ کے تحت یزیدی لشکر کے چار کمانڈروں کا صحابی ہونا بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۳۲۷، وحقیقت خلافت و ملوکیت ص ۳۸۰) لیکن حصین بن نمیر السکونی جو یزیدی لشکر کا کمانڈر تھا وہ بھی صحابی نہیں۔

حافظ ابن حجر نے الاصابہ جلد اوّل قسم اول ص ۳۳۹ میں نمبر ۱۷۳۶ کے تحت حصین بن نمیر الانصاری کا ترجمہ لکھا ہے اور وہ صحابی ہیں۔ اس کے بعد حصین بن نمیر کا ترجمہ لکھا ہے اور ساتھ ہی تصریح کر دی ہے کہ یہ حصین بن نمیر السکونی ہے جو لشکر یزید کا کمانڈر تھا اور وہ

صحابی نہیں اور ابن عساکر نے حصین بن نمیر انصاری صحابی کے ترجمہ کو حصین بن نمیر السکونی کے ترجمہ کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔

عبداللہ بن عضاۃ الاشعری صحابی نہیں

عباسی صاحب نے ص ۳۳۶ پر یزید کے کمانڈروں میں بحوالہ الاصابہ جلد ۳ ص ۳۴۶ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن عصام الاشعری صحابی بھی یزیدی لشکر کے امیر تھے حالانکہ یہ غلط ہے۔ اصابہ جلد ۳ کا حوالہ دیتے میں غالباً کاتب کی غلطی ہے۔ یہ حوالہ اصابہ جلد دوم ص ۳۷۶ کا ہے۔ وہاں پر نمبر ۴۸۲۸ کے تحت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عصام الاشعری کا ترجمہ لکھا ہے جو صحابی ہیں لیکن انہوں نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ جو یزیدی لشکر کا امیر تھا وہ عبداللہ بن عضاہ الاشعری ہے اور وہ صحابی نہیں ہے اور اس کے متعلق حافظ ابن حجر نے تصریح کر دی ہے کہ:۔

انه كان ممن استخلفه مسلم بن عقبة لما فرغ عن وقعة الحرّه

کہ یہ عبداللہ بن عضاہ الاشعری ان لوگوں میں ہے جن کو واقعہ حرہ سے فارغ ہونے کے بعد مسلم بن عقبہ نے اپنا جانشین بنایا تھا۔ لیکن عباسی صاحب کی شانِ تحقیق دیکھیے کہ انہوں نے عبداللہ بن عصام الاشعری صحابی کا نام یزید کے کمانڈروں میں درج کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

روح بن زنباع الجذامی صحابی نہیں

عباسی صاحب نے یزیدی کمانڈر روح بن زنباع الجذامی کو خلافت معاویہ و یزید میں تو تابعی ظاہر کیا ہے لیکن ''حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۸۰ پر ان کو بحوالہ الاصابہ صحابی قرار دیا ہے۔ حالانکہ الاصابہ جلد اول قسم ثالث ص ۵۲۴ پر حافظ ابن حجر نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ:

ذكرهم بعضهم في الصحابة ولا يصح له صحبته بل يجوز ان يكون ولد في عهد النبي صلى الله عليه واله وسلم فان

لابیہ صُحبة وروایة .

''بعض نے اس کا ذکر صحابہ میں کیا ہے۔ حالانکہ اس کا صحبتِ نبوی سے مشرف ہونا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ عہدِ رسالت میں پیدا ہوا ہو کیونکہ اس کے والد کی صحبت نبوی ثابت ہے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت بھی کی ہے''۔

عبداللہ ابن مسعدۃ الفزاری

عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ حضرت عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری (الاصابہ جلد۲ ص ۳٦۷) مجاہدین دمشق کے کمانڈر تھے۔ (البدایہ جلد۸ ص ۲۱۸، حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۸۰)

الجواب

(۱) عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری کے صحابی ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ خود عباسی صاحب ان کے متعلق لکھتے ہیں:۔ بعض نے ان کو تابعین کبار میں تسلیم کیا ہے اور بعض نے صحابہ صِغار میں۔ (تحقیق مزید ص ۳۸)

(۲) گو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا نام حرہ کے یزیدی کمانڈروں میں لکھا ہے لیکن بعد ازاں حرہ کے واقعات میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔

(۳) محاصرہ مکہ میں ان کا مختصر ذکر ملتا ہے (اصابہ جلد دوم ص ۳٦۸)

لیکن یہ بھی واقدی کی روایت ہے اور واقدی قابلِ اعتماد نہیں۔

بہر حال ان کا صحابی ہونا یقینی نہیں اور حرہ کی جنگ میں عملاً ان کی شمولیت بھی یقینی نہیں۔

اور اگر بالفرض بحیثیت صحابی ہونے کے عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری جنگ حرہ میں شریک ہوئے ہیں تو پھر بھی اس سے یزید کا صالح ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ شرعاً فاسق کی اقتداء میں نماز اور اس کی قیادت میں حسب ضرورت جنگ جائز ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن مسعدۃ کو اہل مدینہ کے حالات کا پہلے علم نہ تھا لیکن بعد میں صحیح حالات

معلوم ہونے کے بعد وہ اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے ہوں۔ واللہ اعلم

اہل مدینہ کی عظیم اکثریت یزید کی مخالف تھی

عباسی صاحب اہل مدینہ کو قلیل و حقیر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"مدینہ کی آبادی کوئی لاکھوں کی نہ تھی۔ سب شہر باغی نہیں تھا بغاوت کے سرغنہ چند لوگ تھے جنہوں نے وقتی ہنگامہ بپا کر کے عوام کی ایک جماعت اکٹھی کر لی تھی" (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۲۸)

عباسی صاحب نے یہاں غلط بیانی سے کام لیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اہل مدینہ کی عظیم اکثریت یزید کے خلاف تھی چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

فخرج اهل المدينة بمجموع كثيرة وهيئة لم ير مثلها. (البدايه والنهايه جلد۸ ص ۲۲۲)

"یزیدی لشکر کے مقابلہ میں اہل مدینہ کثیر جماعتیں لے کر نکلے کہ کبھی اس طرح کی صورت دیکھی نہ گئی"۔

(۲) مورخ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

اہل مدینہ اپنی رائے پر جمے رہے بالآخر صف آرائی کی نوبت آئی۔ عبدالرحمٰن بن عوف خندق پر متعین کئے گئے جس کو اہل مدینہ نے بطور شہر پناہ کے کھود کر بنایا تھا۔ عبداللہ بن مطیع قریش کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ کی ایک سمت پر۔ معقل بن سنان اشجعی مہاجرین کی ایک ٹکڑی لئے ہوئے دوسری جانب مامور ہوئے اور ان سب کی افسری عبداللہ بن حنظلہ کو دی گئی۔ انہوں نے ایک بڑے لشکر کو لے کر کوفے کے راستہ کی ناکہ بندی کر لی۔ مسلم بن عقبہ اپنے ہمراہیوں کو مرتب کر کے حرہ کی طرف سے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا۔ عبداللہ بن حنظلہ مقابلہ پر آئے اور اس مردانگی سے دست بدست لڑے کہ سواران شام کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔"

(تاریخ ابن خلدون مترجم حصہ دوم خلافت معاویہ و آل مروان ص ۱۳۸)

(۳) عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ لطف یہ ہے کہ یوم حرہ و حصار ابن زبیر کے

بارے میں جتنی بھی روایتیں طبری میں ہیں وہ سب کی سب یا تو ابو مخنف کی ہیں یا ہشام کلبی کی۔ لیکن ان روایتوں میں اشارتاً و کنایتاً بھی خواتین کی بے حرمتی کا یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۳۰)

الجواب

خواتین کی بے حرمتی کا ذکر نہیں اور نہ ہم اس سے حجت پکڑتے ہیں لیکن قتل کرنے کی تو تصریح پائی جاتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"مسلم (بن عقبہ) نے تین دن تک مدینہ کی لوٹ شامیوں کو مباح کر دی۔ لوگوں کو قتل کرتے پھرتے تھے اور ان کا مال لوٹ لیتے تھے۔ صحابہ میں سے جو لوگ مدینہ میں تھے ہراساں ہوئے"

اور مسلم بن عقبہ کی طرف سے مدینہ کو تین دن کے لئے مباح قرار دینا حسب ذیل کتابوں میں مذکور ہے (طبری ج ۴ص ۳۳۳) تاریخ کامل ابن اثیرؒ (متوفی ۶۳۰ھ، جلد ۴ ص ۱۱۷) (۲) وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی للعلامۃ السمہودی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ، جلد اول ص ۱۳۱) (۳) فتح الباری لحافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) جلد ۱۳ ص ۶۰ (۴) البدایہ والنہایہ (لحافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ) جلد ۸ ص ۲۲۰) (۵) تاریخ ابن خلدون (۶) ومعارف ابن قتیبہ متوفی ۲۱۳ھ ص ۱۵۳) اور مسلم بن عقبہ نے یہ تین دن کا قتل عام یزید کے حکم کی بنا پر کیا تھا (البدایہ جلد ۸ ص ۲۳۰)

یہی وجہ ہے کہ مسلم بن عقبہ کو عموماً سب کتابوں میں بجائے مسلم کے مُسرف یا مجرم لکھا جاتا ہے۔ عباسی صاحب اور ان کی پارٹی کب تک مسلم بن عقبہ کے مظالم کی پردہ پوشی کرے گی (۴) اہل مدینہ کی کثرت کی ایک یہ دلیل بھی ہے کہ انہوں نے بنی امیہ کے قریباً ایک ہزار آدمیوں کو مدینہ سے نکال دیا جس کا عباسی صاحب نے بھی اقرار کیا ہے کہ عوام الناس کا جمِ غفیر ان لوگوں کے بہکانے میں آ گیا۔ دمشق سے واپسی پر کافی رقم ان (یعنی وفد مدینہ) کے پاس تھی۔ سامان حرب کی فراہمی ہونے لگی۔ ان کی جمعیت بڑھنے لگی۔ بنو

امیہ کو پہلے تو محصور کر کے ان پر پانی تک بند کر دیا۔ طبری کی روایت ہے کہ محصورین نے امیر المومنین سے استغاثہ کیا۔ اور قاصد کے ذریعہ تحریر بھیجی تو باغیوں نے عامل مدینہ اور بنی امیہ کے مرد و زن اور ان کے لواحقین کو جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ بیان کی گئی ہے۔ یہ عہد و پیمان لے کر کہ وہ شہر کے مورچوں اور گزرگاہوں کا حال کسی کو نہ بتلائیں گے خارج البلد کر دیا۔

اخرجوھم باثقالھم و اموالھم فمضوا الی الشام.

(انساب الاشراف ص ۳۳)۔

یہ سب اموی سادات مع امیر عثمان کے بغیر کسی مقاومت کے شہر سے نکل گئے کیونکہ اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہیں کرنی چاہتے تھے جس سے حرم شریف میں خونریزی کی نوبت آئے اپنے ذی اقتدار کنبے کے علاوہ چاہتے تو کافی مدد حاصل کر سکتے تھے۔ شہر بدر کرنا آسان نہ ہوتا۔ یہ بنی امیہ کی غایت عقیدت مندی تھی کہ خونریزی کے بغیر شہر چھوڑ دیا۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۲۵)۔

یہاں عباسی صاحب کی یہ توجیہ بالکل غلط ہے کہ "بنی امیہ حرم شریف میں خونریزی نہیں چاہتے تھے" کیونکہ اگر وہ ایسے ہوتے تو یزید سے استغاثہ کیوں کرتے اور یزید ان کا بدلہ لینے کے لئے کیوں مدینہ منورہ پر لشکر کشی کرتا اور خود یزید نے بھی ان کے لڑنے کو ان کی کمزوری پر محمول کیا۔ اور کہا کہ:۔ اتنا ان سے نہ ہو سکا کہ ساعت بھر تو قتال کرتے۔ قاصد نے کہا امیر المومنین تمام خلقت نے ان پر ہجوم کر لیا۔ اس جماعت سے لڑنے کی طاقت ان میں نہ تھی (طبری جلد ۴ ص ۳۲۵)۔

کیا کوئی اہل دانش یہ باور کر سکتا ہے کہ خود یزید تو باغیانِ مدینہ کی سرکوبی کے لئے حرم شریف میں خونریزی چاہتا تھا اور اس نے خونریزی کرا بھی دی لیکن اس کے دھڑے کے بنو امیہ اتنے صوفی منش اور مرنج مرنجان تھے کہ تقدس حرم کے تحفظ کے لئے بغیر مقاومت کے انہوں نے مدینہ منورہ چھوڑ دیا۔ اگر یہ لوگ ایسے ہوتے تو مسلم بن عقبہ کے یزیدی لشکروں کا کیوں نہ مقابلہ کرتے جنہوں نے حرم کا تقدس

پامال کیا تھا۔

اتنی نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

یزیدی لشکر کی تعداد

عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ چنانچہ فوجی دستے کو متعدد صحابہ کی سرکردگی میں بھیجا گیا اور بمزید احتیاط ایک کبیر السن صحابی کو جن کی عمر اس وقت ۹۳ برس تھی امیر عسکر مقرر کیا گیا تاکہ پولیس ایکشن میں کوئی دوسرا افسر جوانی کے جوش میں بے جاسختی کا ارتکاب نہ کر سکے۔ حضرت مسلم بن عقبہ المرّی معمر صحابی امیر عسکر مقرر کیے گئے فوجی دستے کی تعداد کے بارے میں سبائی راویوں نے بہت کچھ مبالغہ کیا ہے۔ لیکن ایک قدیم شیعہ مورخ المسعودی نے کتاب:۔ ''التنبیہ والاشراف'' میں جو انہوں نے ۳۴۰ھ میں تالیف کی تھی اس فوجی دستے کی تعداد صرف چار ہزار بتائی ہے۔ وبعث الیھم یزید مسلم بن عقبہ المرّی فی اربعة الاف (ص ۳۰۴ مطبوعہ لیڈن ۱۸۹۳ء)۔ پس (امیر یزید نے مسلم بن عقبہ المرّی کو چار ہزار فوج کے ساتھ باغیوں کی سرکوبی کو بھیجا (حقیقت خلافت و ملوکیت ص ۲۸۰) یہاں عباسی صاحب نے ایک شیعہ مورخ مسعودی کی روایت پر اعتماد کرکے یزیدی لشکر کی تعداد چار ہزار بتائی ہے حالانکہ دوسرے مورخین اس کی تعداد دس ہزار یا بارہ ہزار لکھتے ہیں۔ چنانچہ (۱) مورخ طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے لکھا ہے:۔ غرض یہ منادی ہوئی کہ لوگو! حجاز کی طرف روانہ ہو۔ آؤ اپنا اپنا وظیفہ پورا لے لو اور اس کے علاوہ سو سو دینار ہر ایک شخص کے ہاتھ میں بطور اعانت دیئے جائیں گے۔ غرض بارہ ہزار آدمی حجاز میں جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ (طبری جلد چہارم مترجم ص ۳۲۶)۔ (۲) ابن قتیبہ متوفی ۲۱۳ھ لکھتا ہے:۔

فوجہ یزید مسلم بن عقبة المرّی فی جیش عظیم لقتال ابن الزبیرؓ حتی نزل المدینة فقاتل اھلھا وھزمھم واباحھا ثلثة

ایام فھی وقعة الحرة .

(معارف ابن قتیبة ص ۱۵۳ ناشر اصح المطابع کراچی)

''پھر یزید نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لئے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مسلم بن عقبہ کو بھیجا۔ پھر وہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ پہنچا اور اہل مدینہ سے جنگ کی اور ان کو شکست دی اور تین دن کے لئے اس کو مباح کر دیا۔ یہ ہے واقعہ حرہ''۔

(۳) اس قوم نے مدینہ میں صبح کی۔ اہل مدینہ نے ان سے شدید قتال کیا۔ لیکن شامیوں کی کثرت ان پر غالب آ گئی۔ مدینے کے تمام اطراف سے ان کا دخول ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد مترجم حصہ پنجم ص ۸۵)

بہر حال طبری کے علاوہ دوسرے مورخین حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ ھ) نے الکامل میں اور علامہ سمہودی (متوفی ۹۱۱ھ) نے وفاء الوفاء جلد اوّل میں یزیدی لشکر کی تعداد دس تا بارہ ہزار لکھی ہے اور حالات کا تقاضا بھی یہی تھا کہ یزید کی طرف سے بہت بڑا لشکر اہل مدینہ کے مقابلہ میں بھیجا جاتا جن کے سامنے بنی امیہ کی ایک ہزار نفری بے بس ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ یزید کے اسی لشکر نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کا بھی مقابلہ کرنا تھا اور اسی مقصد کے تحت اس نے لشکر بھیجا تھا۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں: ''مسلم بن عقبہ وادی القری سے کوچ کر کے ذی نخلہ سے ہوتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور اہل مدینہ سے کہلا بھیجا امیر المومنین چونکہ تم لوگوں کو شریف سمجھتے ہیں اور میں بھی تمہاری خونریزی پسند نہیں کرتا اس وجہ سے میں تم کو تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ پس اگر اس اثنا میں تم لوگوں نے راہِ راست اختیار کر لی تو فبہا، میں فوراً مکہ واپس چلا جاؤں گا اور اگر تم کو کچھ عذر ہو تو اس کو بیان کرو۔ جب یہ میعاد گزر گئی تو مسلم نے کہلا بھیجا کہ تم جنگ کرو گے یا صلح۔ اہل مدینہ نے کہا ہم جنگ کریں گے۔ مسلم نے سمجھایا کہ جنگ نہ کرو بلکہ امیر کی اطاعت قبول کر لو۔ اس میں تمہاری بہتری ہے۔ اہل

مدینہ اپنی رائے پر جمے رہے۔ بالآخر صف آرائی کی نوبت آئی۔

(تاریخ ابن خلدون مترجم جلد۴ص ۱۳۸)

(۲) ابن سعد نے بھی لکھا ہے:۔ یزید نے کہا میں پہلا لشکر بھیجوں گا اور حکم دوں گا کہ وہ مدینے سے گزرتے ہوئے ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی جانب جائیں کیونکہ انہوں نے ہمارے لئے جنگ قائم کی ہے اہل لشکر مدینے کو راستہ بنائیں مگر اہل مدینہ سے قتال نہ کریں اگر اہل مدینہ فرمانبرداری کا اقرار کرلیں تو انہیں چھوڑ دیں اور ابن الزبیر کی طرف بڑھ جائیں۔ اگر وہ لوگ اقرار سے انکار کریں تو ان سے قتال کریں (طبقات ابن سعد حصہ پنجم مترجم ص ۱۶۱ ترجمہ حضرت عبداللہ ابن مطیع رضی اللہ عنہ)

مسلم بن عقبہ کی یہی تقریر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے بلکہ اس میں حضرت عبداللہ بن الزبیر کو ملحد بھی کہا ہے جس کے جواب میں اہل مدینہ نے کہا:

یا عدو اللّٰہ لو اردت ذلك لما مكناك منه . انحن نذركم تذهبون. فتلحدون في بيت الله الحرام (البدایہ ص ۲۲۰)

''اے اللہ کے دشمن اگر تیرا یہی ارادہ ہے تو ہم تجھ کو ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ کیا ہم تم کو اس کے لئے چھوڑ دیں کہ تم حرم شریف میں الحاد کرو''۔

طبری میں ہے اہل مدینہ نے کہا او دشمن خدا۔ واللہ اگر تم لوگ وہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو تو ہم تم کو بے قتال کئے نہ چھوڑیں گے۔ کیا ہم تم کو اس لئے چھوڑ دیں کہ تم خانہ کعبہ پر حملہ کرو۔ وہاں کے رہنے والوں کو خوف و ہراس میں ڈالو وہاں ملحدوں کی سی حرکتیں کرو۔ بیت اللہ کی بے حرمتی کرو۔ نہیں نہیں واللہ ہم سے یہ نہ ہوگا۔ (طبری مترجم جلد۴ص ۳۲۹)

اور خود عباسی صاحب نے بھی اس امر کا اعتراف کرلیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔ امیر مسلم نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے وہ مورخین نے یہ لکھے ہیں:۔

''اے اہل مدینہ! امیر المومنین یزید سمجھتے ہیں کہ تم لوگ اصل ہو۔ تمہارا خون بہا انہیں گوارا نہیں۔ تمہارے لئے تین دن کی مدت مقرر کرتا ہوں جو کوئی تم میں سے باز آجائے گا اور حق کی طرف رجوع کرے گا ہم اس کا عذر قبول کر

لیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے۔ اور اس ملحد (دین میں نئی بات کرنے والے کی طرف متوجہ ہوں گے جو مکہ میں ہے اور اگر تم نہ مانو گے تو سمجھ لو کہ ہم حجت تمام کر چکے (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۲۸)۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی قوت اور مقبولیت

جب عباسی صاحب بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ یزیدی لشکر کا اصل نشانہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شخصیت تھی جن کو یزید ملحد قرار دے رہا ہے (العیاذ باللہ) اور حضرت ابن زبیر کوئی کمزور شخصیت نہ تھے۔ ان کے پاس ایک خاصی قوت تھی۔ چنانچہ حجاز کے سابق گورنر عمرو بن سعید نے (یزید کے اس عتاب پر کہ تم نے ابن الزبیر سے نرمی کیوں اختیار کی تھی) یہ جواب دیا تھا کہ:۔

یا امیر المومنین الشاهد یری ما لا یری الغائب وان جل اهل مکة والحجاز مالأوه علینا واحبوه ولم یکن لی جند اقوی بهم علیه واهضته (البدایه والنهایه جلد، ص ۲۱۵)

"اے امیر المومنین حاضر جو کچھ دیکھتا ہے وہ غائب نہیں دیکھ سکتا۔ تمام اہل مکہ اور اہل حجاز ہمارے خلاف اس کی طرف مائل تھے اور اس سے محبت کرتے تھے۔ اور میرے پاس اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی زیادہ طاقتور لشکر نہ تھا"۔

اور یزید نے عمرو بن سعید کا یہ عذر قبول کر لیا تھا (ایضاً ص ۲۱۵) تو ان حالات میں جبکہ یزید نے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے مخالفین کو مغلوب کرنا ہے کیا صرف چار ہزار کا لشکر کفایت کر سکتا ہے لامحالہ اس نے دس بارہ ہزار کا لشکر روانہ کیا ہوگا۔ تعجب ہے کہ عباسی صاحب نے محض یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اہل مدینہ کی ایک قلیل تعداد یزید کے خلاف تھی اور اکثریت اس کی حامی تھی باقی تمام مورخین کو چھوڑ کر ایک شیعہ مصنف کی روایت کا سہارا لے لیا ہے اور یہاں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے کہ شیعہ سبائی قابلِ اعتماد نہیں ہیں جیسا کہ وہ عموماً لکھتے ہیں کہ سبائیوں نے یہ مکذوبات اکٹھی کر لی ہیں۔

غالی شیعہ مگر سچا (عباسی)

عباسی صاحب کی ریسرچ (تحقیق) کا ایک اور کرشمہ ملاحظہ فرمایئے:۔

شہدائے کربلا کے سروں کی نمائش اور تشہیر کی نفی کرتے ہوئے اپنی تائید میں انہوں نے مصنف عبدالرزاق کی روایت پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ عبدالرزاق اکابر محدثین میں سے ہیں مگر تھے شیعہ۔ اگر سروں کی نمائش کا ایک واقعہ بھی کسی اموی خلیفہ کے دربار کا ہوتا تو وہ یقیناً اس کا ذکر آب وتاب سے کرتے یہ ایک بڑے شیعہ تھے کہ امام احمد بن حنبل نے اس کی توثیق کی ہے (بحوالہ الخطیب البغدادی الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۱۲۵۔ ۱۲۶) وجہ یہ ہے کہ عبدالرزاق اپنے غلو کے باوجود صادق القول تھے۔

(حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۵۴)

یہاں یہ عبارت صرف اس لئے پیش کی ہے کہ عباسی صاحب کے نزدیک غالی شیعہ بھی بات کا سچا ہو سکتا ہے تو پھر مطلقاً سبائیت کے خلاف ان کا پروپیگنڈا کس لئے ہے یہ عجمی سازش، عجمی سازش کی رٹ کس لئے لگائی جاتی ہے تاریخ طبری کی روایات کیوں ناقابل اعتبار ہیں حالانکہ محققین اہل سنت ان کو امام المفسرین مانتے ہیں ان کی تاریخ طبری کو قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ نے بھی قابل اعتماد قرار دیا ہے البتہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے طبری کے متعلق لکھا ہے:۔ یہ کتاب تاریخ کبیر نہایت عزیز الوجود اور کمیاب ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جن کو پورا نسخہ اس کا میسر ہوا ہو اور یہ جو لوگوں کے پاس ہے مختصر اس کا ہے کہ اس میں سمساطی شیعی کی تحریف بہت ہوئی ہے انشاء اللہ اس کا حال قریب آتا ہے اور ترجمہ کرنے والے اس مختصر کے بھی شیعہ گزرے ہیں پس تحریف در تحریف اس میں ہوگئی۔ تحفہ اثنا عشریہ مترجم ص ۱۰۰)۔ اس سلسلہ میں مکمل عبارت "خارجی فتنہ حصہ اول ص ۱۹۲" پر قابل ملاحظہ ہے۔ یہاں یہ دکھانا ہے کہ عباسی صاحب کے نزدیک سبائی شیعہ دو قسم کے ہیں ایک سچے اور دوسرے جھوٹے اور ان کا اپنا معیار یہ ہے کہ جس شیعہ کا کوئی قول اپنے نظریہ کے موافق پاتے ہیں اس کو سچا اور جس کی بات اپنے خلاف

پاتے ہیں اس کو کذاب و مفتری قرار دیتے ہیں اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب: ”خلافت معاویہ و یزید“ میں ابومخنف اور ہشام کلبی کی روایتیں اپنی تائید میں پیش کی ہیں۔

تقیہ شیعہ نا مرضیہ

حالانکہ کسی سبائی شیعہ کی بات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کے مذہب کا ایک بنیادی اصول تقیہ ہے۔ اور شیعی اصطلاح میں تقیہ نام ہے عمداً خلافِ حق بات کہنے کا۔ اور اس کے اصول کافی میں بڑے فضائل لکھے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی مطبوعہ نولشکور لکھنو ص ۴۸۲ میں ہے:۔

قال ابو عبد اللّٰہ علیه السلام یا ابا عمر ان تسعة اعشار الدین فی التقیة ولا دین لمن لا تقیة له.

”امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوعمر نو حصے دین کے تقیہ میں ہیں جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے“۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: آفتاب ہدایت مؤلفہ فخر اہل السنّت حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمۃ اللہ علیہ۔ اور امام اہل السنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور تحفہ اثنا عشریہ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ زمانہ حال کے شیعی علماء بھی تقیہ کے معترف ہیں۔ چنانچہ شیعہ ادیب اعظم سیّد ظفر احسن صاحب امروہوی مترجم اصول و فروع کافی اپنی کتاب میں شیعہ عقائد ص ۱۰۱ پر بعنوان چالیسواں عقیدہ بہ متعلق تقیہ لکھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ تقیہ ضروریاتِ دین سے ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:۔ تقیہ میرا اور میرے آباء کا دین ہے۔ پھر ص ۱۱۲ پر لکھتے ہیں:۔ تقیہ ہی وہ سپر ہے جس نے شیعوں کا وجود باقی رکھا ورنہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں یہ کب کے تباہ و برباد اور نیست و نابود ہو گئے ہوتے۔

خمینی بھی تقیہ کے قائل ہیں

دورِ حاضر کے شیعہ نائب امام اور ایرانی انقلاب کے بانی بھی عقیدہ تقیہ پر ایمان

رکھتے ہیں۔ خمینی عقائد اور ایرانی انقلاب کی نقاب کشائی کے لئے ملاحظہ ہو۔ کتاب ایرانی انقلاب مؤلفہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زید فیضہم بانی ماہنامہ الفرقان لکھنو۔ اس کتاب کا انگریزی ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔ ماشاء اللہ حضرت مولانا نعمانی صاحب کی اس تصنیف سے سینکڑوں لوگوں کے عقائد کی اصلاح ہو گئی ہے۔ جو شیعیت اور خمینیت سے ناواقف تھے۔ اس سلسلے میں بندہ کی مختصر کتابیں ''میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ'' اور ''پاکستان میں جماعت اسلامی شیعہ انقلاب چاہتی ہے'' کا مطالعہ بھی انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔ اس دوسرے کتابچہ میں صدر ایران خامنائی کے دورہ پاکستان اور ان کی تقیہ نوازی پر بھی اہم تبصرہ کیا گیا ہے۔ بہر حال عباسی صاحب بھی ایک خاص مشن کے داعی ہیں جس کے تحت وہ بنی امیہ کے حامی کو عموماً اور حامیء یزید کو خصوصاً ہدیہء تحسین پیش کرتے ہیں۔

عباسی اور آغا خان

چنانچہ اسی بنا پر وہ آغا خان کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس ضرورت کا احساس اس عہد کی سچی تاریخ کے تقاضے کے لحاظ سے بلکہ مصالح ملیہ کے اعتبار سے بعض زعمائے ملت کو ہوتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد سے ہز ہائی نس سر آغا خان (سر سلطان محمد بالقابہ) نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین و مورخین کو بار بار متوجہ کیا تھا۔ ہز ہائینس سر آغا خان نے اپنی ایک تحریر میں فرمایا تھا:۔ دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے۔ اس لئے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنی امیہ کے درخشاں دور صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرے کی شدید حاجت ہے۔ (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۴۸)

اور ص ۴۹ پر عباسی صاحب نے سر آغا خان کے متعلق یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:۔

لیکن آپ ملت کی اسپرٹ اس کے جذبہ و روح و ضمیر کا خیال رکھیں۔ اسلامی تاریخ کی تیسری صدی کی جانب نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری کی طرف نظریں جمائیں۔ پہلی صدی

ہجری میں سیاسی قیادت متفقہ طور پر بنوامیہ کی قیادت یا بالفاظ دیگر اموی خلافت تھی،'' آغا خان کے الفاظ نقل کرنے کے بعد عباسی صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان الفاظ کی اہمیت اور قدر و قیمت بدرجہا بڑھ جاتی ہے جب اس کا لحاظ کیا جائے کہ یہ ارشادات اس طبقے کے روحانی پیشوا اور امام حاضر کے ہیں جس کے یہاں امامت اصولِ دین میں ہے مگر اس کے باوجود وہ عالم اسلامی کے اتحاد کے اس درجہ ساعی رہے کہ ترکی کے زعمائے وقت اگر ان کی تجویز دربارہ احیائے خلافت مان لیتے تو شاید اسرائیلی ناسور کی عفونت نہ پھیلتی۔ مسلمانان ہند کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک ہے جس کی داغ بیل سرسید علیہ الرحمۃ کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی اور بالآخر پاکستان کی تشکیل پر منتج ہوئی۔ ہزہائی نس عملاً وابستہ رہے اور اہم خدمات انجام دیں۔ (ص ۵۰)

پھر اسی سلسلے میں سر آغا خان کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اس خصوص میں محترم امام شیعہ اسماعیلیہ کی زرّیں مثال شمعِ ہدایت ہے۔ جنہوں نے واشگاف الفاظ میں صاف کہہ دیا کہ خلیفہ سوم کی شہادت کے وقت تک کامل اتحاد رہا۔ کوئی اختلاف نہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ سے پورا تعاون کرتے رہے۔ خلافت کا کوئی سوال نہ اٹھایا۔ جب انہوں نے ہی نہ اٹھایا تو ہم بھی کیوں اٹھائیں؟ جب وہ ان کا احترام کرتے تھے تو ہم کیوں نہ کریں۔ اے کاش امت کا ہر طبقہ اختلافِ عقائد کے باوصف اسی رواداری پر عمل پیرا ہو تو چمنِ اسلام پاکستان میں بھی اتحاد بین المسلمین سے وہ ہی کیفیت ہو کہ

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونقِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

عباسی صاحب کی ستم ظریفی

یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں کہ بنی امیہ کا دور کیسا تھا؟ ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ (جو بنی امیہ سے ہیں)۔ قرآن کے تیسرے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔ آپ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد بالاتفاق برحق خلیفہ ہیں۔

آپ کے بعد یزید کا فسق متفق علیہ ہے (اور یہی اس کتاب کا زیر بحث مسئلہ ہے) بنی امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دورِ حکومت اسلامی حکومت کا ایک مثالی دور ہے۔ اِن کے علاوہ بنی امیہ [1] میں اچھے حکمران بھی ہیں اور بُرے بھی، لیکن عباسی صاحب کی ستم ظریفی یہ ہے کہ سر آغا خان نے بنی امیہ کو خراج تحسین پیش کر دیا تو عباسی صاحب نے ان کو داعی اتحاد اور ملت کا زعیم قرار دے دیا۔ مگر ان کے اسماعیلی عقیدۂ امامت کی سنگینی کو بالکل نظر انداز کر گئے۔ جس کے تسلیم کرنے کے بعد ملت کا اتحاد قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ عقیدہ امامت اصول اسلام اور عقیدہ ختم نبوت سے براہ راست متصادم ہے۔ اگر سر آغا خاں نے خلفائے ثلاثہ کی کہیں مدح کی ہے تو یہ ان کا تقیہ ہے اور ان کے تقیہ کی روشنی میں عباسی صاحب بھی تقیہ کر رہے ہیں۔

---

[1] بنی امیہ وغیرہ کے قدیمی اختلافات کو آج نئے سرے سے اٹھایا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ وقتی جھگڑے تھے جو ختم ہو گئے۔ عباسی گروہ والے بنی امیہ کی مدح میں مبالغہ کرتے ہیں گویا کہ بنی امیہ سرتاپا تقدس اور تدین کا نمونہ تھے اور یزید کو اس لئے متقی و زاہد قرار دیتے ہیں کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرزند ہے۔ حالانکہ کسی قبیلہ اور خاندان کے ہر فرد کا صالح ہونا ضروری نہیں ہے اگر حضرت نوح پیغمبر علیہ السلام کے چار فرزندوں میں سے ایک فرزند کافر ہو سکتا ہے تو حضرت معاویہ کا فرزند اگر اقتدار کی مستی میں بگڑ جائے تو اس میں کونسا استحالہ ہے اور اس سے اسلام کے کونسے اصول پر زد پڑتی ہے اسی طرح اس کے برعکس شیعہ فرزندان حضرت فاطمۃ الزہراء میں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بارہ نامزد امام مانتے ہیں جو انبیائے سابقین سے افضل ہیں اور اس عقیدۂ امامت کے منکرین کو جہنمی کہتے ہیں العیاذ باللہ حالانکہ اسلام میں فضیلت کا مدار نسل و خاندان نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ مکرم وہ ہے جو زیادہ متقی ہے) اگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا باپ کافر ہو سکتا ہے اور امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابولہب اور اس کی بیوی از روئے قرآن جہنمی بن سکتے ہیں تو پھر ہاشمی ہو یا فاطمی فاسق بھی ہو سکتا ہے اور کافر بھی چنانچہ (دور حاضر میں) سادات میں سے کئی لوگ قادیانی مرتد بن چکے ہیں۔ اس لئے صرف نسلی اور خاندانی تفوق کے نظریات کا پرچار کرنا کوئی اسلام کی خدمت نہیں بلکہ اسلام دشمنی کے مترادف ہے ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذوالنورین وغیرہ کو شرعی دلائل کی بنا پر جنتی مانتے ہیں نہ کہ صرف خاندانی قرابت کی وجہ سے۔ واللہ الہادی

ناواقف لوگوں کے نزدیک عباسی تحریک ایک اینٹی شیعہ تحریک ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ عباسی تحریک سے شیعہ تحریک کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شیعہ تحریک بھی اصحاب رسول ﷺ کو دو دھڑوں میں مستقل طور پر تقسیم کرتی ہے (۱) ایک دھڑا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں کا ہے جو گنتی کے چند افراد ہیں اور وہ بھی تقیہ باز (۲) دوسرا عظیم دھڑا خلفائے ثلاثہ کا ہے۔ ان کو وہ العیاذ باللہ ظالم، غاصب بلکہ غیر مومن، منافق اور کافر تک کہتے ہیں۔ اسی طرح عباسی تحریک بھی اصحاب رسول کو دو دھڑوں میں تقسیم کرتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپس میں دشمنی رکھنے والا قرار دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تحقیق مزید ص ۸۴)

پھر حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت راشدہ موعودہ کو مجروح کر کے حضرت امیر معاویہ کی حکومت کو فوقیت دیتے ہیں۔ پھر یزید اور اس کے چار ظالم سپہ سالاروں کو خلاف واقعہ صحابی قرار دے کر ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کو ملحد اور اصحاب مدینہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ اور حضرت عبداللہ بن مطیع وغیرہ صحابہ کو شرپسند اور تخریب کار قرار دیتے ہیں گویا کہ شیعہ اور عباسی گروہ کی منزل ایک ہی ہے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر عباسی صاحب کو ملت کا اتحاد مطلوب تھا تو انہوں نے خلافت معاویہ و یزید۔ ''تحقیق مزید'' اور ''حقیقت خلافت و ملوکیت'' وغیرہ کتابیں لکھ کر سنّی ملت میں پھوٹ کیوں ڈال دی؟ رسول کریم ﷺ کے بعض جلیل القدر صحابہ کرام کو طعن وتنقید کا کیوں نشانہ بنایا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو طالب جاہ واقتدار کیوں قرار دیا ہے؟

آغا خانی عقائد

شمس قاسم لاکھا انچارج آغا خانی مذہبی پرچار گروپ گارڈن ایسٹ کراچی کی طرف سے ایک یک ورقی بعنوان ''آغا خانی مذہبی عبادات کا پیغام'' شائع ہوئی ہے۔ جس کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں:

(۱) سلام ہمارا ہے ”یا علی مدد“ اور ہمارے سلام کا جواب ہے ”مولا علی مدد“ (۲) کلمہ ہمارا ہے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد انّ محمدا رسول اللہ۔ واشھد ان علی اللہ (یعنی حضرت علی اللہ ہیں)۔ (۳) وضوء کی ہمیں ضرورت نہیں اس لئے کہ ہمارے دل کا وضوء ہوتا ہے۔ نماز کی جگہ ہر آغانی پر فرض ہے تین وقت کی دعا جو جماعت خانے میں آکر پڑھے پانچ وقت فرض نماز کے بدلے ہیں۔ ہماری دعاء میں قیام درکوع کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں قبلہ رخ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہر سمت رخ کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ جس کے لئے دعاء میں حاضر امام کا تصور لانا بہت ضروری ہے (۴) روزہ تو اصل میں آنکھ کان اور زبان کا ہوتا ہے۔ کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہمارا روزہ سوا پہر کا ہوتا ہے۔ جو صبح دس بجے کھول دیا جاتا ہے۔ وہ بھی اگر مومن رکھنا چاہے ورنہ وہ بھی فرض نہیں (۵) زکوۃ کی بجائے ہم آمدنی میں روپیہ پر دو آنہ (سوند) ہم فرض سمجھ کر جماعت خانے میں دیتے ہیں۔ (۶) حج ہمارا حاضر امام کا دیدار ہے (وہ اس لئے کہ زمین پر خدا کا روپ صرف حاضر امام ہے)۔ (۷) ہمارے پاس تو بولتا قرآن یعنی حاضر امام موجود ہے مسلمانوں کے پاس خالی کتاب ہے۔

پوری لائف (عمر) کی بندگی معاف کرانے کے پانچ ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں۔ نورانی حاضر امام کے نور کو حاصل کرنے کے لئے ہم سات ہزار روپے جماعت خانوں میں دیتے ہیں جس سے ہمیں حاضر امام کا نور حاصل ہوتا ہے۔ قیامت کے راز حاضر امام سے ہم اپنے آپ کو بخشوانے یعنی حاضر امام کے ساتھ اپنے نور کو ملائے جانے کا خرچہ پچیس ہزار روپیہ ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں (۸) ہر دور میں حکومت وقت کی تائید ہمیں حاصل رہی ہے بس یہ ہی ہمارے مذہب کے سچے ہونے کی حقیقت ہے۔

ہماری دعا ہے کہ ہمیں اور آپ کو خود مولانا حاضر امام، سکھی اور آباد رکھے اور اس کا دیدار بھی نصیب ہو۔ (۹) آخر میں ”نورانی دعوت“ کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ ہم شیعہ امام اسمٰعیلی اپنے انچاسویں امام کی انچاسویں ولادت مبارک کے موقع پر تمام شیعہ اثنا

عشری (فقہ جعفریہ) کے مومنین و مومنات کو پر خلوص دعوت دیتے ہیں کہ آپ تمام حضرات ہمارے مذکورہ بالا پاک، سچے اور برحق مذہب شیعہ امام اسمٰعیلی میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں اور ہمارے حاضر امام کے ہرے اور لال لکیر والے جھنڈے تلے متحد ہو جائیں کیونکہ اہل بیتؓ ہونے کے ناطے ہمارا اور آپ کا نظریہ ''امام معصوم'' ایک ہی ہے۔

(منجانب شمس قاسم لاکھا انچارج آغا خانی مذہبی پرچار گروپ گارڈن ایسٹ کراچی)

یہ ہیں آغا خانی فرقہ کے شرکیہ اور کفریہ عقائد جن کی بنا پر یہ لوگ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔

''آغا خانیت علمائے امت کی نظر میں'' ناشر: سواد اعظم اہل سنت چترال پاکستان۔ ملنے کا پتہ: دارالعلوم تعلیم القرآن سول کوارٹر پشاور۔

سر آغا خان کے مداح عباسی صاحب تو اس جہان سے کوچ کر گئے۔ اب ان کے معتقدین سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مذکورہ آغا خانی عقائد کی اسلام میں کوئی گنجائش باقی ہے۔ اور ان عقائد کے ہوتے ہوئے یہ لوگ دین اسلام میں داخل قرار دیئے جا سکتے ہیں؟

مقتولان حرہ کی تعداد

عباسی صاحب جنگ حرہ کے خاتمہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔ تھوڑی دیر لڑائی ہوتی رہی چند سرغنہ مارے گئے کچھ فرار ہو گئے جن میں بغاوت کے سب سے بڑے سرغنہ عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ بھی تھے وفر ابن مطیع فلحق ابن الزبیر رضی اللہ عنہ (ابن مطیع فرار ہو گئے اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ چنانچہ اپنی فراری کا اقرار بھی کیا ہے۔ پانچ چھ سرغنہ جو گرفتار ہوئے بجرم بغاوت قتل کئے گئے۔ رہیں وہ تفصیلات جو بعد میں گھڑی گئیں کہ ہزاروں آدمی قتل ہوئے۔ خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ دو ہزار کنواری لڑکیاں حمل سے رہیں یا بے دریغ مدینہ کو لوٹا گیا۔ یہ سب داستانیں اکاذیب محض ہیں۔ بعد کے مسلمانوں کو برافروختہ کرنے اور مسلمانوں کی عزت و حرمت پر حرف لانے کے لئے وضع کی گئیں۔ مدینہ طیبہ پہلا شہر نہیں تھا جہاں صحابہ و تابعین کی سرکردگی میں اسلامی فوجیں داخل ہوئی ہوں۔ ان

اموی اسلامی افواج نے سینکڑوں شہر فتح کیے (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۲۹۔۳۳۰)

(۲) بغاوت کا تو چند گھنٹوں میں قلع قمع ہو گیا تھا۔ شہر کو مفسدین اور فتنہ جو (پیش) عناصر سے پاک کرنے اور انتظامات درست کرنے میں ہفتہ عشرہ لگ گیا۔ امیر روح بن زنباع الجزامی کو مدینہ کے انتظام کے لئے متعین کیا (ایضاً ص ۳۳۰)

(۳) تھوڑی دیر لڑائی ہوتی رہی۔ باغیوں کا سرغنہ عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ مارے گئے۔ انصاریوں کے مقتدر بنو حارثہ (بنو عبدالاشہل) نے جیسا کہ مودودی صاحب نے، معتبر غالی مؤلفؒ الامامة و السیاسة نے بھی لکھا ہے۔ اپنے محلے سے سرکاری فوج کو شہر میں داخل ہو جانے کے لئے راستہ دے دیا (ص ۲۲۲ ج ا) یہ حال دیکھ کر بغاوت کے بڑے سرغنہ ابن مطیع رضی اللہ عنہ مدینہ سے ایسے سرپٹ بھاگے کہ ابن زبیر کے پاس جا کر دم لیا یہ شر و فساد تو صرف داعیان ابن زبیر کا بپا کیا ہوا تھا۔ اہل مدینہ کی بڑی تعداد باغیوں کے خلاف تھی۔ تین چار گھنٹہ میں بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ پانچ چھ سرغنہ قتل ہوئے۔ (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۷۲،۳۷۴)

(۴) لڑائی کا مختصر سا حال لکھ کر موجودہ زمانہ کا مؤرخ حتّی لکھتا ہے کہ:۔ مدینہ کی تباہی اور تاراجی وغیرہ کے جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب بعد میں وضع کیے گئے۔ مسلمانوں کو شرم آنی چاہیے کہ وہ خود تو یزید دشمنی میں اپنے اسلاف کو جو تمام تر صحابہ و تابعین کی جماعت سے تھے رسوا و بدنام کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور ایک غیر مسلم مورخ ان کو واقعہ کی نوعیت مورخانہ انداز سے معلوم کر کے ان کے اسلاف کو اس طرح بَری ثابت کرتا ہے۔ (ایضاً ص ۳۸۳)

مقام عبرت

یہ ہے عباسی صاحب کی تاریخی ریسرچ کا نمونہ کہ وہ اپنے خود ساختہ نظریہ کی تائید میں یا تو کسی غالی شیعہ کا قول پیش کرتے ہیں یا کسی متعصب غیر مسلم متشرق کے قول کا سہارا لیتے ہیں۔

اور ان کے مقابلے میں سنی مسلم مورخین کی تحقیق کو کوئی حیثیت نہیں دیتے بلکہ تمام امت مسلمہ کو شرم دلا کر مطعون کرتے ہیں۔حتیٰ کا قول جو اپنی تائید میں انہوں نے پیش کیا ہے اس کا تاریخی ماخذ کیا ہے اس کو کس مستند ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ واقعہ حرہ میں صرف پانچ چھ سرغنہ قتل ہوئے تھے؟ کچھ تو عقل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔

تین دن کے لئے مدینہ میں قتل عام

عموماً مسلم مورخین لکھتے ہیں کہ مسلم بن عقبہ نے یزید کے حکم سے مدینہ میں تین دن کے لئے قتل و قتال حلال کر دیا۔ جس کے نتیجے میں سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام شہید ہوئے۔ چنانچہ ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں۔ مسلم بن عقبہ قتل و غارت کرتا ہوا مدینہ میں داخل ہوا۔ تین روز تک قتل عام کا بازار گرم رکھا۔ شامی لشکر نے لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اس کے بعد مسلم بن عقبہ نے معقل بن سنان اشجعی، محمد بن ابی حذیفہ، محمد بن الجہم وغیرہ کو گرفتار کرا کے قتل کرا دیا۔ اس واقعہ میں تین صد چھ آدمی شرفاء قریش و انصار اور ان کے علاوہ قبائل و موالی اس تعداد کے دو چند کام آئے۔ چوتھے روز جب مسلم بن عقبہ قتل و غارت سے تھک گیا تو اس نے بیعت کی غرض سے اہل مدینہ کے پیش کئے جانے کا حکم دیا۔ لشکریانِ شام چاروں طرف پھیل گئے۔ جو جہاں ملتا تھا اس کو پکڑ لاتے تھے۔ اگر وہ بیعت کرنے سے انکار کرتا تو فوراً قتل کر دیا جاتا'' (تاریخ ابن خلدون مترجم حصہ دوم ص ۱۴۰)

(۲) ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں۔ اس قوم نے مدینے میں صبح کی۔ اہل مدینہ نے شدید قتال کیا۔ لیکن شامیوں کی کثرت ان پر غالب آ گئی۔ مدینے کے تمام اطراف سے ان کا دخول ہو گیا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے اس روز دو زرہیں پہنیں اور اپنے ساتھیوں کو قتال پر ابھارنے لگے لوگ قتال کرنے لگے اور اس قدر مقتول ہوئے کہ سوائے عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس جھنڈے کو وہ اپنی مختصر سی جماعت کے ہمراہ تھامے ہوئے تھے۔ جب لوگوں کو شکست ہو گئی تو ابن حنظلہ نے زرہ پھینک

دی بالکل نہتے ہوگئے اور بلا زرہ کے قتال کرنے لگے یہاں تک کہ لوگوں نے انہیں قتل کر دیا۔ اہل شام میں سے کسی نے ایک تلوار ایسی ماری جس سے ان کے دونوں شانے کٹ گئے۔ پھیپھڑا نکل آیا اور وہ مر کے گر پڑے۔ (طبقات ابن سعد مترجم حصہ پنجم ص ۸۵)

طبقات ابن سعد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فریقین نے بڑی شدت سے جنگ کی تھی اور صرف حضرت عبداللہ بن حنظلہ صحابی رضی اللہ عنہ کی معیت میں جنگ کرنے والے بھی سینکڑوں شہید ہوئے تھے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ سے بھی متقدم ہیں۔ اور خود عباسی صاحب بھی طبقات ابن سعد کو مستند کتاب مانتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔ "طبقات ابن سعد جیسی مستند کتاب میں بھی یہی روایت آپ کے صاحبزادے حضرت ابو جعفر محمد (الباقر) سے ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

(خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۲۵۳)

علاوہ ازیں طبقات ابن سعد میں بھی مسلم بن عقبہ کو مُسرف ابن عقبہ لکھا گیا ہے۔

(۲) حافظ ابن کثیر بھی مدائنی متوفی ۲۲۵ھ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

واباح مسلم بن عقبة المدينة ثلثة ايام يقتلون من وجدوا من الناس وياخذون الاموال .

"اور مسلم بن عقبہ نے مدینہ کو تین دن کے لئے مباح قرار دیا۔ جن لوگوں کو وہ پاتے تھے قتل کر دیتے تھے اور ان کے اموال لے لیتے تھے"۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۲۱)

(ب) حافظ ابن کثیر ہی مسلم بن عقبہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وقتل خلقا من اشرافها وقرّائها وانتهب اموالاً كثيرة منها ووقع شر عظيم وفسادٌ عريض على ما ذكره غير واحد فكان ممن قتل بين يديه صبراً معقل بن سنان وقد كان صديقه قبل ذلك . ولكن اسمعه في يزيد كلاماً غليظا فنقم عليه بسببه (ايضاً ص ۲۲۱) .

''مسلم بن عقبہ نے مدینہ کے شرفاء اور قاریوں میں سے ایک مخلوق کو قتل کیا۔ اور اہل مدینہ کے مالوں کو لوٹا اور ایک شر عظیم اور فساد وسیع واقع ہوا۔ جیسا کہ کئی لوگوں نے ذکر کیا۔ اور جو لوگ صبراً قتل ہوئے ان میں حضرت معقل رضی اللہ عنہ بن سنان (صحابی) بھی ہیں۔ اور آپ اس سے پہلے مسلم بن عقبہ کے دوست تھے لیکن آپ نے یزید کے بارے میں اس کو سخت باتیں سنائی تھیں جس کی وجہ سے وہ آپ کے مخالف ہو گیا تھا''۔

(۴) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

واباح مسلم بن عقبه المدينة ثلثا فقتل جماعة صبرا منهم معقل بن سنان و محمد بن ابي الجهم بن حذيفة ويزيد بن عبد الله بن زمعة وبايع الباقين على انهم خول ليزيد.

(فتح الباری جلد ۱۳ ص ۶۰)

''اور مسلم بن عقبہ نے تین دن کے لئے مدینہ کو مباح قرار دے دیا اور ایک جماعت کو صبراً قتل کیا۔ جن میں سے معقل بن سنان۔ محمد بن ابی الجہم بن حذیفہ الیزید بن عبداللہ بن زمعہ بھی ہیں اور باقی لوگوں نے اس شرط پر بیعت کی کہ وہ یزید کے غلام ہیں''۔

صبراً مقتول

وہ حضرات ہیں جو گرفتار ہوئے۔ لیکن یزید کی اطاعت قبول نہ کرنے کی وجہ سے ان کو قتل کر دیا گیا۔ ان میں حضرت معقل بن سنان ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے اپنی قوم کا جھنڈا اُٹھا رکھا تھا۔

(ملاحظہ ہو۔ الاصابہ جلد ۳ ص ۴۴۶)

(۵) امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔ واضح رہے کہ جنگ حرہ میں جو بمقام مدینہ منورہ لڑی گئی اس میں تین سو چھ بڑے بڑے مہاجرین وانصار شہید کئے گئے۔

(رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ) تاریخ الخلفاء مترجم ص ۲۴۱)

عباسی صاحب امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

جناب سیوطی نے ایک جگہ تو یہ لکھا ہے کہ:۔ واقعہ حرہ میں صحابہ اور دوسرے لوگ بتعداد کثیر قتل ہوئے (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۹) مگر دوسرے ہی صفحے پر یہ بھی لکھتے ہیں:۔

وعدة المقتولين بالحرة من قريش والانصار ثلثمائة واستة رجال.

''یعنی حرہ میں قریش و انصار کے مقتولین کی تعداد تین سو چھ تھی۔ تعداد مقتولین کے بارے میں متضاد بیان ہی اس کا ثبوت ہیں کہ راویوں نے اپنے رجحان طبع کے مطابق تعداد قرار دے لی ہے''۔

(حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۸۵)

عباسی صاحب کا علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض بالکل غلط ہے کیونکہ انہوں نے ص ۲۰۹ پر جو لکھا ہے بتعداد کثیر قتل ہوئے۔ ان میں صحابہ کے علاوہ دوسرے مقتولین کو بھی شمار کیا ہے اور اس کے بعد جو مقتولین کی تعداد صرف تین سو چھ لکھی ہے تو یہ صرف قریش و انصار کی تعداد ہے۔ اور دوسرے مقتولین ان کے علاوہ ہیں اسی طرح ابن خلدون نے بھی لکھا ہے کہ اس واقعہ میں تین صد چھ آدمی شرفائے قریش و انصار اور ان کے علاوہ قبائل و موالی اس تعداد سے دو چند کام آئے (تاریخ ابن خلدون مترجم حصہ دوم ص ۱۴۰)

جس سے ثابت ہوا کہ نہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات میں باہمی تضاد ہے اور نہ سیوطی اور ابن خلدون کے بیانات میں۔ اور اگر کسی روایت میں اس سے کم و بیش تعداد لکھی ہے تو ایسے قتل و غارت کے مواقع میں صحیح تعداد کا معلوم کرنا بہت مشکل ہے لیکن عباسی صاحب کا یہ قول کہ اس جنگ میں صرف چند سرغنہ مارے گئے۔ سراسر ناانصافی پر مبنی ہے۔ کیا تین دن کے قتل عام میں صرف چند آدمی ہی مقتول ہوئے ہیں اور پھر جبکہ یہ کارروائی مسلم بن عقبہ کی قیادت میں کی گئی اور وہ بھی یزید کے انتقامی جذبہ کے تحت۔

یزید کا انتقامی جذبہ

یزید کے انتقامی جذبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت نعمان بن

بشیر صحابی رضی اللہ عنہ کی پیشکش کو یزید نے اسی بنا پر ٹھکرا دیا تھا کہ ان سے اہل مدینہ کے ساتھ نرمی برتنے کا احتمال تھا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:۔

فقال النعمان بن بشير يا امير المؤمنين وَلّني عليهم اكفك وكان النعمان اخا عبدالله بن حنظلة لأمه عمرة بنت رواحة . فقال يزيد لا . ليس لهم الا هذا الغشمة والله لا قتلنهم بعد احساني اليهم وعفوى عنهم مرّة بعد مرّة . فقال النعمان يا امير المؤمنين أنشدك الله فى عشيرتك وانصار رسول الله صلى الله عليه وسلم .

(البداية والنهاية جلد ٨ ص ٢١٨)

''نعمان رضی اللہ عنہ بن بشیر نے (یزید سے) کہا اے امیر المومنین مجھ کو ان پر والی بنا دیں۔ میں آپ کے لئے کافی ہوں گا اور حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بن بشیر حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کے ان کی والدہ عمرہ بنت رواحہ کی طرف سے بھائی تھے۔ یزید نے کہا کہ نہیں ان کے لئے سوائے اس ظلم وتعدی کے اور کچھ نہیں ہے۔ میں نے ان پر احسان کیا ہے اور بار بار ان کو معاف کیا ہے اب میں ضرور ان سے قتال کروں گا۔ حضرت نعمان بن بشیر نے پھر فرمایا۔ اے امیر المومنین میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ یہ آپ کا قبیلہ ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار ہیں''۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید اصحاب مدینہ پر ظلم وستم کی تلوار چلانے کا پختہ ارادہ کر رہا تھا۔ اس لئے عباسی صاحب کا یہ لکھنا بھی ان کی صریح غلط بیانی ہے کہ:۔

''بمزید احتیاط ایک کبیر السن صحابی کو جن کی عمر اس وقت ۹۳ برس تھی امیر عسکر مقرر کیا گیا تا کہ پولیس ایکشن میں کوئی دوسرا افسر جوانی کے جوش میں بے جا سختی کا ارتکاب نہ کر سکے'' (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۸۰)

پہلے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلم بن عقبہ صحابی نہیں ہے۔ بہر حال اس نے بڑھاپے اور بیماری کے باوجود اہل مدینہ کو جس طرح قتل کیا اور ان کے اموال کو لوٹا اگر وہ جوان ہوتا

یا اور کسی جوان کو یزید نے کمانڈر بنایا ہوتا تو پھر مدینہ میں کیا حشر بپا ہوتا۔ اہل عقل و انصاف اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مسلم بن عقبہ جوامت میں مُسرف اور مجرم کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی قیادت میں شامی فوج کے بپا کردہ ظلم و ستم کے طوفان کو خود ساختہ غلط بیانیوں اور قلم کی جولانیوں کے پردہ میں کس طرح چھپایا جا سکتا ہے؟ البتہ ایک ہزار مسلم خواتین کی عصمت دری کی روایت بھی ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کوئی مصدقہ خبر نہیں اسی لئے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لفظ قیل کے تحت اس کا ذکر کیا ہے جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ ہم عباسی صاحب کی طرح شامی فوج کے تقویٰ اور تقدس کے قائل تو نہیں ہیں لیکن محافظِ حقیقی کی رحمت سے توقع یہی ہے کہ اس کے قبیح نتائج کے پیش نظر اس حکیم و قدیر نے خواتینِ مدینہ کو اس ظالم فوج کی دستبرد سے محفوظ رکھا ہوگا۔ واللہ اعلم

ابن زیاد اور عمرو بن سعید کی نافرمانی

ابن خلدون لکھتے ہیں:۔ جب یزید کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے پہلے عمرو بن سعید (یعنی سابق گورنر حجاز) کو مدینہ منورہ پر فوج کشی کا حکم دیا۔ اس نے انکار کیا۔ پھر عبداللہ بن زیاد کو لکھا اس نے بھی عذر پیش کیا تب یہ خدمت مسلم بن عقبہ مری کے سپرد کی گئی۔ (تاریخ ابن خلدون مترجم حصہ دوم ص ۱۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن زیاد اور عمرو بن سعید دونوں اہل مدینہ پر یزید کی فوج کشی کو ناجائز سمجھتے تھے اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

وقد كان يزيد كتب الى عبيد الله بن زياد ان يسير الى ابن الزبيرؓ فيحاصره بمكة فابى عليه وقال والله لا اجمعهما للفاسق ابدًا . اقتل ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم واغزوا البيت الحرام. (البدايه والنهاية ج۸ ص۲۱۹)

"اور یزید نے عبداللہ بن زیاد کی طرف یہ لکھا تھا کہ وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف کوچ کرے اور مکہ میں ان کا محاصرہ کرے۔ تو اس نے اس کا انکار کر دیا۔ اور کہا کہ اللہ کی قسم میں اس فاسق کے لئے دو باتیں جمع نہیں کروں گا۔

ایک یہ کہ میں رسول اللہ ﷺ کے نواسے (حضرت حسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کروں اور دوسرا یہ کہ میں بیت اللہ پر چڑھائی کروں"۔

فریقین سے بڑے بڑے لوگ قتل ہوئے

عباسی صاحب مودودی صاحب کے جواب میں لکھتے ہیں:۔ انہی کے معتبر مؤلف الامامة والسیاسة نے جو رپورٹ امیر عسکر کی درج کی ہے اس میں صراحتاً لکھا ہے:۔ "فوجی دستے کے کسی سپاہی کو باغیوں کے مقابلے میں کوئی ضرب نہ آئی فلم یصب منهم احد بمکروه ج ۱ ص ۲۲۹) (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۸۴)

میرے پاس الامامة والسیاسة کا جو نسخہ ہے اس میں یہ عبارت ج ۱ ص ۱۸۶ پر منقول ہے۔ یہ رپورٹ امیر عسکر مسلم بن عقبہ نے یزید کو تحریری طور پر بھیجی تھی جس میں یہ لاف زنی کی تھی جو خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ حرہ کی جنگ میں فریقین کے لوگ قتل ہوئے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

ثم اقتتلو قتالاً شديداً ثم انهزم اهل المدينة اليها وقد قتل من الفريقين خلق من السادات والاعيان .

(البدایه والنهایه ج ۸ ص ۲۲۰)

"پھر آپس میں انہوں نے شدید جنگ لڑی پھر اہل مدینہ شہر کی طرف بھاگ گئے اور فریقین میں سے بڑے بڑے لوگ قتل ہوئے"۔

علاوہ ازیں طبقات ابن سعد جلد پنجم میں جنگ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

فضل بن عباس نے مسلم کے علمبردار کو قتل کیا

مسلم بن عقبہ اپنے ہمراہیوں کو مرتب کر کے حرہ کی طرف سے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا اور عبداللہ بن حنظلہ مقابلہ پر آئے اور اس مردانگی سے دست بدست لڑے کہ سواران شام کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ مسلم نے للکار کر پیادوں کو آگے بڑھایا۔ فضل بن عباس بن ربیعہ

بن حارث بن عبدالمطلب نے بہ اجازت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیس سواروں کو لے کر مسلم پر حملہ کیا۔ شامی پیادوں کے رخ پھر گئے۔ منہ کے بل ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگے۔ اس کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ (ابن حنظلہ) نے حسبِ درخواست فضل بن عباس کل سوارانِ مدینہ کو ان کی ماتحتی میں بھیج دیا۔ فضل بن عباس نے اس قدر تیزی سے حملہ کیا کہ لشکر شام کا نظام جاتا رہا۔ سواروں پیادوں کی ترتیب درہم برہم ہوگئی۔ مسلم کے اردگرد صرف پانچ سو پیادوں کی جماعت باقی رہ گئی۔ باقی سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ فضل نے پہنچ کر مسلم کے علمبردار پر یہ سمجھ کر کہ یہ مسلم ہے اس زور کا حملہ کیا کہ خود کی کڑیاں ٹوٹ کر گلے میں گھس گئیں۔ ہاتھ سے علم گر گیا اور ساتھ ہی فضل جوش مسرت سے چلا اُٹھے قتلت طاغیة القوم وربّ الکعبة (واللہ میں نے گمراہ قوم کے سردار کو قتل کر ڈالا) مسلم بن عقبہ بولا تم نے دھوکہ کھایا وہ ایک رومی غلام تھا۔ فضل نے جھپٹ کر علم اٹھالیا۔ مسلم نے لشکر شام کو للکارا۔ سب نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بالآخر لڑتے لڑتے فضل شہید ہوگئے۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ دوم ص ۱۳۹) یہ فضل بن عباس ہاشمی ہیں اور یزید کے مخالف ہیں۔ انہوں نے مسلم بن عقبہ کو قتل کرنے کے لئے جس جوانمردی کا مظاہرہ کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔ ان کے ہاتھوں شامی فوج کا ایک علمبردار قتل ہوا۔ کیا عباسی پارٹی اس کا انکار کرسکتی ہے۔ اس شدید جنگ میں کتنے شامی قتل ہوئے ہوں گے؟ کیا عباسی پارٹی کے لوگ یہ بتا سکتے ہیں کہ جنگ اُحد (۳ھ) میں کتنے کفار قریش سے قتل ہوئے تھے؟ جبکہ شہداء صحابہ کی تعداد ستر مذکور ہے۔

مزید شہدائے حرہ

ابن خلدون لکھتے ہیں:۔ عبداللہ بن حنظلہ نے پکار کر کہا:۔ ”کہ جو شخص تیزی کے ساتھ جنگ میں جانا چاہتا ہو وہ اس علم کو لے“۔ لوگ یہ سنتے ہی دوڑ پڑے اور نہایت دلیری سے یکے بعد دیگرے لڑ لڑ کر شہید ہونے لگے یہاں تک کہ عبداللہ ابن حنظلہ کے کل لڑکے (جن کی تعداد آٹھ ہے) اور ان کے اخیافی بھائی محمد بن ثابت بن قیس بن شماس۔

عبداللہ بن زید بن عاصم اور محمد بن عمرو بن حزم انصاری۔ عبید اللہ بن عبداللہ ابن موہب وہب بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن خاطب، زبیر بن عبدالرحمٰن بن عوف وعبداللہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب نے میدان جنگ میں جام شہادت پیا۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ دوم ص ۱۳۹)

یہ عبداللہ بن نوفل بھی تو ہاشمی ہیں جو شامی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ لہٰذا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب میں سے کسی نے بھی جنگ حرہ میں یزید کے خلاف حصہ نہیں لیا۔

بنی امیّہ کی عہد شکنی

عباسی صاحب اہل مدینہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔ بنی امیہ کو پہلے تو محصور کر کے ان پر پانی تک بند کر دیا۔ طبری کی روایت ہے کہ محصورین نے امیر المومنین سے استغاثہ کیا اور قاصد کے ذریعہ تحریر بھیجی تو باغیوں نے عامل مدینہ اور بنی امیہ کے مردوزن اور ان کے لواحقین کو جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ بیان کی گئی ہے یہ عہد و پیمان لے کر کہ وہ شہر کے مورچوں اور گزرگاہوں کا حال کسی کو نہ بتلائیں گے خارج البلد کر دیا (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۲۵)

(۲) مورخ ابن خلدون بھی لکھتے ہیں:۔ جب اہل مدینہ کو اس سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے بنی امیہ کا مروان کے گھر میں نہایت سختی سے حصار کر لیا اور بالآخر یہ عہد و پیمان لے کر آزاد کیا کہ آئندہ وہ جنگ سے کنارہ کریں گے۔ دوسرے کے ساتھ ہو کر اہل مدینہ کی مخالفت نہ کریں گے۔ اور کسی راز کو جو اہل مدینہ کے خلاف ہوگا ظاہر نہ کریں گے۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ دوم ص ۱۳۷)

(۳) طبری میں ہے:۔ ابن عقبہ نے بنی امیہ میں سے عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو بلا بھیجا اور کہا۔ وہاں کا حال بتاؤ اور کچھ مشورہ دو۔ کہا میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔ ہم لوگوں سے عہد و میثاق اس بات کا لیا گیا ہے کہ ہم کچھ چھپا ہوا موقع نہ بتائیں اور دشمن کی تقویت نہ کریں۔ یہ سن کر ابن عقبہ نے انہیں جھڑک دیا اور کہا واللہ اگر تو عثمان رضی اللہ عنہ کا فرزند نہ ہوتا

تو میں تیری گردن مارتا اور بخدا اب میں کسی قرشی کی یہ بات نہ سنوں گا۔ عمرو بن عثمان یہ درشتی دیکھ کر اپنے اصحاب میں چلے آئے۔ (طبری مترجم حصہ چہارم ص ۳۲۸)

یہ ہے یزیدی کمانڈر مسلم بن عقبہ کی چیرہ دستی، کہ بجائے اس کے کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے فرزند ارجمند حضرت عمرو بن بن عثمان کے ایفائے عہد کی وجہ سے ان کی حوصلہ افزائی کرتا ان کو قتل کی دھمکی دے دی۔

(۴) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

ثم استدعى بعمرو بن عثمان بن عفان ولم يكن خرج مع بني امية فقال له انك ان ظهر اهل المدينة قلت انا معكم . وان ظهر اهل الشام قلت انا ابن امير المومنين . ثم امربه فنتفت لحيته بين يديه وكان ذا الحية كبيرة.

(البدايه والنهايه جلد۸ ص ۲۲۰)

"پھر مسلم بن عقبہ نے عمرو بن عثمان عفان کو بلایا اور ان سے کہا کہ اگر اہل مدینہ غالب آجاتے تو تو کہتا کہ میں تمہارے ساتھ تھا اور اگر اہل شام غالب آجاتے تو تو کہتا کہ میں امیر المومنین (حضرت عثمان) کا فرزند ہوں۔ پھر اس نے حکم دیا تو ان کی داڑھی اس کے سامنے نوچی گئی۔ اور آپ کی داڑھی بڑی تھی"

یہ ہے عباسی صاحب کا ممدوح بڈھا رحمدل یزیدی جرنیل۔

عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

(۵) ابن سعد نے بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ نے اہل مدینہ کو شامی فوج کی آمد کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا:۔ مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جو اس تاریک مزاج قوم کے ساتھ اُترا ہے کہ آج ذاخشب اس قوم کی منزل ہے اور ان کے ہمراہ مروان بن الحکم بھی ہے۔ انشاء اللہ اس کے اس عہد و پیمان کو توڑنے کی وجہ سے جو اس نے رسول اللہ ﷺ کے منبر کے پاس کیا تھا۔ اللہ اسے نیک راستہ نہ دکھائے گا۔ لوگوں نے شور بلند کیا

اور مروان کو گالیاں دینے لگے کہنے لگے کہ وہ بزدل کا بیٹا بزدل ہے۔ ابن حنظلہ لوگوں کو خاموش کرنے لگے اور کہنے لگے کہ گالی کوئی چیز نہیں البتہ سچائی سے ان کا مقابلہ کرو۔ واللہ جو قوم سچائی کرتی ہے وہ اللہ کی قدرت سے مدد کو گھر لیتی ہے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور قبلہ رو ہو کے کہا کہ اے اللہ! ہم لوگ تجھی پر بھروسہ کرتے ہیں اور تجھی پر ہمارا توکل ہے۔ تیری ہی طرف ہم نے اپنی پشتوں کا سہارا لگایا ہے۔ یہ کہا اور منبر پر سے اُتر آئے۔ (طبقات ابن سعد مترجم حصہ پنجم ص ۸۵)

یہ ہے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی قائد اہل مدینہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کا مومنانہ اور متوکلانہ معیاری کردار۔

مسلم بن عقبہ اور عبدالملک

(۶) طبری میں ہے:۔ مروان نے اپنے بیٹے عبدالملک سے کہا مجھ سے پہلے تم ہی اس (یعنی مسلم بن عقبہ) کے پاس چلے جاؤ شاید وہ تمہارے ہی جانے کو کافی سمجھے مجھے نہ بلائے۔ عبدالملک یہ سن کر ابن عقبہ کے پاس چلا گیا۔ اس نے کہا جو باتیں تم جانتے ہو بتاؤ۔ ان لوگوں کی ساری خبر مجھ سے بیان کرو اور یہ بتاؤ کہ تمہاری رائے کیا ہے۔ عبدالملک نے کہا۔ اچھا اچھا۔ میری رائے یہ ہے کہ اس رستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے تو مدینہ کی طرف لشکر لئے ہوئے جا۔ جب مدینہ کے قریب کا نخلستان تجھے ملے تو وہیں اتر پڑ لوگ چھاؤں میں بیٹھیں گے۔ رطب کھائیں گے جب رات ہو جائے تو پہرہ والوں کو سوار ہونے کا حکم دینا کہ وہ ساری رات لشکر کے درمیان پھرتے رہیں۔ جب صبح ہو جائے تو سب کے ساتھ نماز پڑھ کر روانہ ہو۔ مدینہ کو اپنی بائیں جانب رکھ کر شہر کے گرد پھر اور حرہ کی زمین بلند کی طرف سے اہل مدینہ کا مقابلہ کر۔ جب تو ان کے مقابل ہوگا آفتاب چمک کر ان کے سامنے طلوع کرے گا اور تیری فوج کی پشت پر ہوگا۔ اِن کو آفتاب سے ایذاء نہ پہنچے گی اور اُن لوگوں کے منہ پر دھوپ ہوگی۔ اس کے بعد ان لوگوں سے قتال شروع کر اور خدا سے نصرت طلب کر۔ خدا بے شک تیری مدد کرے گا کہ ان لوگوں نے

امام کی مخالفت کی ہے اور جماعت سے خارج ہو گئے ہیں۔ مسلم نے کہا خدا تجھے جزائے خیر دے۔ جس باپ کا تو بیٹا ہے اس نے کیسا خلفِ رشید پایا۔ (طبری حصہ چہارم ص ۳۲۹)

قارئین! اندازہ فرمائیں کہ بنی امیہ کی یہ کھلی بدعہدی ہے جو ارشادِ ربانی اوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا۔ (القرآن) "اپنے عہد کو پورا کرو عہد و پیمان کے متعلق قیامت میں پوچھا جائے گا"۔ کے خلاف ہے۔ اگر بنی امیہ عہد شکنی کریں۔ یہ ان کی اسلامی سیاست ہے۔ لیکن عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ اصحاب رسول اللہ ﷺ یزید کا فسق و فجور ظاہر ہونے کے بعد اس کی بیعت توڑ دیں تو یہ شرعی غداری بن جاتی ہے ایسا کیوں؟

اہل مدینہ کو کیوں شکست ہوئی

عباسی صاحب نے اہل مدینہ کی شکست پر بغلیں بجائی ہیں اور ان کو طعن و تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جنگ احد میں بھی اصحابِ رسول ﷺ کو باوجود قیادت محمدی کے ظاہراً شکست ہو گئی تھی ستر صحابہ کرام شہید ہوئے اور خود رحمۃ للعالمین ﷺ شدید زخمی ہوئے۔ تو اس کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ قرآن حکیم کا خود فیصلہ ہے۔ تلك الايام نداولها بين الناس (کہ یہ ایام ہیں جن کو ہم لوگوں کے مابین ادلتے بدلتے رہتے ہیں) جنگ حرہ کے نتائج بھی حق تعالیٰ کی حکمت کے تحت ہیں اور ظاہری سبب بنی امیہ کی عہد شکنی اور بنو عبدالاشہل کا شامی فوج کو راستہ دینا ہے۔ اصل مسئلہ فتح و شکست کا نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ شامی فوج کن افراد پر مشتمل تھی۔ اس کا کمانڈر مسلم بن عقبہ کون تھا اور اہل مدینہ کے قائد حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کون تھے اور مسلم بن عقبہ کے ہاتھوں اہل مدینہ کا کیا حشر ہوا؟

مسلم بن عقبہ اور امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

یزیدی فوج کی طرف سے مکہ مکرمہ کے محاصرہ کا ذکر کرتے ہوئے عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ "دو ہفتے چار دن یہ محاصرہ جاری رہا کہ امیر المومنین کی وفات کی اطلاع پر اٹھا لیا گیا۔ اور خلافت کا فوجی دستہ دمشق جاتے ہوئے جب مدینہ منورہ سے گزرا حضرت علی

بن الحسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ) ان کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ لے کر آئے۔

فاستقبله علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ومعه قتّ وشعیرٌ. (طبری ج ۷ ص ۱۷)

"علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب اس کے (امیر حصین بن نمیر سردار لشکر) کے استقبال کو اپنے ساتھ جو اور چارہ لے کر نکلے۔ انہوں نے حصین کو سلام کیا اور علی بن حسین نے ان سے کہا کہ میرے ساتھ دانہ چارہ ہے، اپنے گھوڑوں کے لئے لے لیجیے۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور حکم دیا کہ ان سے چارہ دانہ لے لو"

طبری کی اس روایت سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ حرّہ کے مظالم کی داستانیں وضعی اور جھوٹی ہیں۔ حضرت زین العابدین نے اموی فوج کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ بہ نفس نفیس لاکر اس وقت پیش کیا تھا جب امیر المومنین یزید کی وفات ہو چکی تھی۔ مظالم کربلا اور مظالم حرہ کی ذرہ بھر بھی حقیقت ہوتی تو یہ ہاشمی بزرگ حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اموی فوج کے سردار کا کیوں استقبال کرتے اور کیوں دانہ چارہ گھوڑوں کے لئے خود لاکر پیش کرتے۔ فاعتبروا (خلافت معاویہ ویزید ص ۲۳۱)

حصین بن نمیر نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم کرلی

الجواب (۱) عباسی صاحب نے حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق چارہ دانہ پیش کرنے والی روایت تو نقل کردی اور حامیان یزید عموماً یہ روایت پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن طبری ہی کی حسب ذیل روایت کو نظر انداز کر دیا۔ جس سے حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے کہ: "ثابت (ابن قیس نخعی) سے (حصین) ابن نمیر نے یزید کے مرنے کی خبر پوچھی اس نے بیان کیا کہ یزید مر گیا۔ ابن نمیر نے یہ سن کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہلا بھیجا کہ آج رات کو مقام ابطح میں مجھ سے ملاقات کرنا۔ دونوں یکجا ہوئے تو کہا: اگر یزید مر گیا تو تم سے زیادہ کوئی خلافت کا حقدار نہیں۔ آؤ ہم تم سے بیعت کریں۔ اس کے بعد میرے ساتھ شام چلو۔ یہ لشکر جو میرے ساتھ ہے اس میں شام کے تمام رؤساء وسرہنگ شامل

ہیں واللہ دو شخص بھی تمہاری بیعت سے انکار نہ کریں گے۔ شرط یہ ہے کہ سب کو تم امان دے کر مطمئن کر دو اور ہمارے تمہارے درمیان وراس کے سوا ہم میں اور اہل حرہ میں جو خونریزی ہوئی ہے اس سے چشم پوشی کرو۔ (طبری مترجم حصہ چہارم ص ۳۴۱)

(ب) بعض قریش کا خیال ہے کہ ابن زبیر نے کہا: میں اور اس خونریزی سے چشم پوشی کروں۔ نہیں واللہ۔ اگر ایک ایک شخص کے عوض میں دس دس آدمیوں کو میں قتل کروں جب بھی مجھے چین نہیں آئے گا۔ ابن نمیر ان سے چپکے چپکے باتیں کرتا تھا اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ پکار کر کہتے جاتے تھے۔ نہیں واللہ مجھ سے یہ نہ ہوگا۔ آخر میں ابن نمیر نے کہا اب بھی اگر کوئی تم کو پرفن اور لستان کے لفظ سے یاد کرے تو خدا اسے سمجھے (طبری حصہ چہارم ص ۳۴۲)

(۲) ابن خلدون نے بھی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور حصین بن نمیر کا یہ مکالمہ نقل کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ حصین بن نمیر کی پیشکش کے جواب میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (بلند آواز سے کہا) میں ایسا ہرگز نہ کروں گا مجھے اس شخص پر کیسے بھروسہ ہو سکتا ہے جس سے لوگ خائف ہوں اور جس نے بیت اللہ کو جلا دیا ہو اور جس نے اس کی حرمت کا لحاظ نہ کیا ہو۔ اس پر حصین بن نمیر نے کہا:۔ تم ضرور میرے کہنے پر عمل کرو۔ تمہارا اس میں فائدہ ہے۔ عبداللہ بن زبیر:۔ میں واللہ تمہارے قول وفعل کا ہرگز اعتبار نہ کروں گا اور نہ اس فقرے میں آؤں گا۔ حصین بن نمیر مجبور ہو کر اپنے لشکر میں چلا آیا اور مدینہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔

اس کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حصین بن نمیر کے پاس کہلا بھیجا کہ میں شام تو نہیں جاؤں گا البتہ تم لوگ یہیں آ کر میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔ حصین بن نمیر نے یہ جواب دیا کہ بغیر تمہارے شام چلے ہوئے کام درست نہ ہوگا۔ کیونکہ وہاں بنوامیہ موجود ہیں اور وہ خلافت کے مدعی ہیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس امر پر راضی نہ ہوئے اور مکہ ہی میں رہ گئے اور حصین بن نمیر منزل بمنزل کوچ کرتا ہوا مدینہ پہنچ گیا (ابن خلدون حصہ دوم ص ۱۴۲)

(۳) حافظ ابن کثیر محدث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طبری کے حوالہ سے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور حصین بن نمیر کا یہ مکالمہ نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۲۶)

مقبولیت یزید کی قلعی کھل گئی

عباسی صاحب نے تو اپنے محبوب امیر المومنین جناب یزید کو برحق خلیفہ ثابت کرنے کے لئے یہ روایت پیش کی تھی کہ حضرت زین العابدین نے یزیدی کمانڈر حصین بن نمیر کے گھوڑوں کو دانہ چارہ کھلایا تھا۔ لیکن منقولہ بالا واقعات نے تو یزید کی افسانوی مقبولیت کی قلعی کھول دی اور عباسی ریسرچ کا بھانڈا بھی چوراہے میں پھوٹ گیا۔ واقعات حسب ذیل ہیں:۔

مسلم بن عقبہ کے مرنے کے بعد یزیدی لشکر کا کمانڈر حصین بن نمیر مقرر ہوا تھا۔ چنانچہ عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ نصف محرم ۶۴ھ کو امیر مسلم مکہ معظمہ کے قصد سے روانہ ہوئے۔ مرض کی حالت میں باغیوں کا مقابلہ کیا تھا۔ مدینہ منورہ سے روانگی کے بعد المشلل مقام پر وفات پا گئے۔ امیر حصین بن نمیر السکونی ان کے جانشین ہو کر آگے بڑھے۔ ۲۷ محرم ۶۴ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ امیر المومنین کی قسم کو پورا کر دیں تو ان کے ساتھ نیک برتاؤ ہو گا۔ چاہیں گے تو انہیں حجاز کا والی بنا دیا جائے گا (انساب الاشراف ص ۵۴) دو ہفتے چار دن کا یہ محاصرہ جاری رہا کہ امیر المومنین کی وفات کی اطلاع پر اٹھا لیا گیا۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۳۰)

یزید کی اس قسم کے بارے میں عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین نے قسم کھائی کہ اب ان کو گرفتار کرا کے بیعت لی جائے۔

(ایضاً خلافت معاویہ و یزید ص ۳۲۰)۔

یہ یزیدی قسم بھی عجیب ہے۔ ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یزید کو گرفتار کرا کے ان سے جبری بیعت لینا چاہتا ہے۔ اسی پر قیاس کر لیں۔ دوسرے لوگوں کی بیعت کا اور اہل مدینہ کی بیعت کا کہ یہ برضا و رغبت بیعت نہیں تھی جس کا ڈھنڈورا عباسی صاحب پیٹ رہے ہیں۔ بلکہ جبر و اکراہ کی بیعت تھی۔ جس کے ثبوت کے لئے یہی واقعہ کافی ہے کہ مسلم بن عقبہ کے مرنے کے بعد حصین بن نمیر کو کمانڈر بنایا گیا اور یہ بھی

یزید کے حکم کے تحت تھا۔ جیسا کہ طبری حصہ چہارم ص ۳۴۷ پر لکھا ہے کہ مسلم بن عقبہ نے :۔ مرتے وقت حصین بن نمیر کو بلا کر کہا کہ :۔ کہ اے ابن پالانِ خر۔ اگر میرے اختیار کی بات ہوتی تو واللہ تجھے میں اس لشکر کا رئیس نہ کرتا۔ لیکن میرے بعد تجھے امیر المومنین نے رئیس لشکر مقرر کر دیا ہے۔ اس سے مسلم بن عقبہ سے جو یقیناً مجرم و مسرف تھا کی ذہنیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یزید کا جو معتمد علیہ کمانڈر تھا یعنی حصین بن نمیر۔ اس سے بھی مسلم بن عقبہ بغض رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور حصین بن نمیر سکونی کے منقولہ بالا مکالمے کو خود عباسی صاحب نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :۔

> ''امیر المومنین یزید کی وفات کے بعد امیر حصین بن نمیر نے محاصرہ اُٹھانے سے پہلے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ اب آپ ہر طرح مستحق خلافت ہیں اور ہم آپ سے بیعت کرنے پر بھی تیار ہیں بشرطیکہ آپ شام تشریف لے چلیں جو مستقر خلافت ہے۔ میرے ساتھ جتنے لشکری ہیں وہ ممتاز حیثیت کے لوگ ہیں یہ آپ سے بیعت کریں گے تو دو آدمی بھی آپ کی مخالفت نہ کر سکیں گے۔ لیکن اس صائب ترین مشورے کو انہوں نے حقارت سے ٹھکرا دیا اور اس طرح اپنے متفق علیہ خلیفہ بن جانے کا بہترین موقع اپنے ہاتھ سے کھو دیا'' (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۹۸ نمبر ۸)

اسے کہتے ہیں: جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ اس مکالمہ کو تسلیم کر کے عباسی صاحب نے حضرت ابن زبیر کے خلاف اپنی ساری سابقہ ریسرچ پر پانی پھیر دیا۔ اور اپنے محبوب امیر المومنین یزید نے حضرت ابن زبیر کو جو ملحد اور فتنہ جو قرار دیا تھا اس کی بھی تردید کر دی۔ کیونکہ اگر ان میں وہ عیوب اور نقائص ہوتے جن پر ان کو عباسی صاحب متہم کرتے چلے آئے ہیں تو حصین بن نمیر اپنے امیر المومنین یزید کی پالیسی کے خلاف حضرت ابن زبیر کو خلیفہ تسلیم نہ کرتا اور عباسی صاحب بھی اپنے دکھ کا یوں اظہار نہ کرتے :۔ اس صائب ترین مشورے کو انہوں نے حقارت سے ٹھکرا دیا اور اس طرح اپنے متفق علیہ خلیفہ بننے کا موقع

اپنے ہاتھوں سے کھو دیا۔ (۲) یزید کی موت کی خبر کے بعد حصین بن نمیر کی طرف سے مکہ کا محاصرہ اٹھالینا اور مرکز کے کسی حکم کا انتظار نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ شامی فوج اور اس کے کمانڈر حصین بن نمیر نے یزید کے خوف کے تحت مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا ورنہ اگر ان کے دل میں یزید کی عقیدت اور اس کے آرڈر کی اہمیت ہوتی تو وہ ہرگز مکہ کا محاصرہ نہ اُٹھاتے اور یزید کی موت کے بعد بھی اپنی جنگ جاری رکھتے (۳) گو حضرت عبداللہ بن زبیر نے حصین بن نمیر پر اعتماد نہیں کیا اور ان کے ساتھ دمشق جا کر مرکز خلافت پر قابض ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ لیکن حصین بن نمیر کی اس پیشکش سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرکز دمشق کے اہل حل و عقد بھی یزید کے کردار سے مطمئن نہ تھے ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن زبیر جو یزید کے مخالف تھے اور یزید جو ان کا سخت دشمن تھا ان کو شامی فوج بآسانی امیر المومنین تسلیم کر لیتی۔

(۴) مسلم بن عقبہ اور اس کے ماتحت شامی فوج نے اہل مدینہ پر جو مظالم ڈھائے ہیں ان کا اعتراف خود حصین بن نمیر نے بھی کر لیا تھا اور اس پر حضرت عبداللہ بن زبیر سے معافی کی درخواست بھی کی تھی۔ تو فرمایئے کہ اس کے بعد عباسی صاحب اور ان کی پارٹی کی طرف سے یزید کے زہد و تقویٰ اور اس کی عدل گستری اور انصاف پروری کے زوردار پروپیگنڈے کو سوائے قلمی شعبدہ بازی اور فرضی ڈرامہ نویسی کے اور کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ بعض علماء بھی بلا تحقیق عباسی مکذوبات کا شکار ہو رہے ہیں۔ فاعتبروا یٰاُولی الْاَبْصَار۔

(۵) حضرت نعمان بن بشیر صحابی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت تسلیم کر لی تھی۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں ''یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتے ہی بلا جدوجہد اہل حجاز، یمن، عراق اور خراسان نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت قبول کر لی۔ صرف شام و مصر والے ان کی بیعت سے علیحدہ رہے کیونکہ ان لوگوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت کی تھی۔ لیکن جب اس کا بھی انتقال ہو گیا تو لوگوں میں انتخاب خلیفہ کی بابت اختلاف پڑ گیا۔ سب سے پہلے جس نے امرائے لشکر سے اختلاف کیا وہ نعمان بن بشیر

انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ جن کی سپردگی میں حمص کا علاقہ تھا۔ انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تحریک کی"۔

(ب) اور حافظ ابن کثیر بھی لکھتے ہیں:۔

وقد بايع لابن الزبير النعمان بن بشير بحمص (البدايه والنهايه ج۸ ص۲۳۹)

"اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے حمص میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت لی"۔

یہ وہی حضرت نعمان بن بشیر صحابی ہیں جن کو یزید نے اہل مدینہ کو سمجھانے کے لئے بھیجا تھا اور یہ وہی حضرت نعمان رضی اللہ عنہ ہیں جن پر یزید نے اعتماد نہیں کیا تھا۔ جب انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان کو مدینہ کا والی بنا دیا جائے۔ اور یہی وہ صحابی حضرت نعمان ہیں جنہوں نے یزید کے مرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن الزبیر کی بیعت کر لی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر بہت زیادہ مقبول عوام وخواص تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یزیدی کمانڈروں نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، مروان نے بھی بیعت کا ارادہ کیا

حضرت نعمان بن بشیر صحابی سمیت حسب ذیل یزیدی لشکر کے کمانڈروں نے یزید کی موت کے بعد حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔ شام میں لوگوں میں اختلاف ہوا۔ امرائے لشکر میں سب سے پہلے جس نے مخالفت کی اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو دعوت دی وہ نعمان رضی اللہ عنہ بن بشیر جو حمص میں تھے اور زفر بن الحارث کہ قنسرین میں تھے۔ دمشق میں خفیہ طور پر ضحاک بن قیس نے دعوت دی۔ پھر انہوں نے لوگوں کو ابن الزبیر کی بیعت کی علانیہ دعوت دی۔

سب نے ان کی یہ دعوت قبول کر لی اور ان کی بیعت کر لی ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو معلوم

ہوا تو انہوں نے ضحاک بن قیس کو شام کی عہدہ داری کے لئے لکھ دیا۔ ضحاک بن قیس نے ان امرائے لشکر کو لکھا جنہوں نے ابن الزبیر کی بیعت کی طرف دعوت دی تھی۔ وہ ان کے پاس آئے۔ مروان نے یہ دیکھا تو وہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ارادے سے مکہ روانہ ہوا کہ ان سے بیعت کرے اور ان سے بنی امیہ کے لئے امان لے لے۔ اس کے ساتھ عمرو بن سعید بن العاص بھی روانہ ہوا۔ اس کے بعد لکھا ہے ان لوگوں کو راستہ میں عبید اللہ بن زیاد ملا جو عراق سے آ رہا تھا۔ اس نے مروان سے کہا کہ واپس چلو اور اپنی بیعت کی طرف دعوت دو۔ (طبقات ابن سعد حصہ پنجم ص ۵۸)

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ معاویہ بن یزید نے ضحاک بن قیس کے بارے میں یہ وصیت کی تھی کہ جب میں مر جاؤں تو ولید بن عتبہ بن ابی سفیان مجھ پر نماز پڑھیں اور ضحاک بن قیس لوگوں کو پنجگانہ نماز پڑھائیں۔ یہاں تک کہ لوگ اپنے لئے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں اور کوئی شخص خلافت کو قائم کرے۔ (ایضاً ص ۵۷) یہ حضرت ضحاک بن قیس صحابی ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق لکھتے ہیں:۔ قال البخاری له صحبة امام بخاری کہتے ہیں کہ ضحاک بن قیس کو صحبت نبوی حاصل ہے۔

(الاصابہ جلد دوم القسم الاول ص ۲۰۲)

جو لوگ محمود عباسی کی اندھی تقلید میں حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے اخلاص و تقویٰ کو مجروح کرتے ہیں اور یزید کے صالح و عادل ہونے کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں ان کے لئے یزیدی لشکر کے کمانڈروں میں سے حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا مرگِ یزید کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینا ایک زبردست تازیانہ عبرت ہے۔ اور جناب مروان کا ارادۂ بیعت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھی حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو خلافت کا مستحق تسلیم کرتے تھے۔ واللہ الہادی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ خدری متوفی ۷۴ھ فقہائے صحابہ میں سے ہیں (آپ کا نام

سعد بن مالک بن سنان انصاری ہے) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

وقد اختفی جماعة من سادات الصحابة منهم جابر بن عبداللہ وخرج ابو سعید الخدری .

(البدایه والنهایه جلد۸ ص ۲۲۱)

''(ایام حرہ میں) بڑے بڑے صحابہ کرام کی ایک جماعت روپوش ہوگئی جن میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور حضرت ابو سعید خدری بھی مدینہ منورہ سے نکل گئے''۔

چنانچہ ان کا قصہ کتاب ہذا میں نقل کیا گیا ہے۔

(۲) علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ شامی فوج آپ کے گھر میں داخل ہوگئی۔ آپ کا سامان لوٹ لیا اور بعض نے آپ کی داڑھی نوچ لی۔ (وفا الوفاء جلد اوّل ص ۱۳۵) واللہ اعلم بحقیقة الحال۔

حضرت زین العابدین اور حصین بن نمیر

حضرت امام حسین کے صاحبزادہ حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۴ھ) نے حصین بن نمیر کے گھوڑوں کو دانہ چارہ ڈالا۔ تو ان کی نگاہ میں وہ حصین بن نمیر نہ تھا جو یزیدی کمانڈر ہونے کی حیثیت سے حرہ کے مظالم کا ذمہ دار تھا بلکہ ان کے سامنے اب وہ حصین بن نمیر تھا جو سابقہ مظالم سے توبہ کر چکا ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ملت اسلامیہ کا امیر المومنین بنانے کا خواہشمند ہے۔ حضرت زین العابدین کے اس حسن سلوک سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایام حرہ میں اہل مدینہ کا قتل عام نہیں ہوا یا یہ کہ یزید ایک صالح و عادل خلیفہ تھا بلکہ جب حصین بن نمیر خود اپنے مظالم سے توبہ کر رہا ہے تو اس کے باوجود عباسی صاحب کا امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے اس حسن سلوک سے یہ استدلال کرنا کہ اہل مدینہ پر مظالم نہیں ہوئے، مدعی سست گواہ چست والا معاملہ ہے۔

حضرت زین العابدین اور مسلم بن عقبہ

عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ جو اہل مدینہ بغاوت میں شریک نہ تھے ان سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی تھی۔ حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ) کے متعلق فوجی افسر کو خاص طور سے تاکید کی گئی تھی۔ کہ دیکھو علی بن حسین سے مراعات سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا۔ ان کو اپنے قریب عزت سے بٹھانا۔ وہ ان لوگوں کے شریک نہیں جنہوں نے بغاوت کی ہے۔ ان کا خط ہمارے پاس آ گیا ہے۔

(خلافت معاویہ و یزید ص ۳۲۷)

ابن جریر نے حضرت زین العابدین کے متعلق لکھا ہے کہ:۔ علی بن الحسین رضی اللہ عنہ کو ان باتوں کی خبر نہ تھی کہ یزید نے ان کے باب میں مسلم بن عقبہ سے رعایت کی سفارش کر دی ہے۔ بنی امیہ جب شام کی طرف روانہ ہوئے ہیں تو مروان کی زوجہ جو ابان بن مروان کی ماں ہیں۔ یعنی عائشہ بنت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے مروان کے تمام ساز و سامان کے ساتھ علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے یہاں آ کر پناہ لی تھی۔ بنی امیہ مدینہ سے جب نکالے گئے تو مروان بن ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے عیال کو اپنے پاس چھپا رکھو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات نہ مانی۔ علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے جب مروان نے کہا کہ مجھ تم سے قرابت ہے۔ میرے اہل بیت تمہارے اہل بیت کے ساتھ رہیں گے تو انہوں نے منظور کیا۔ مروان نے اپنے عیال کو علی بن حسین کے پاس بھیج دیا۔ یہ ان لوگوں کو اپنے عیال کے ساتھ لے کر ینبع میں چلے آئے۔ وہیں سب کو رکھا۔ مروان ان کا شکر گزار تھا۔ اور ان دونوں میں قدیم سے محبت تھی۔ (طبری حصہ چہارم ص ۳۲۷)۔

(۲) علی بن حسین رضی اللہ عنہ اس وقت مروان و عبدالملک کو اپنے ساتھ لئے ہوئے مسلم کے سامنے آئے کہ دونوں شخص ان کے لئے مسلم سے امان کی سفارش کریں گے۔ غرض مسلم کے پاس آ کر ان دونوں شخصوں کے بیچ میں علی بن حسین رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ مروان نے شربت پینے کو مانگا۔ مطلب یہ تھا کہ مسلم کے دل میں جگہ پیدا کر دے۔ شربت آیا تو

مروان نے تھوڑا سا پی کر علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ ان کے ہاتھ میں رعشہ سا پیدا ہو گیا۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ مجھے قتل کرے گا۔ وہ اسی طرح ہاتھ میں پیالہ لئے ہوئے رہ گئے۔ نہ پیتے ہیں نہ ہاتھ سے پیالہ رکھتے ہیں۔ اب مسلم نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم ان دونوں کو ساتھ لئے ہوئے اس لئے آئے تھے کہ مجھ سے امان مل جائے گی۔ واللہ اگر انہی دونوں واسطہ نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل ہی کرتا۔ لیکن تم نے امیر المومنین کو خط لکھا ہے۔ یہی امر تمہارے حق میں بہتر ہوا۔ اب تمہارا جی چاہے اس شربت کو پیو یا کہو تو اور شربت تمہارے لئے منگاؤں۔ کہا میں اسی شربت جو میرے ہاتھ میں ہے پئے لیتا ہوں۔ کہا اچھا یہی پی لو۔ شربت پی لیا تو کہا یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو۔ علی بن حسین رضی اللہ عنہ پاس جا کر بیٹھ گئے۔ (ایضاً طبری ص ۴۳۵)

(۳) اور حافظ ابن کثیر نے بھی لکھا ہے کہ یزید نے مسلم بن عقبہ کو حضرت زین العابدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا تھا (ملاحظہ ہو۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱۹)

(۴) ابن خلدون نے بھی لکھا ہے:۔ رفتہ رفتہ علی بن الحسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ) گرفتار ہو کر پیش کئے گئے مروان بن الحکم نے ایک پیالہ شہد پیش کیا۔ آپ نے تھوڑا سا نوش فرما کر رکھ دیا۔ مسلم بن عقبہ بولا تم کیوں نہیں پیتے؟ علی بن الحسین رضی اللہ عنہ یہ سن کر کانپ اٹھے۔ گھبرا کر پیالہ اٹھا لیا۔ مسلم بن عقبہ نے کہا۔ تم خوفزدہ نہ ہو۔ اگر تمہارا کوئی تعلق اہل مدینہ سے ہوتا تو میں بے شک تمہیں قتل کر ڈالتا۔ لیکن امیر المومنین نے مجھے ہدایت کی تھی اور فرمایا تھا کہ تم نے انہیں لکھا ہے کہ ان معاملات میں سے ہم کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ پس اگر تمہارا جی چاہے تو تم شہد نوش کرو۔ ورنہ خواہ مخواہ پینے کی ضرورت نہیں ہے۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ دوم ص ۱۴۰) (ایضاً کامل ابن کثیر حصہ چہارم ص ۱۱۹)

تبصرہ

باوجودیکہ مسلم بن عقبہ کو یزید نے حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ (امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ) سے مراعات کا حکم دیا تھا لیکن مسلم کو اہل اللہ کے خون کا ایسا چسکا لگا ہوا تھا

کہ اس نے قتل کی دھمکی دے ہی دی۔ اور اس کی سفاکی کی عام شہرت ہی کی وجہ سے حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو طبعاً پریشانی لاحق ہوئی تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کو دعا دی تھی۔ جیسا کہ عباسی صاحب طبقات ابن سعد کے حوالہ سے (بروایت ابو جعفر یعنی امام باقر) لکھتے ہیں:۔

فقال مسرف ان امیر المومنین او صانی بلث خیراً فقال ابی وصل اللہ امیر المؤمنین.

''مسرف نے کہا کہ امیر المومنین (یزید) نے آپ کے ساتھ حسن سلوک کا مجھے حکم دیا ہے تو میرے والد (علی زین العابدین) نے کہا **وصل اللہ امیر المومنین** یعنی اللہ امیر المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانپے''۔

(خلافت معاویہ و یزید ص ۲۵۴)

عباسی صاحب نے **وصل اللہ امیر المومنین** کا ترجمہ کیا ہے۔ اللہ امیر المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانپے۔ حالانکہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ امیر المومنین کو (اس حسن سلوک کا) صلہ دے [1]۔

یہ حضرت زین العابدین نے **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان** کے طور پر کہا تھا۔ حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اخلاق کریمانہ رکھتے تھے۔ آپ جدال و قتال کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے آپ نے حرہ میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ اصحاب کا ساتھ نہیں دیا۔ لیکن اس سے یہ کیونکر ثابت ہو گیا کہ آپ یزید کو صالح و عادل بھی تسلیم کرتے تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہی ہے۔ علی بن محمد سے مروی ہے کہ علی بن حسین رضی اللہ عنہ جنگ سے منع کرتے تھے۔ اہل خراسان کی ایک جماعت ان سے ملی۔ انہوں نے اس ظلم کی شکایت کی جو انہیں اپنے والیوں سے پہنچتا تھا۔ علی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کو صبر اور باز رہنے کا حکم دیا اور کہا کہ میں وہی کہتا ہوں جو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔

---

[1] اور طبقات ابن سعد مترجم حصہ ۵ ص ۲۲۰ میں اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے:۔ والد نے کہا: اللہ امیر المومنین کو صلہ دے۔

ان تعذبھم فانھم عبادك و ان تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم۔

''اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف کر دے تو بے شک تو عزت والا اور حکمت والا ہے''۔

(طبقات ابن سعد حصہ پنجم ص ۲۲۱)

(۲) ایک شخص نے حضرت زین العابدین سے پوچھا کہ آپ نے کس حالت میں صبح کی؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا۔ ہم نے اپنی قوم میں اس طرح صبح کی جس طرح بنی اسرائیل نے فرعون والوں میں جوان کے بیٹوں کو ذبح کیا کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ ہمارے بوڑھے اور ہمارے سردار نے اس حالت میں صبح کی کہ منبروں پر ان کی بدگوئی یا گالی سے ہمارے دشمن کے پاس تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔

(طبقات ابن سعد ص ۲۲۳)

(۳) جعفر (صادق) نے اپنے والد (حضرت باقر) سے روایت کی کہ علی بن حسین (حضرت زین العابدین) جمار کی طرف (جہاں منیٰ میں رمی کی جاتی ہے پیادہ جاتے تھے، منی میں ان کا ایک مکان تھا۔ جب اہل شام انہیں ایذا دینے لگے تو وہ (مقام) قرین الثعالب...... کے قریب منتقل ہو گئے۔ (ایضاً طبقات حصہ پنجم ص ۲۲۳)۔ فرمایئے کیا حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ارشاد سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بنی امیہ کے مظالم ان کے سامنے تھے وہ ان سے خوش نہ تھے البتہ وہ رخصت پر عمل کرتے رہے کہ انہوں نے مقابلہ بھی نہ کیا اور صبر و تحمل سے زندگی گزارتے رہے اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ روایات میں مسلم بن عقبہ کی جگہ مُسرف ابن عقبہ کے الفاظ منقول ہیں جن سے ثابت ہوا کہ مسلم کا ظالم اور جابر ہونا اس قدر مسلّم ہو چکا تھا کہ راوی اس کو بجائے مسلم کے مُسرف کے نام ہی سے یاد کرتے ہیں۔

سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کا حکم

حضرت سعید بن مسیّب متوفی ۹۴ھ ایک جلیل القدر عابد و زاہد و فقیہ تابعی ہیں۔ مسلم

بن عقبہ کے اہل مدینہ پر جبر وتشدد کے واقعات کے سلسلے میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

قال المدائنی وجی الی مسلم بسعید بن المسیب فقال له بایع . فقال ابایع علی سیرة ابی بکر و عمر فامر یضرب عنقه . فشهد رجل انه مجنون فخلّی سبینه .

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۲۲۱)

"مدائنی (متوفی ۲۲۵ھ) کہتے ہیں کہ مسلم بن عقبہ کے پاس سعید رحمۃ اللہ علیہ المسیب لائے گئے اس نے کہا کہ بیعت کریں انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت پر بیعت کرتا ہوں۔ اِس پر اُس نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ پھر ایک شخص نے ان کے بارے میں کہا کہ یہ مجنون ہے تو ان کو چھوڑ دیا"۔

قبر نبوی سے اذان کی آواز

ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:۔ طلحہ بن محمد بن سعید نے اپنے والد سے روایت کی کہ ایام حرہ میں سعید بن المسیب مسجد (نبوی) میں تھے۔ نہ انہوں نے یزید کی بیعت کی اور نہ وہاں سے ہٹے۔ اِن لوگوں کے ساتھ جمعہ بھی پڑھتے اور نماز عید کے لئے بھی جاتے۔ شامی قتل کر رہے تھے اور لوٹ رہے تھے اور سعید رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تھے۔ کہ اس سے سوائے رات بھر کے ہٹتے نہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو میں لوگوں کے محفوظ ہونے تک قبر (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے اذان کی آواز سنتا تھا۔ جماعت کی خبر مجھے نہیں معلوم۔ (طبقات ابن سعد حصہ پنجم ص ۱۵۰)

(۲) علامہ سمہودی متوفی ۹۱۲ھ نے اپنی کتاب وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ جلد اوّل ص ۳۴۴ پر یہ روایت نقل کی ہے۔

(۳) علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت سعید بن المسیب کے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

اس باب میں ان روایات سے یہاں بحث نہیں جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کا

جواب سنا گیا ہے۔ یا یہ کہ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ واقعہ حرہ کی راتوں میں قبر شریف سے آئی ہوئی اذان کو سنتے تھے۔ یہ سب صحیح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوسکتا ہے۔
(ترجمہ اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۶۴ ناشر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ)

عقیدہ حیاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے حضرت سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ کا ایام حرہ میں اذان کی آواز کا سننا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس سے اس حدیث نبوی کی بھی تائید ہوجاتی ہے کہ:۔

الانبیَاء اَحیاء فی قبورھم یصلون

"انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں"۔

یہ حدیث مسند ابی یعلیٰ میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے اور اس سند میں کوئی راوی ضعیف نہیں۔ سب راوی ثقہ ہیں۔ الحسین بن قتیبہ جو ضعیف راوی ہے، وہ ابو یعلی کی سند میں نہیں اور حسب ذیل محدثین نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ حافظ بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، حافظ نور الدین ھیثمی متوفی ۸۰۷ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، علامہ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ، امام سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، علامہ شوکانی متوفی ۱۲۵۵، حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب محدث کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، علامہ شبیر احمد صاحب محدث عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

(۲) اس حد تک محققین کا اجماع ہے کہ حسب ارشاد قرآنی **کل نفس ذائقة الموت** (سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے) تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر موت کا وقوع ہو چکا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جو موت سے پہلے جسم سمیت آسمان پر زندہ ہیں) قربِ قیامت میں آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ اور آپ پر بھی موت واقع ہوگی۔ لیکن موت کے بعد اللہ

تعالیٰ نے انبیاء کرام کو قبر و برزخ میں روح کے تعلق سے انہی اجسام مطہرہ کے ساتھ حیات عطا فرمائی ہے جو قبل الموت اس عالم شہادت (دنیا) میں تھے۔ اور انبیائے کرام کی حیات کو برزخی دنیوی حیات سے تعبیر کرنے کا یہی مطلب ہے کہ عالم برزخ میں ان کو دنیوی اجسام کے ساتھ ہی حیات حاصل ہے نہ یہ کہ صرف ارواح کی حیات ہے (کیونکہ روحیں تو کفار کی بھی زندہ ہیں) اور نہ یہ کہ اجسامِ مثالیہ کے ساتھ ان کو حیات حاصل ہے۔ اس میں برزخی آثار و کیفیات غالب ہیں اور اس جسمانی برزخی حیات کی وجہ سے وہ زائرین کا سلام وکلام سنتے ہیں۔

(۳) آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (پ ۲ سورۃ البقرہ آیت ۱۵۴)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم کو ان کے متعلق شعور (اور خبر) نہیں ہے''

یہ آیت شہداء کی حیاتِ جسمانی پر نص ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مقتول کو مردہ کہنے اور (سورۃ آل عمران کی لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتاً۔ آیت ۱۶۹۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت خیال کرو، آیت میں ان کو مردہ سمجھنے سے بھی منع فرمادیا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مقتول جسم ہوتا ہے نہ کہ روح (روح تو کسی کافر کی بھی نہیں مرتی اور فرعون، ہامان اور ابو جہل وغیرہ قطعی کفار کی روحیں بھی موت کے بعد زندہ ہیں۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ قتل کے بعد شہدائے کرام کے اجسام زندہ ہو جاتے ہیں۔ انہی کو اللہ تعالیٰ نے احیاءٌ فرمایا ہے البتہ فرق یہ ہے کہ اس جہان میں ان کی حیات کو ان ظاہری آنکھوں سے محسوس کر سکتے ہیں۔ لیکن قبر اور عالم برزخ میں چونکہ ان کے اجسام پر برزخ کی کیفیات غالب ہوتی ہیں اس لئے ان دنیوی حواس سے ان کی جسمانی حیات کو محسوس نہیں کر سکتے۔ یہ عالم غیب کے احوال ہیں۔ جن کو بن دیکھو ہم کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی بناء پر تسلیم کرتے ہیں۔

(۴) چونکہ شہدائے کرام کو قبر و برزخ میں یہ حیات جسمانی آنحضرت ﷺ کی محبت

واطاعت کی وجہ سے ملتی ہے اس لئے بطور دلالتہ النص یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر و برزخ میں جسمانی حیات حاصل ہے۔ اور چونکہ ضعف وقوت کے اعتبار سے حیات جسمانی کے بھی درجات متفاوت ہیں۔ اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو قبر میں جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ شہداء کی حیات سے بہت قوی ہے اور وہ قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں (جن کا ان آنکھوں سے ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی

یہود کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا. (سورۃ النساء آیت ۱۵۸)

''اور اس کو قتل نہیں کیا بے شک بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا'' (ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی)۔

(ب) (یہود نے) ان کو (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو) یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا (جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں) بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف (یعنی آسمان پر) اٹھا لیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست (یعنی قدرت والے) حکمت والے ہیں۔

(ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیت سے مفسرین نے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جسم عنصری سمیت آسمان پر اٹھا لیا تھا اور اب تک آسمان پر اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہود کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا۔ ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما قتلوہ اور انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ جس کو وہ قتل کرنا چاہتے تھے اسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف یعنی آسمان پر اٹھا لیا۔ اور چونکہ وہ جسم کو ہی قتل کرنا چاہتے

تھے (اوران کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ انہوں نے ان کے جسم کو قتل کیا ہے) اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا:۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا یعنی جس جسم کو وہ قتل کرنا چاہتے تھے اسی کو آسمان پر اٹھالیا اور ظاہر ہے کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کو ہی قتل کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ روح کو تو کوئی قتل نہیں کرتا اور نہ ہی قتل کرسکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسم سمیت ہی زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ اور یہ کام اس کی قدرت وحکمت پر مبنی ہے۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کا انکار کرتا ہے اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ معنی یہ بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے روحانی درجات بلند کردیئے۔ حالانکہ یہ قرآنی آیت کی تحریف ہے۔ اور مرزائی عموماً بحث ومناظرہ میں یہی کہتے ہیں کہ آیت میں رفع روحانی مراد ہے نہ کہ رفع جسمانی۔ اور منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی طرز استدلال اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بَلْ اَحْيَآءٌ سے روحانی حیات مراد ہے نہ کہ جسمانی۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ شہداء اور انبیاء کی ارواح کو زندہ ماننے میں تو کوئی ان کی خصوصیت نہیں ہے۔ کیونکہ سب ارواح زندہ ہیں (البتہ ارواح کی حیات اوران کے درجات میں تفاوت ہے)۔ شہدائے کرام کو خصوصیت سے جو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا ہے تو اس کی وجہ حیاتِ جسمانی ہی ہوسکتی ہے نہ کہ صرف روحانی۔ اسی لئے آیتِ میں من یقتل کو اَحْيَآءٌ فرمایا گیا ہے اور من یقتل (مقتول) جسم ہوتا ہے نہ کہ روح، بہرحال بطور عبارت النص آیت سے شہداء کی حیات جسمانی مراد ہے اور اسی سے بطور دلالۃ النص انبیائے کرام کی جسمانی حیات ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی عقیدہ پر اہل حق کا اجماع ہے۔ (۲) شہداء وانبیاء کی برزخ میں جسمانی حیات کو اہل حق بَلْ اَحْيَآءٌ سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کو بل رفعہ اللہ الیہ سے جو ثابت کرتے ہیں تو دونوں عقیدوں کے لئے استدلال ایک ہی طرح کا ہے۔ اوران کے برعکس مرزائی (لاہوری ہوں یا قادیانی) آیت بل رفعہ اللہ الیہ سے رفع روحانی اور منکرین حیات النبی بَلْ اَحْيَاءٌ سے حیات روحانی جو ثابت کرتے ہیں تو دونوں کا استدلال یکساں ہے العیاذ باللہ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

آثار حیات مختلف ہیں

جسمانی حیات کی کیفیات و آثار بھی مختلف ہوتے ہیں۔(۱) جنین (رحمِ مادر میں جو بچہ) زندہ ہوتا ہے۔اس کو جسمانی حیات حاصل ہے لیکن وہ اس جہان کی ہوا و غذا کا محتاج نہیں ہوتا۔اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زندہ رہتا ہے (۲) وہی بچہ جب زندہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس جہان کی ہوا و غذا کا محتاج ہوتا ہے (۳) اس جہان کی موت کے بعد جب انسان قبر اور عالم برزخ میں منتقل ہوتا ہے تو وہی جسم عنصری اس دنیا کی ہوا و غذا اور دوسرے اسباب کا محتاج نہیں رہتا بلکہ اس جسم عنصری دنیوی کو عالم برزخ کے مطابق حیات ملتی ہے اور اس کا سننا بھی ان دنیوی اسباب پر مبنی نہیں ہوتا کہ قبر کی مٹی اس کے سننے میں حائل ہو سکے۔(۴) جنت میں انسان کا یہی جسم عنصری دنیوی زندہ ہوگا۔لیکن وہ ان دنیوی اسباب کا محتاج نہیں ہوگا۔جنتی لوگ سارا دن جنت کے پھل کھاتے رہیں گے لیکن نہ ان کے پیٹ میں درد ہوگا نہ بدہضمی ہوگی اور نہ پیشاب پاخانہ کی حاجت ہوگی۔تو معلوم ہوا کہ جسمانی عنصری حیات کے باوجود ہر جہان کی زندگی کی کیفیات جدا جدا ہیں جن کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کر سکتے۔اللہ تعالیٰ جہاں چاہے زندہ رکھے وہ ہر طرح قدرت رکھتا ہے۔وھو علی کل شیء قدیر۔ بہر حال جب آیت بل احیآء سے شہداء کی حیات بطور عبارت النص اور انبیاء کی حیات بطور دلالت النص ثابت ہوتی ہے تو اب دوسری آیات اور احادیث صحیحہ کا اس سے تعارض نہیں ہوسکتا۔انکا مطلب وہی لیا جائے گا جس سے اس آیت کی مراد کی نفی نہ لازم آتی ہو۔مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ شہداء کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسم میں داخل کیا جاتا ہے اور وہ جنت کی سیر کرتی ہیں تو آیت بَلْ اَحْیَآءٌ سے اس کا کوئی تعارض نہیں ہے۔کیونکہ شہید کی روح کو جنت میں سبز پرندوں کی شکل میں سواری دی جاتی ہے اور روح کا تعلق اس کے زمینی جسم سے بھی قائم رہتا ہے خواہ وہ کہیں کسی حالت میں ہو۔یہ عالم غیب کے احوال ہیں جن میں حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کارفرما ہے ہم پر تو بلا مشاہدہ یومنون بالغیب کے تحت ان کا تسلیم کرنا لازم ہے۔

واللہ الہادی

نبی کریم زائرین کا سلام سنتے ہیں

جس طرح اس عقیدہ پر اہل حق کا اجماع ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں بعلق ارواح زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اسی طرح اس عقیدہ پر بھی اجماع ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبر کے پاس زائرین کا سلام وغیرہ سنتے ہیں۔ چنانچہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے کہ فقہاء نے بعض سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے لئے کافی ہے (فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۱۱۲) اور عام سماع موتی کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ یہ مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور سے مختلف فیہا ہے، اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، تلقین کرنا بعد دفن کے اس پر ہی مبنی ہے، جس پر عمل کرے درست ہے۔ فقط (واللہ تعالیٰ اعلم، ایضاً، صفحہ ۸۷)

چونکہ غیر انبیاء کے سماع عند القبر کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ کو زیر بحث نہیں لانا چاہیے۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع عند القبر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور یہ ایک اجماعی عقیدہ ہے اس لئے اس میں اختلاف بھی نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت ابن عمر قبر نبوی پر سلام عرض کرتے تھے

طبقات ابن سعد میں ہے:۔

كان عبدالله بن عمرؓ اذا قدم من سفر بدأ بقبر النبی صلی الله عليه وسلم وابی بكر و عمر فيقول السلام عليك يا رسول الله . السلام عليك يا ابابكر السلام عليك يا ابتاه (جلد۴ ص ۱۵۶ طبع بيروت)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے تھے تو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتے تھے (السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک یا ابتاہ) یا رسول اللہ آپ پر سلام، اے ابوبکر آپ پر سلام، اے ابا جان آپ پر سلام۔

اشاعت التوحید والسنۃ کا عقیدہ

مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی کی جماعت اشاعت التوحید والسنت کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہل السنّت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ بندہ نے اپنی کتاب ''کشفِ خارجیت'' میں اس پر ضروری تبصرہ لکھ دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۷۳ تا ۱۸۰)

ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی نومبر ۱۹۸۵ء میں دوبارہ مورخہ ۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ کے ''ملتان کے اجلاس کا فیصلہ'' شائع ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ ۶ / اکتوبر ۱۹۸۵ء کے اجلاس کا فیصلہ بھی نقل کیا گیا ہے۔ جس میں ملتان کے اجلاس کی توثیق کی گئی ہے اور اس میں بعنوان ''استشفاع'' یہ لکھا ہے کہ: ''ہماری جماعت کے نزدیک کسی پیغمبر یا ولی کے مزار پر جا کر کہنا کہ میرے لئے دعا کریں بدعت قبیحہ مستحدثہ اور ذریعہ شرک ہے''۔ اشاعت التوحید والسنۃ کے موجودہ امیر مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیری اور سرپرست مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری ہیں۔ ملتان کے اجلاس کا فیصلہ اور مجلس مقننہ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ جو تعلیم القرآن راولپنڈی نومبر ۱۹۸۵ء صفحہ ۳۹، ۴۰ پر شائع ہوا ہے اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی حسب ذیل ہے: ❶۔

۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

---

❶ یہاں اس فوٹو اسٹیٹ کی عبارت دی جارہی ہے، اس کا عکس دیکھنا ہو تو ''خارجی فتنہ'' کا پہلا ایڈیشن ملاحظہ فرمالیں، شکریہ (عبدالجبار سلفی)

ملتان کے اجلاس کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسّلام علی من لا نبی بعدی

لمّا بعد! ہمارے شیخ حضرت علامہ مولانا حسین علی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان سے تعلق رکھنے والے جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے تمام علماء ومشائخ کا کتاب وسنت ارشاداتِ سلف اور اقوال ائمہ متقدمین حنیفہ رحمہم اللہ کی روشنی مین اپنا مسلک تو یہ ہے کہ سماعِ صلوٰۃ وسلام عند قبر النبی ﷺ ثابت نہیں لیکن جو لوگ قبر شریف کے پاس یعنی عند قبر النبی ﷺ صرف صلوٰۃ والسلام کے سماع کے قائل ہیں ہم ان کو کافر نہیں کہتے بلکہ ہم ان کو اہل سنت والجماعت سے خارج بھی نہیں قرار دیتے جو شخص ایسا عقیدہ رکھنے والے کو کافر سمجھے ہماری جماعت جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح جو لوگ سماع اموات عند القبور کے قائل ہیں ان کا بھی ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

عنایت اللہ	شمس الدین	عبدالغنی
احقر الوریٰ سجاد بخاری	عبدالرزاق ابن حضرت مولانا حسین علی	حکیم نور احمد یزدانی
احسان الحق عفی عنہ	محمد حسین غفرلہ مدرس ضیاء العلوم سرگودھا	خلیل احمد
احمد سعید عفی عنہ	ضیاء اللہ شاہ جامع مسجد شاہ فیصل گیٹ گجرات	عبدالحکیم عفی اللہ عنہ
احقر محمد حسین ہزاروی	قاضی محمد امیر میانوالی	عبدالستار حنفی توحیدی راولپنڈی
محمد ضیاء القادری	مشتاق احمد عفی عنہ	خلیل الرحمٰن جامع مسجد ماڈل ٹاؤن لاہور

خلیل احمد خطیب مہاجرین واں بھچراں نور محمد عفی عنہ ملتان

شب ۲۱ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ ۶ / اکتوبر ۱۹۸۵ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام من لا نبی بعدہ اما بعد

مجلس مُقننہ جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ

(۱) ملتان میں جماعت کی مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ میں طے شدہ متفقہ فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے مندرجہ امور کی وضاحت کی گئی۔

(۲) الف۔ جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ کا مسلک عدم سماع موتی ہے۔

ب۔ سماعِ موتیٰ عند القبور کے قائلین کو ہم کافر نہیں کہتے۔

ج۔ سماعِ موتی عند القبور کے قائلین میں سے کوئی بھی ہماری جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔

د۔ سماعِ موتی عند القبور کے قائلین کو کافر کہنے والا بھی ہماری جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔

استشفاع

ہماری جماعت کے نزدیک کسی پیغمبر علیہ السلام یا ولی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر یہ کہنا کہ میرے لیے دعا کریں بدعۃ قبیحہ مستحدثہ اور ذریعہ شرک ہے۔ مجلس مُقننہ اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کا متفقہ فیصلہ۔

نام کے متعلق حضرت الامیر مولانا محمد طاہر صاحب کی تجویز پر فیصلہ کیا گیا کہ ہماری جماعت کا نام صرف اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان ہوگا۔

جس کے دو شعبے ہوں گے ایک شعبہ کا نام جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ ہوگا دوسرے شعبہ کا نام جماعۃ التوحید والسنۃ ہوگا۔

عنایت اللہ۔ احقر محمد طاہر عفی اللہ عنہ۔ سجاد بخاری۔ عارف طاہری۔ احقر عبداللہ غفرلہ۔ بدیع الزمان۔ فضل حق۔ میر سمیع الحق۔ احسان الحق عفی اللہ۔ ضیاء الحق۔ محمد حسین غفرلہ۔ عصمۃ اللہ

تبصرہ

چونکہ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے زعماء عقیدہ حیات النبی ﷺ اور مسلک سماع و استشفاع عند القبر میں مذہب اہل السنّت والجماعت کے کھلے مخالف ہیں اکابر علمائے دیوبند کے مسلک حق کو گمراہی اور ذریعہ شرک قرار دیتے ہیں اور اپنے اس مشن میں بہت زیادہ جدوجہد کر رہے ہیں اس لئے بندہ نے بحث فسقِ یزید کے دوران ضمناً عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا ہے اور اشاعت التوحید والسنّت کے عقیدہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بھی شائع کر دی ہے۔ تاکہ ناواقف سنّی مسلمان ان کے عقیدہ سے واقف ہو جائیں۔ اور جو دیوبندی علماء اس بارے میں مداہنت سے کام لے رہے ہیں وہ بھی احساس فرمالیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مسئلہ حیات النبی ﷺ پر تفصیلی مباحث کے لئے اردو تصانیف میں سے حسبِ ذیل کتابوں کا مطالعہ انشاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

(۱) مقامِ حیات مؤلفہ فاضل علامہ خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی

(۲) تسکین الصدور" مؤلفہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ۔

(۳) "ھدایۃ الحیران" مؤلفہ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی مہتمم مدرسہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا۔

(۴) "عقیدہ حیات النبی ﷺ" مؤلفہ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی (زیرِ طبع)

(۵) "عقیدہ حیات النبی اور مذاہب اربع" مؤلفہ حضرت مولانا مفتی احمد سعید صاحب شیخ الحدیث سراج العلوم جامع مسجد اے بلاک سرگودھا۔

(۶) ''دعوۃ الانصاف فی حیات جامع الاوصاف'' مؤلفہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مہتمم مدرسہ عزیز العلوم شجاع آباد ملتان۔

(۷) ''عقیدہ حیات النبی'' مؤلفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب مہتمم نجم المداس کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

مسلم نے خدا اور رسول کی اطاعت کی مشروط بیعت پر قتل کر دیا

طبری میں ہے:۔ مسلم (ابن عقبہ) نے مقام قبا میں بیعت کرنے کے لئے لوگوں کو بلایا۔ قریش میں سے یزید بن زمعہ اور محمد بن ابی الجہم کے لئے اور معقل رضی اللہ عنہ بن سنان (صحابی) کے لئے بھی امان طلب کی گئی تھی۔ لڑائی کے ایک دن بعد یہ تینوں شخص مسلم کے پاس لائے گئے۔ مسلم نے دونوں قریشیوں سے بیعت کرنے کو کہا۔ انہوں نے کہا ہم کتاب خدا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ مسلم نے جواب دیا۔ واللہ میں تمہاری بیعت کو ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ اس کے بعد وہ دونوں سامنے لائے گئے۔ اور دونوں کی گردن ماری گئی۔ مروان نے کہا سبحان اللہ۔ دو قریشی اس لئے لائے گئے تھے کہ ان کو امان ملے گی تو انہیں قتل کرتا ہے۔ مسلم نے مروان کی کمر میں چھری کی نوک کو چبھو کر کہا۔ واللہ اگر تو بھی وہ کلمہ کہے جوان دونوں نے کہا تو تلوار کی چمک سے تیری آنکھیں بھی خیرہ کردی جائیں گی۔ (حصہ چہارم ص ۳۳۴)

(۲) (ایضاً تاریخ کامل ابن اثیر جلد۴ ص ۱۱۸)

(۳) ابن خلدون لکھتے ہیں:۔ چوتھے روز جب مسلم بن عقبہ قتل و غارت سے تھک گیا تو اس نے بیعت کی غرض سے اہل مدینہ کے پیش کئے جانے کا حکم دیا۔ لشکریان شام چاروں طرف پھیل گئے جو جہاں ملتا تھا اس کو پکڑ لاتے تھے۔ اگر وہ بیعت سے انکار کرتا تھا تو فوراً قتل کر دیا جاتا تھا۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ دوم ص ۱۴۰)

یہ ہے عباسی صاحب کے ہیرو یزیدی کمانڈر مسلم بن عقبہ کا مدینہ منورہ میں ظالمانہ کردار کہ دو قریشی تابعین کو محض اس لئے قتل کر دیا کہ انہوں نے بیعت میں اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی اطاعت کی شرط پیش کی تھی۔ یہی وہ سفاک مسرف بن عقبہ ہے جس کے مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے عباسی صاحب نے اس کو صحابی قرار دے دیا۔ کیا اصحاب رسول ﷺ کی رحمت کا یہی کردار تھا۔ کیا رحمتہ اللعالمین ﷺ کی رحمت عامہ کا یہ نمونہ عباسی صاحب کے سامنے نہ تھا کہ آپ نے فتح مکہ کے موقعہ پر ان قریش کو امان دے دی تھی۔ جنہوں نے ہجرتِ مدینہ سے پہلے اصحاب مکہ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے۔ اور فرمادیا تھا کہ:۔

لا تثریب علیکم الیوم اذهبوا فانتم الطلقا

''آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم آزاد ہو''

سانحہ حرّہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

عباسی صاحب خلافت یزید کی بحث میں لکھتے ہیں:

حضرت علی (زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ) اور دوسرے اکابر بنی ہاشم کے اس طرز عمل سے بخوبی ثابت ہے کہ اُموی خلفاء کی بیعت پر استقامت ان کے نزدیک بھی اس وقت اسی طرح ضروریات ملیہ میں سے تھی جس طرح اس وقت کے شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک۔ حضرت موصوف کی عزیمت کا حال صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوگا جو ذیل میں درج ہے۔ اور اس سے اندازہ ہوگا کہ آپ اس بغاوت کو ملّی و دینی حیثیت سے کیا سمجھتے تھے۔

عن نافع قال ما خلع اهل المدينة يزيد بن معاوية جمع ابن عمر حشمه وولده فقال انی سمعت النبی صلی اللہ علیه وسلم يقول ينصب لكل غادر لواء يوم القيمة وانا قد بايعنا هذا الرجل علی بيع اللہ ورسوله وانی لا اعلم احداً منكم خلعه ولا تابع فی هذا الامر الا كانت الفيصل بينی وبينه. (صحيح البخاری كتاب الفتن جلد٢ جزو٢٩)

''حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن

معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے لواحقین اور فرزندوں کو جمع کیا اور فرمایا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر غدر کرنے والے کے لئے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا (کہ سب غدار اس کے نیچے کھڑے ہوں) ہم نے اس شخص سے (یعنی امیر المومنین یزید سے) اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے ان کی بیعت توڑ دی۔ یا اس شورش میں کسی طرح شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جو باب باندھا ہے اس کے الفاظ ہیں:۔

باب اذا قال عند قوم شيئا ثم خرج فقال بخلافه.

''یعنی باب۔ جب کوئی شخص کسی جماعت کے سامنے ایک بات کہے اور پھر اس سے الگ ہو کر اس کے خلاف کہنے لگے''۔

غالباً یہ چوٹ ہے اس وفد کے ممبروں پر جو دمشق گیا تھا اور وہاں سے واپسی پر سب عہد و پیمان توڑ کر امیر المومنین یزید پر بہتان تراشے تھے۔ اسی طرح صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں یہ روایت ہے کہ جب ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے داعی اور ایجنٹ ابن مطیع نے پروپیگنڈا شروع کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ انہیں سمجھانے اور اس حرکت سے باز رکھنے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے انہیں آتا دیکھ کر ابن مطیع رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے گدا بچھانے کو اپنے لوگوں سے کہا۔

فقال ابن عمرؓ انی لم اٰتك لا جلس . اتيتك لا حدثك حديثا سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من خلع يداً من طاعة لَقِيَ الله يوم القيمة لا حجة له ومن مات وليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهلية.

''ابن عمر نے فرمایا میں تمہارے پاس بیٹھنے کو نہیں آیا بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں وہ حدیث سُنا دوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے بیعت توڑی وہ قیامت کے دن اللہ کی جناب میں

پیش ہوگا اس کے لئے کوئی عذر نہ ہوگا اور جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس کی گردن میں کسی خلیفہ کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

احکام شرع کی متابعت میں یہی مسلک حضرت زین العابدین اور دوسرے تمام ہاشمی بزرگوں کا تھا۔ یہ سب حضرات جماعت سے وابستہ رہے اور فتنہ و فساد اور تفرقہ سے مجتنب۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۵۷، ۲۵۸)

الجواب

(ا) بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف یہی تھا کہ خلیفہ وقت کی بیعت توڑنا جائز نہیں ہے۔ اسی لئے آپ نے اپنے خدام واعزہ کو بیعت توڑنے سے منع فرمادیا اور حضرت عبداللہ بن مطیع (صحابی) کی بھی حوصلہ شکنی فرمائی اور آپ کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث تھیں جن کا تعلق دورِ فتنہ سے ہے اور جن میں خلیفہ وقت کے خلاف خروج کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور ان میں سے بعض احادیث عباسی صاحب نے بھی اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید ص ۱۱۳ پر نقل کردی ہیں جن کی بنا پر انہوں نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے یزید کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام خلاف احکام شریعت تھا جس کے جواب میں بندہ نے اس مسئلہ پر پہلے مفصل بحث کردی ہے (ملاحظہ ہو کتاب ہذا) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا موقف بھی احادیث نبویہ پر مبنی تھا۔ جن میں منکرات کے ازالہ کے لئے قوت کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ مثلاً: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ بے شک آخر زمانہ میں میری امت کو ان کے بادشاہ کی طرف سے تکالیف پہنچیں گی اس سے وہی آدمی نجات پائے گا جو اللہ کے دین کو اچھی طرح پہچانتا ہو۔ پھر اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اور اپنے دل سے اس کے خلاف (دین کی سربلندی کے لئے) جہاد کرتا ہے۔ پس یہ وہ شخص ہے جس نے سوابق و فضائل حاصل کر لئے۔ (مشکوٰۃ شریف باب الامر بالمعروف) علامہ علی قاری حنفی محدث اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:۔

(بلسانه) ای بطریق النصیحة والبیان.

"یعنی زبان سے بطور نصیحت روکتا ہے"۔

(ویده) ای ان کان له قدرة وقوة.

"اور اپنے ہاتھ سے بھی جب اس کو اس پر قدرت اور قوت حاصل ہو"

(وقلبه) ای بانکاره عند العجز عملاً

"اور اپنے دل سے برا سمجھے یعنی وہ جب عملاً روکنے سے عاجز ہو"۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۳۴۳)

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے الفاظ من سلطانهم کے تحت لکھتے ہیں:۔

یحتمل الجنس والشخص کیزید وحجاج وامثالها.

"اس میں احتمال جنس سلطان کا بھی ہے کہ اس طرح کے جو بادشاہ بھی ہوں اور شخص کا بھی ہے مثلاً یزید، حجاج اور ان جیسے بادشاہ"۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدیث کے الفاظ فی اٰخر الزمان سے مراد، دور صحابہ رضی اللہ عنہم کا آخری زمانہ ہے۔ جیسا کہ خوارج کے متعلق بھی آیا ہے سیخرج قوم فی اٰخر الزمان (بخاری) آخر زمانہ میں ایک قوم آئے گی اس کی شرح میں حافظ بدر الدین عینی محدث فرماتے ہیں واجاب ابن التین بان المراد زمان الصحابة (عمدة القاری) اور ابن التین محدث نے ان کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مختلف حالات اور اشخاص کے لئے ہیں۔ جن کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اندر اجتہادی اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت امام حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ اصحاب مدینہ نے یہ سمجھا کہ وہ اپنی قوت وقدرت کے ذریعہ یزید اور حجاج وغیرہ خلفائے جور کا مقابلہ کر لیں گے۔ تو انہوں نے ازراہ عزیمت ان کا مقابلہ کیا خواہ اس کے نتیجہ میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن مرتبہ شہادت انکو نصیب ہو گیا اور بھی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عالم اسباب کے تحت یہ

سمجھا کہ وہ ان کے مقابلے کی قوت نہیں رکھتے تو انہوں نے رخصت پر عمل کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر کا تو موقف ہی یہی تھا کہ دورِ فتنہ میں امرائے جور کے خلاف بھی جنگ وقتال جائز نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر کی مذکورہ زیر بحث حدیث کے تحت حافظ ابن حجر محدث عسقلانی لکھتے ہیں:۔

وفی هذا الحدیث وجوب طاعة الامام الذی انعقدت له البیعة والمنع من الخروج علیه ولو جار فی حکمه وانه لا ینخلع بالفسق (فتح الباری کتاب الفتن جلد۱۳ ص ۶۱)

"اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس امام (خلیفہ) کی بیعت منعقد ہو چکی ہو اس کی اطاعت واجب ہے اور اس کے خلاف خروج کرنا ممنوع ہے۔ اگرچہ وہ اپنے حکم میں جور وظلم کرتا ہو۔ اور فسق کی وجہ سے وہ معزول نہیں ہو سکتا"۔

اسی سلسلہ میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

وکان رأی ابن عمرؓ ترك القتال فی الفتنة ولو ظهر انّ احدی الطائفتین محققة والاخری مبطلة.

(ایضاً ج ۱۳ ص ۴۰)

"اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ فتنہ کے زمانہ میں جنگ و قتال کو ترک کر دیا جائے اگرچہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ایک فریق حق پر ہے اور دوسرا باطل پر"۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اسی سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔ اور اگر کسی ایسے شخص کو لوگ خلیفہ بنائیں جس میں یہ شرائط (یعنی جو خلیفہ راشد سے متعلق ہیں) نہ پائی جاتی ہوں تو اس کے خلافت کے بانی گنہگار ہوں گے لیکن اگر (ملک پر) اس کا تسلط ہو جائے تو اس کے وہ تمام احکام جو خلاف شرع نہ ہوں نافذ رہیں گے۔ بوجہ ضرورت کے کیونکہ بعد تسلط کے) مسند خلافت سے اس کو اٹھا دینا اختلاف امت کا باعث بنے گا اور فتنہ وفساد

پیدا کرے گا۔ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اوّل ص ۲۲ ترجمہ از امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ)

قتال فتنہ میں اجتہادی اختلاف

صحیح مسلم میں جو احادیث دور فتنہ کے بارے میں منقول ہیں ان کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں:۔ جو حضرات ایام فتنہ میں کسی حال میں بھی لڑائی کو جائز نہیں قرار دیتے وہ اس حدیث اور ماقبل و مابعد کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور فتنہ کے دور میں قتال کرنے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ مسلمانوں کے باہمی فتنہ کے دور میں لڑائی بالکل نہ کی جائے۔ اگرچہ وہ اس کے گھر میں داخل ہو کر اس کو قتل کرنا چاہیں۔ اس کے لئے اپنی طرف سے مدافعت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جو طالب قتل ہے اس کے پاس تاویل ہے اور یہ مذہب ہے ابوبکرہ صحابی وغیرہ کا اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمران بن الحصین وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس قتال میں حصہ نہ لے۔ لیکن اگر اس کے قتل کا ارادہ کریں تو وہ اپنی طرف سے دفاع کرے۔ یہ دونوں مذہب اس بات پر متفق ہیں کہ اہل اسلام کے باہمی فتنہ میں بالکل دخل نہ دیا جائے اور دیگر بڑے بڑے صحابہ اور تابعین اور عام علمائے اسلام کے نزدیک فتنہ میں اہل حق کا ساتھ دینا اور اس کی مدد کرنا باغیوں کے مقابلہ میں لڑائی کے دوران واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ باغیوں سے قتال کرو۔ الآیۃ۔ اور یہی مسلک حق ہے۔ اور مندرجہ احادیث کے متعلق یہ تاویل کی جائے گی کہ قتال میں حصہ نہ لینا اس شخص کے لئے ہے جس پر یہ ظاہر نہ ہو کہ فریقین میں سے حق و صواب پر کون ہے؟ یا یہ حکم ان دو گروہوں کے متعلق ہے جو دونوں ظالم ہیں اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی تاویل نہیں ہے۔ اور اگر ان حضرات کا پہلا مسلک اختیار کیا جائے تو اور فساد و بگاڑ رونما ہوگا اور باغی اور اہل باطل کا فتنہ بڑھ جائے گا۔ (نووی جلد ثانی کتاب الفتن ص ۳۸۹)

ہم نے بخوف طوالت یہاں عربی عبارت حذف کر دی ہے اور صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے (عربی متن کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۲۸۹) امام نووی نے دور فتنہ کے

بارے میں علماء کے مختلف اقوال میں سے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ ظلم و جور کے زمانہ میں عزیمت کو بالکل ترک کر دینا اور امرائے جور کو من مانی کارروائی کے لئے کھلی چھٹی دے دینا بھی شر و فساد کے غلبہ کا باعث بنتا ہے۔ اور حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور اصحاب مدینہ رضی اللہ عنہم نے عزیمت کا ہی موقف اختیار کیا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہ کا اختلاف، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ

فاسق خلیفہ کے معزول ہونے یا نہ ہونے کی بحث میں شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ علاوہ ازیں فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ اس وقت تک مجمع علیہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کی رائے یہ تھی کہ وہ معزول ہو گیا اور اس بنا پر اصلاح امّت کی غرض سے انہوں نے جہاد کا ارادہ فرمایا۔ پھر باوجود اس کے خلع کا مسئلہ تو آج بھی متفق علیہ ہے یعنی اگر خلیفہ نے ارتکاب فسق کیا تو اصحاب قدرت پر اس کو عزل کر دینا اور کسی عادل متقی کو خلیفہ کرنا لازم ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کے عزل اور خلع سے مفاسد مصالح سے زائد نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع کی رائے میں مفاسد زیادہ نظر آئے وہ اپنی بیعت پر قائم رہے اور اہل مدینہ نے عموماً بعد از بیعت اور واپسی وفد از شام ایسا محسوس نہیں کیا اور سبھوں نے خلع کیا جس کی بنا پر وہ قیامت خیز واقعہ حرہ نمودار ہوا۔

جس سے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی اور حرم محترم کی انتہائی بے حرمتی اور تذلیل ہوئی۔

کیا مقتولین حرہ کو شہید نہیں کیا جائے گا۔

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل مکتوب نمبر ۸۹ ص ۲۸۷)

انا بایعنا علی بیع اللہ ورسولہ کا مطلب

صحیح بخاری کتاب الفتن کی زیر بحث حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

انا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ.

''ہم نے اس شخص سے (یعنی امیر المؤمنین یزید سے) اللہ اور اس کے رسول

کی بیعت کی ہے" (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۵۷)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے حامیان یزید اس کا صالح ہونا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کو جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت قرار دیا ہے تو پھر یزید کو فاسق کیوں قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا کسی فاسق کی بیعت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت قرار دیا جا سکتا ہے۔

الجواب (۱) حافظ ابن حجر عسقلانی ان الفاظ کے تحت لکھتے ہیں:۔

ای علی شرط ما امر اللّٰہ ورسولہ بہ من بیعۃ الامام .

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۶۷)

"یعنی اس شرط پر بیعت کی ہے جس امام کی بیعت کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے"

(۲) حافظ بدرالدین عینی محدث بھی فرماتے ہیں:۔

ای علی شرط ما امر اللّٰہ بہ من البیعۃ .

(عمدۃ القاری جلد ۲۴ ص ۲۰۹)

"یعنی اس شرط پر بیعت کی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام (خلیفہ) کا وہی حکم مانا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہو اور ایسا حکم نہیں تسلیم کیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو۔ چنانچہ اس کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا طاعۃ مخلوقٍ فی معصیۃ الخالق

"یعنی کسی مخلوق کی اطاعت اس صورت میں نہیں کی جا سکتی جس سے خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو"۔

علاوہ ازیں یہ مطلب ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورِ فتنہ میں یہ حکم دیا ہے کہ شخصی طور پر خواہ کوئی خلیفہ کیسا بھی ہو جب اس کی بیعت منعقد ہو جائے تو پھر بصورت بیعت اس کی اطاعت کی جائے جیسا کہ قبل ازیں اس قسم کی احادیث نقل کر دی گئی ہیں۔

(۳)علی بیع اللہ ورسولہ کی شرط پر ہی دو قریشی تابعین مسلم بن عقبہ کی بیعت پر آمادہ ہو گئے تھے۔لیکن مسلم ظالم نے ان کی یہ شرط قبول نہ کی اور ان کو قتل کر دیا۔جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے (ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۵۱۹) ظاہر ہے کہ وہ قریشی نوجوان یزید اور مسلم کو ظالم و فاسق ہی سمجھتے تھے ورنہ وہ اصحاب مدینہ کا ساتھ کیوں دیتے اور مسلم ان کے قتل کا کیوں حکم دیتا۔لیکن اس کے باوجود انہوں نے علی بیع اللہ ورسولہ کی شرط لگائی۔ لہٰذا یہ کہنا حامیان یزید کی کم علمی اور کم فہمی کا نتیجہ ہے کہ جس خلیفہ کی بیعت میں علی بیع اللہ ورسولہ کے الفاظ استعمال کئے جائیں وہ ضرور صالح ہوتا ہے۔واللہ الہادی

بیعت توڑنے کا جواز

گو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خلع بیعت (بیعت توڑنے) کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور آپ نے ایک حدیث سے استدلال کیا تھا۔لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی صورت میں بھی فسخ بیعت جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ اصحاب نے علی الاعلان یزید کی بیعت فسخ کی تھی۔جس کی بحث آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

(۲) عباسی پارٹی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ میں بیعت کی لیکن پھر وہ اس سے منحرف ہو کر صحابہ کرام کے فریق ثانی میں شامل ہو گئے۔تو اگر کسی صورت میں بھی بیعت کا توڑنا جائز نہ ہوتا تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر ایسا نہ کرتے حالانکہ دونوں اصحاب بیعت رضوان اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔رضی اللہ عنہم اجمعین

حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے جواب شافی میں یزید کے صالح ہونے پر حافظ ابن کثیر کی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۳۳ سے حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پیش کی ہے۔جس کا جواب کتاب ہذا ص ۶۱ پر دے دیا ہے دوبارہ ملاحظہ فرما لیں۔ چونکہ حامیان یزید زیادہ تر اسی روایت کو پیش کرتے ہیں۔جس سے ناواقف لوگ غلط فہمی

میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لئے یہاں اس روایت پر مزید تبصرہ کیا جاتا ہے۔ البدایہ والنہایہ کی روایت کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

''اور جب اہل مدینہ کا وفد یزید کی ملاقات کر کے واپس آیا تو حضرت عبداللہ بن مطیع اور آپ کے ساتھی حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور ان سے خواہش کی کہ وہ یزید کی بیعت توڑ ڈالیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت ابنِ مطیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یزید شراب پیتا ہے اور نماز ترک کرتا ہے اور قرآن کے حکم سے تجاوز کرتا ہے تو آپ (حضرت محمد بن حنفیہ) نے ان سے فرمایا کہ جن امور کا تم ذکر کرتے ہو وہ میں نے اس میں نہیں دیکھے حالانکہ میں اس کے پاس گیا ہوں اور اس کے پاس قیام کیا ہے۔ میں نے اس کو دیکھا ہے کہ نماز کی پابندی کرتا ہے، بھلائی کی کوشش کرتا ہے فقہ کے مسائل پوچھتا ہے اور سُنت کی پیروی کرتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ کام اس نے آپ کے دکھلانے کے لئے کئے ہیں تو آپ نے فرمایا: کیا وہ مجھ سے ڈرتا ہے یا اس نے مجھ سے طمع کی امید کی ہے کہ اس نے میرے سامنے اس طرح خشوع کا اظہار کیا ہے''۔

بلاذری کی روایت

(۲) عباسی صاحب اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں۔ بلاذری نے اپنی مشہور تالیف ''انساب الاشراف جلد ۳'' میں باغیوں کے ایک وفد کے مکالمے کو جو حضرت ابن الحنفیہ سے ہوا تھا ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

عبداللہ بن مطیع وغیرہ ایک وفد لے کر ابن الحنفیہ کے پاس آئے اور کہا کہ یزید کی بیعت توڑ کر ہمارے ساتھ اس سے لڑنے نکلو۔ ابن الحنفیہ نے کہا۔ یزید سے کیوں لڑوں اور بیعت کس لئے توڑ دوں؟

ارکان وفد۔ اس لئے کہ وہ کافروں کے سے کام کرتا ہے۔ فاجر ہے۔ شراب پیتا ہے اور دین سے خارج ہو گیا ہے۔

ابن الحنفیہ:۔ خدا سے نہیں ڈرتے ہو۔ کیا تم میں سے کسی نے یہ کام کرتے دیکھا

ہے۔ میں اس کے ساتھ تم سے زیادہ رہا ہوں۔ میں نے تو اس کو یہ کام کرتے نہیں دیکھا۔

ارکان وفد:۔ تو کیا وہ تمہارے سامنے بُرے کام کرتا۔

ابن الحنفیہ:۔ تو کیا تم کو اس نے اپنے کرتوتوں سے باخبر کر دیا تھا، اگر اس نے یہ بُرائیاں تمہارے سامنے کی تھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم بھی اس میں شریک تھے۔ اگر تمہارے سامنے نہیں کی تھیں تو تم ایسی باتیں کہہ رہے ہو جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔

یہ سن کر ارکان وفد ڈرے کہ کہیں ابن الحنفیہ کے عدم تعاون سے لوگ یزید کے خلاف شریک جنگ ہونے سے انکار نہ کر دیں۔ اس لئے انہوں نے کہا۔ اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور تمہیں خلیفہ بناتے ہیں اگر تم ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لئے تیار نہیں ہو۔

ابن الحنفیہ:۔ میں تو لڑوں گا نہیں، نہ اپنی خلافت کے لئے اور نہ کسی اور کی۔

لَستُ اُقَاتِل تابعًا و لامتبُوعًا.

(جلد ۳ انساب الاشراف بلاذری)

اس مکالمہ کو دیگر مؤرخین نے بھی تقریباً انہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ خاص کر علامہ ابن کثیر نے (صفحہ ۲۳۳ جلد ۸ البدایہ والنہایہ) (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۲۷)

تبصرہ

(۱) بلاذری اور البدایہ والنہایہ کی منقولہ روایت میں بڑا فرق پایا جاتا ہے

(۱) بلاذری میں یہ الفاظ ہیں کہ:۔

(یزید) دین سے خارج ہو گیا ہے۔ حالانکہ البدایہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

(۲) بلاذری میں ہے:۔ میں اس کے ساتھ تم سے زیادہ رہا ہوں۔

حالانکہ البدایہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ اس میں صرف یہ ہے کہ:۔ میں نے اس کے ہاں قیام کیا ہے۔

(۳) بلاذری میں ہے:۔ یہ سن کر ارکان وفد ڈرے کہ کہیں ابن الحنفیہ کے عدم تعاون سے لوگ یزید کے خلاف شریک جنگ ہونے سے انکار نہ کر دیں۔

یہ الفاظ البدایہ میں نہیں ہیں۔ اور یہ توجیہ ہے بھی غلط۔ کیونکہ جب حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عدم تعاون کے باوجود اہل مدینہ نے جنگ میں شریک ہونے سے انکار نہیں کیا تو حضرت ابن حنفیہ کا عدم تعاون ان کے لئے شریکِ جنگ ہونے میں کیونکر رکاوٹ ڈال سکتا تھا۔ میرے پاس بلاذری کی انساب الاشراف کی جلد ۳ نہیں ہے، تاکہ معلوم ہو کہ عباسی صاحب نے اصل عبارت کا صحیح ترجمہ پیش کیا ہے یا غلط۔ انہوں نے جو ترجمہ پیش کیا ہے اس پر تبصرہ کیا جا رہا ہے۔

(۴) زیر بحث روایت بلا سند البدایہ میں منقول ہے۔ اور عباسی صاحب نے بلاذری کی روایت بھی بلا سند نقل کی ہے۔ اور درایتاً بھی یہ روایت حجت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضرت محمد بن حنفیہ اور حضرت عبداللہ بن مطیع صحابی کے مابین جو مکالمہ روایت میں مذکور ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابنِ حنفیہ جو تابعی ہیں۔ حضرت ابن مطیع صحابی کو اپنے سے کم تر سمجھتے ہیں اور ان سے یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ:۔ تم خدا سے نہیں ڈرتے ہو۔ اور پھر ان کی طرف منسوب یہ قول کہ:۔ اگر اس (یعنی یزید) نے یہ برائیاں تمہارے سامنے کی تھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم بھی اس میں شریک تھے۔ کیا کوئی تابعی کسی صحابی کو اس طرح خطاب کر سکتا ہے، اور پھر یہ سوال بھی عقل و شرع کے خلاف ہے کہ اگر انہوں نے یزید پر نکیر نہیں کی تو اس سے یہ لازم آ گیا کہ وہ اس کے اس گناہ میں شریک ہو گئے۔ کیونکہ انکار منکر کے حسبِ حدیث تین درجے ہیں (۱) اگر استطاعت ہو تو ہاتھ سے روکنا۔ (۲) اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکنا (۳) اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے بُرا سمجھنا۔ اور یہ آخری درجہ گو کمزور ہے لیکن جو شخص ہاتھ یا زبان سے نکیر نہ کرے مگر دل میں اس سے بیزار ہو تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس کے گناہ میں شریک ہو گیا۔ تو حضرت محمد بن حنفیہ کیونکر ایسا حکم لگا سکتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت ابن الحنفیہ کی طرف اس قول کی نسبت بھی غلط ہے کہ:۔ کیا تم میں سے کسی نے اس کو یہ کام کرتے دیکھا ہے۔ کیونکہ کوئی خلیفہ (سربراہ مملکت) ارکان وفد کے سامنے شراب وغیرہ پینے کی جسارت نہیں کرتا اور خصوصاً وفد مدینہ کے سامنے جس میں صحابی اور

تابعین شامل تھے۔

ہمارا سوال

یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ:۔

پاکستان کا سابق صدر یحیٰی شرابی تھا۔ اس کے پاس علماء کا وفد بھی جاتا رہا اور سیاسی لیڈر بھی جاتے رہے لیکن کیا ان میں سے کسی کے سامنے اس نے شراب پی۔ لیکن باوجود اس کے علماء اور لیڈر سب کو یقین تھا کہ یحیٰی شرابی ہے۔ جب کسی کا کوئی واقعتاً برائی مشہور ہو جاتا ہے تو پھر عینی گواہوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ شہرت عام کی بنا پر لوگوں کو اس کا یقین ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر کسی شرابی کو شرعاً سزا دینی ہو تو پھر بغیر شہادت کے اُس کو سزا نہیں دی جائے گی۔

بہر حال اہل مدینہ کے وفد کو جب دمشق جانے اور وہاں کے حالات کی تفتیش کرنے کے بعد یزید کے شرابی ہونے کا غلبہ ظن یا یقین ہو گیا تو انہوں نے واپس آ کر اہل مدینہ سے یہی کہا کہ یزید شراب پیتا ہے اور نمازیں بھی ترک کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت ابن حنفیہ کی طرف یہ منسوب روایت بہر حال بے بنیاد اور من گھڑت ہے اور یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کرنے کے باوجود یزید کو صراحتاً فاسق قرار دیا ہے اور اگر بالفرض حضرت ابن حنیفہ نے یزید کو پابند نماز اور متبع قرار دیا ہے تو ان کے پیش نظر یزید کا ابتدائی دور ہو گا۔ لیکن حصول اقتدار کے بعد اس کی حالت بدل گئی۔ اس سے امور فسق کا صدور ہوا تو اصحاب مدینہ کے سامنے اس کے موجودہ احوال تھے۔ جن کی بنا پر انہوں نے اس کو فاسق قرار دے کر اس کی بیعت توڑ ڈالی۔

(۴) حضرت محمد بن حنفیہ کی طرف اس قول کی نسبت بھی صحیح نہیں کہ:۔ کیا وہ مجھ سے ڈرتا ہے یا اس نے مجھ سے طمع کی امید کی ہے کہ اس نے میرے سامنے اس طرح خشوع کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ مظاہرہ ریاکاری اور تصنع پر مبنی تھا اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ریاکار شخص اپنی نیکی کا اظہار کسی کے خوف یا طمع کی وجہ سے ہی کرے۔ بلکہ ریاکار آدمی کا

مقصد صرف اپنی دینداری کا اظہار ہوتا ہے۔ تا کہ دیکھنے والا اس کو دیندار مان لے۔ اسی بنا پر اکابر اولیائے اللہ نے فرمایا ہے کہ حب جاہ کی بیماری حب مال سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ حُبّ الدُّنیا رأس کل خطیئة (دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے) اور حُبِّ دنیا میں حُبّ مال اور حب جاہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اور مروجہ جمہوری سیاست کا مبنی زیادہ تر یہی حب جاہ واقتدار ہے جس نے ملک وملت کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ بہر حال یزید حب جاہ کا مریض تھا۔ اس لئے اس نے اہل مدینہ اور اہل مکہ پر فوج کشی کا حکم دیا اور اسی کے نتیجہ میں تین دن مدینہ شریف میں قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔

(۵) حسب روایت حضرت محمد بن حنفیہ کا یہ فرمانا کہ:۔ میں لڑوں گا نہیں نہ اپنی خلافت کے لئے۔ نہ کسی اور کی۔ اس سے ایام فتنہ میں ان کا موقف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی کے خلاف جنگ وقتال کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اور یہی موقف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس کے بعد جب ان سے سوال کیا گیا کہ:۔

فقد قاتلت مع ابیك قال جیؤنی بمثل ابی اقاتل علی مثل ما قاتل علیه (البدایه والنهایه جلد۸ ص ۲۳۳).

"آپ نے اپنے والد (یعنی حضرت علی المرتضیٰ) کے ساتھ ہو کر قتال کیا ہے۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میرے باپ کی مثل تو لے آؤ کہ جس بنا پر انہوں نے قتال کیا تھا اسی بنا پر میں بھی قتال کروں"۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت محمد بن حنفیہ کے نزدیک بعض حالات میں قتال جائز بلکہ ضروری ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا۔ اور ان کے نزدیک اس قتال میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حق وصواب پر تھے۔ کیا مولانا محمد اسحٰق سندیلوی اور عباسی پارٹی حضرت محمد بن حنفیہ کا یہ نظریہ تسلیم کرتی ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ابن سعد اور بلاذری

ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ مورخ بلاذری متوفی ۲۷۹ھ کے استاذ ہیں۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

ابن سعد مشہور محدث ہیں۔ محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ گوان کے استاد (واقدی) قابل اعتبار نہیں۔ لیکن وہ خود قابل سند ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں۔

كان من اهل العلم والفضل والفهم والعدالة صنف كتاباً كبيرا فى طبقات الصحابة والتابعين الى وقت فاجاد فيه واحسن (تهذيب التهذيب ترجمه ابن سعد)

"یعنی ابن سعد اہل علم وفضل اور اہل فہم وعدالت میں سے تھے اور انہوں نے اپنے وقت تک طبقات صحابہ اور تابعین کے حالات میں ایک ضخیم اور عمدہ کتاب تصنیف کی ہے"۔

یہ موالی بنی ہاشم سے تھے۔ بصرہ میں پیدا ہوئے لیکن بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ بلاذری جو مشہور مورخ ہیں انہیں کے شاگرد ہیں ۲۳۰ھ میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کی کتاب کا نام طبقات ہے ۱۲ جلدوں میں ہے۔ (سیرت النبی حصہ اوّل طبع پنجم ص ۲۵) (ب) اس کتاب (یعنی طبقات) کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے لیکن چونکہ تمام روایتیں بہ سند مذکور ہیں اس لئے واقدی کی روایتیں بہ آسانی الگ کرلی جاسکتی ہیں (ایضاً سیرت النبی ص ۲۶)) (۲) ابن سعد کے متعلق مورخ ابن خلکان لکھتے ہیں:

كان احد الفضلاء النبلآء الاجلاء كان صدوقاً ثقة.

(وفيات الاعيان ج ۴ ص ۳۵۱)

"آپ بڑے بڑے ذہین فضلاء میں سے ایک تھے آپ صدوق اور ثقہ تھے"۔

مورخ بلاذری ابن سعد کے شاگرد ہیں لیکن ابن سعد نے طبقات میں حضرت محمد بن حنفیہ کے متعلق یہ روایت درج نہیں کی جو بلاذری کی انساب الاشراف میں ہے۔

(۳) حافظ ابن کثیر محدث بلاذری کے متعلق ابن عساکر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

وحصل له هوس ووسواس فی آخر عمره.

(البدایه والنهایه ج ۱۱ ص ۶۵)

''بلاذری کو آخر عمر میں ہوس اور وسواس لاحق ہو گیا تھا''۔

ابو مخنف اور بلاذری

(۴) خود عباسی صاحب بلاذری کے متعلق لکھتے ہیں:

لوط بن یحیٰی ابو مخنف دوسری صدی ہجری میں ایک شیعہ صاحب گزرے ہیں جنہیں داستان سرائی اور قصہ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ یہ سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے داستان کربلا کو ایک مربوط کہانی بلکہ ایک ناول کی حیثیت سے دنیا کو سُنایا۔ ان کی مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے اگرچہ لوگ واقف تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ ان کے علاوہ اور کوئی تاریخی روایات بیان کرنے والا کوئی نہ تھا۔ لہٰذا جو کچھ بھی انہوں نے رطب و یابس پیش کیا مقبول ہوا۔ اور بعد میں جب طبری اپنی تاریخ لکھنے بیٹھے تو ان صاحب کی روایات خوب خوب لیں۔ طبری ہی نہیں بلکہ بلاذری کی انساب الاشراف اور ابن اثیر کی الکامل وغیرہ کا بڑا منبٰی بھی اور ایک دوسرے نام نہاد صاحب ہشام بن محمد الکلبی ہیں پھر ذہبی اور سیوطی نے اپنا ماخذ زیادہ تر انہی تاریخوں کو بنایا تو اس کے سوا کیا کہا جائے گا کہ بنیاد اس پورے محل کی ریت ہی پر ہے۔ (تحقیق مزید ص ۴۱۲)

یہاں تو عباسی صاحب نے ابو مخنف رافضی کی روایات کو بلاذری کی ''انساب الاشراف'' کا ماخذ قرار دیا ہے۔ لیکن اپنی اسی کتاب تحقیق مزید ص ۳۱۰ پر لکھتے ہیں:۔

بلاذری متوفی ۲۷۹ھ و علامہ ابن کثیر کی کتب تاریخ مستند ماخذ ہیں اور عباسی صاحب کی مخصوص ریسرچ اسی تضاد بیانی پر ہی مبنی ہے۔

(۵) ۶۳ھ اور محاصرہ مکہ کے متعلق عباسی صاحب نے جو روایات پیش کی ہیں ان میں جا بجا انہوں نے بلاذری کی ''انساب الاشراف'' کا حوالہ دیا ہے حالانکہ خود لکھ چکے ہیں کہ

بلاذری کا ماخذ ابو مخنف شیعہ کی مکذوبات ہیں۔ اسی طرح یزید کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس کا جو یہ قول پیش کیا ہے کہ:۔ انہ لمن صالحی اھلہ (وہ اپنے گھر کے صالحین میں سے ہیں) تو یہ بھی بلاذری کی کنز الانساب سے نقل کیا ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

ہمارا چیلنج

عباسی صاحب کی پارٹی کتب حدیث کے ذخیرہ میں سے کوئی روایت ایسی نہیں پیش کرسکتے جس میں یہ مذکور ہو کہ حضرت ابن عباس نے یزید کو صالح قرار دیا تھا اور اگر فی الواقع خبرامت حضرت عبداللہ بن عباس نے یزید کو صالح قرار دیا ہوتا تو ذخیرہ حدیث میں بھی تو اس کا کوئی سراغ ملتا اسی طرح حامیان یزید ذخیرۂ احادیث میں سے کوئی روایت ایسی ثابت نہیں کرسکتے جس میں حضرت محمد بن حنفیہ نے یزید کو پابند صلوٰۃ اور متبع سنت کہا ہو۔

اصحاب مدینہ کا موقف

مستند روایات سے پہلے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی تجویز سے حسبِ ذیل جلیل القدر صحابہ کرام نے اختلاف کیا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہیں کی تھی۔

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق (۲) حضرت حسین بن علی بن ابی طالب (۳) حضرت عبداللہ بن عباس (۴) حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب (۵) حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان حضرات میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق ۵۳ھ یا ۵۵ھ میں وفات پا گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب سے آخر میں بیعت کی اور حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہمانے آخر تک یزید کی بیعت نہیں کی حتیٰ کہ اس کے نتیجہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

(۲) اہل مدینہ نے شروع شروع میں یزید کی بیعت کر لی تھی۔ لیکن جب بعد میں یزید کے افعال فسق کا علم ہوا تو اصحاب مدینہ کی اکثریت نے علی الاعلان یزید کی بیعت توڑ ڈالی۔ چنانچہ (۱) ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:۔ عبداللہ بن زید وغیرہم سے مروی ہے کہ شب ہائے حرہ میں اہلِ مدینہ اُٹھ کھڑے ہوئے تو انہوں نے بنی امیہ کو مدینے سے نکال دیا اور یزید بن معاویہ کا عیب اور اس سے اختلاف ظاہر کیا۔ سب نے عبداللہ بن حنظلہ پر اتفاق کیا اور اپنا معاملہ ان کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے ان لوگوں سے موت پر بیعت لی اور کہا۔ اے قوم اللہ سے ڈرو جو پاک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں واللہ ہم لوگ اس وقت تک یزید کے مقابلے پر نہیں نکلے جب تک کہ ہمیں یہ خوف نہ ہوا کہ آسمان سے ہم پر پتھر برسائے جائیں گے۔ وہ ایسا شخص ہے جو ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز ترک کرتا ہے۔ واللہ اگر میرے ساتھ ایک شخص بھی نہ ہو میں (جہاد میں) اللہ کے لئے امتحان دوں گا۔ لوگ ہر طرف سے جوق جوق آ رہے تھے اور بیعت کر رہے تھے۔ ان راتوں عبداللہ بن حنظلہ کی سوائے مسجد کے اور کوئی خواب گاہ نہ تھی۔ غذا میں قدرے سَتو پینے پر اضافہ نہ کرتے۔ وہ برابر روزہ افطار کر کے دوسرے دن تک اسی طرح گزارتے۔ وہ برابر روزہ رکھتے تھے اور تواضع کی وجہ سے انہیں آسمان کی طرف سر اُٹھاتے نہیں دیکھا گیا۔ (طبقات ابن سعد مترجم حصہ ۴ ص ۸۴)

(۲) تاریخ ابن خلدون حصہ دوم ص ۱۳۶ (بحوالہ کامل ابن اثیر جلد چہارم مطبوعہ مصر ۹۳) میں ہے:۔ ۶۳ھ میں یزید کی طرف سے عثمان بن محمد بن ابی شعبان امیر مدینہ ہو کر آیا۔ اور اسی زمانہ میں اہل مدینہ کا ایک وفد جس میں عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص بن مغیرہ مخزومی، و منذر بن الزبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ شرفائے مدینہ تھے شام کو روانہ کیا۔ یزید نے ان لوگوں کی بہت عزت کی۔ عبداللہ بن حنظلہ کو علاوہ خلعت کے ایک لاکھ درہم اور باقی لوگوں کو دس دس ہزار درہم دے کر رخصت کیا۔ جب عبداللہ بن حنظلہ واپس

آئے تو اہل مدینہ ملنے کو حاضر ہوئے اور حال دریافت کیا۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ ہم ایسے نااہل کی طرف سے آئے ہیں جس کا نہ کوئی دین ہے اور نہ کوئی مذہب، شراب پیتا ہے، راگ گانا سنتا ہے، واللہ اگر کوئی مہدی من اللہ ہوتا تو اس پر جہاد کرتا۔ حاضرین نے کہا ہم نے تو سُنا ہے کہ یزید نے تمہاری بہت عزت کی۔ خلعت اور جائزہ دیا۔ عبداللہ بولے۔ ہاں اس نے ایسا ہی کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس وجہ سے اس کو قبول کرلیا ہے کہ اس کے مقابلے کی ہم میں قوت آجائے۔ اہل مدینہ یہ سُن کر یزید سے اور زیادہ متنفر ہوگئے۔ عبداللہ بن حنظلہ نے یزید کی معزولی کی درخواست پیش کی۔ لوگوں نے بہ کمال خوشی و رغبت منظور کیا۔

(۳) حافظ ابن کثیر ۶۳ھ کے واقعہ حرہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وکان سیها ان اهل المدینة لما خلعوا یزید بن معاویة وولّوا علی قریش عبداللّٰه بن مطیع وعلی الانصار عبداللّٰه بن حنظلة بن ابی عامر . فلما کان فی اول هٰذه السند اظهروا ذلك واجتمعوا عند المنبر فجعل الرجل منهم یقول قد خلعت یزید کما خلعت عما متی هذه ویلقیها عن رأسه ویقول الآخر قد خلعتهٗ کما خلعت فعلی هذه حتی اجتمع شیء کثیر من العمائم والنعال هناك ثمَ اجتمعوا علی اخراج عامل یزید من بین اظهرهم وهو عثمان بن محمد بن ابی سفیان بن عم یزید (البدایہ والنہایہ جلد۸ ص ۲۱۸)

''اور اس کا سبب یہ ہوا کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو توڑ ڈالا اور قریش پر حضرتِ عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ اور انصار پر حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کو قائد مقرر کیا اور اس سال کے شروع میں اس کا اظہار و اعلان کر دیا اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ جمع ہو گئے تو ان میں سے ایک شخص یہ کہتا تھا کہ میں نے یزید کی بیعت اس طرح اتار دی ہے جس طرح

میں اپنی یہ پگڑی اتارتا ہوں اور پگڑی کو اپنے سر سے اُتار دیتا تھا اور دوسرا کہتا تھا کہ میں نے یزید کی بیعت اس طرح اتار دی ہے۔ جس طرح میں نے اپنا یہ جوتا اُتارا ہے اور وہ اپنے پاؤں سے جوتا اُتار دیتا تھا۔ حتیٰ کہ اس طرح وہاں بہت سی پگڑیاں اور جوتے اکٹھے ہو گئے۔ پھر سب نے مل کر یزید کے عامل عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو وہاں سے نکال دیا۔ جو یزید کا چچازاد بھائی تھا''۔

تبصرہ

مذکورہ روایات میں سے طبقات ابن سعد کی روایت میں جو یہ منقول ہے کہ:

وہ ایسا شخص ہے جو ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرتا ہے۔ یہ گو قابل تسلیم نہ ہو۔ لیکن تمام روایات میں جو مشترکہ عیب ہے وہ یزید کا شراب پینا اور نمازوں کا ترک کرنا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یزید پر شراب پینے کا الزام لگایا ہے۔ چنانچہ خود محمود احمد صاحب عباسی لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں راویوں نے بیان کیا ہے کہ امیر یزید کو شُربِ خمر سے متہم کرتے تھے مگر اپنے ذاتی علم سے نہیں سُنی سنائی باتوں سے۔ بلاذری کی مندرجہ ذیل روایت سے بھی اس کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

بسط ابن الزبیرؓ لسانه فی یزید بن معاویه وتنقصه وقال بلغنی انه یُصبح سکران ویمسی کذلك.

(ص ۲۱ جلد ۴ انساب الاشراف)

''ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی زبان کھولی اور ان کی تنقید کی اور کہا مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ نشہ کی حالت میں صبح کرتے ہیں ایسے ہی شام''۔

اور اہل مدینہ کے بارے میں بھی عباسی صاحب اعتراف کرتے ہیں کہ:۔

مورخین کا بیان ہے کہ امیر المومنین نے اراکان وفد کی خوب آؤ بھگت کی۔ گراں قدر عطیات پیش کئے جوان سب نے بخوشی لے لئے لیکن جو جذبات لے کر گئے تھے انہی

کے ساتھ واپس آئے اور جو باتیں پہلے کہتے تھے واپسی کے بعد اور بھی شدت سے کہنے لگے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۲۴)

اگر عباسی صاحب ان روایات کو تسلیم ہی نہ کرتے جن میں اہل مدینہ نے اور حضرت عبداللہ بن الزبیر نے یزید پر شراب (خمر) پینے کا الزام لگایا ہے (اور اسی بنا پر اہل مدینہ نے اس کی بیعت توڑنے کا اعلان کیا) تو بحث کی نوعیت دوسری ہوتی لیکن جب انہوں نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر اور اہل مدینہ کے ارکان وفد (جن کے قائد حضرت عبداللہ بن حنظلہ جیسے زاہد و متقی صحابی تھے) نے علی الاعلان یہ کہا کہ یزید شراب (خمر) پیتا ہے۔ تو اب بحث میں کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہتی اور حقیقت حال کا سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کے الزامات کا کیوں جواب نہ دیا

بیشک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت فسخ نہیں کی اور اہل مدینہ سے انہوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔ لیکن قابل غور یہ بات ہے کہ جب اصحاب مدینہ کھلم کھلا یزید کو شرابی قرار دے کر اس کی بیعت توڑنے کا منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اعلان کر رہے ہیں تو اگر ان حضرات کا یہ الزام و اعلان حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک غلط ہوتا تو وہ اس کی تردید کرتے اور تمام اہل مدینہ پر واضح کرتے کہ یزید بالکل شراب نہیں پیتا اور وہ نماز کا پابند اور صالح خلیفہ ہے اس لئے اس کی بیعت توڑنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے لیکن اپنی معلومات کے مطابق کتب تاریخ و حدیث سے ہمیں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس موقعہ پر اصحاب مدینہ کے ان الزامات کی تردید کی ہے اور نہ ہی حُب یزید میں فنا ہونے کے باوجود اس کا کوئی ثبوت عباسی صاحب نے پیش کیا ہے جس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ شراب پینا اور نمازوں کا ترک کرنا وغیرہ یزید کے افعال

قبیحہ اتنے ظاہر اور مشہور تھے کہ کسی صحابی نے بھی ان کا انکار نہیں کیا۔

فسق یزید متفق علیہ ہے (ابن خلدون)

اور اسی بنا پر مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے۔

مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ ہے کہ جب اس دور کے تمام لوگوں کے نزدیک یزید کا فسق ظاہر ہو گیا۔ تو کوفہ سے اہل بیت کے حامی لوگوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہاں تشریف لے جائیں تو وہ ان کے مقصد کو قائم کرلیں گے (اس وجہ سے) حضرت حسین کی رائے ہوئی کہ یزید کے فسق کی وجہ سے اس کے مقابلہ میں نکلنا تو متعین ہو گیا ہے اور خصوصاً جبکہ آپ کو اس پر طاقت بھی حاصل ہے اور آپ نے اپنے متعلق یہ گمان کیا کہ وہ اس کی اہلیت بھی رکھتے ہیں اور آپ کے پاس اس کے لئے قوت وشوکت بھی ہے۔ مگر اہلیت تو اس سے بھی زیادہ تھی جس کا آپ کو گمان تھا لیکن طاقت وشوکت کا اندازہ لگانے میں آپ سے غلطی ہوگئی۔ (مقدمہ ابنِ خلدون)

یزید کے بارے میں صحابہ کرام کے اجتہادی اختلاف پر علامہ ابن خلدون نے بہت اچھا تبصرہ کیا ہے۔ ابن خلدون کی دوسری عبارتیں بھی امام حسین اور یزید کی بحث میں پہلے نقل کر دی گئی ہیں اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ عباسی صاحب ابن خلدون پر اعتماد کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انہوں نے خلط ملط کر ڈالا۔ (خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۴۷)

فاسق خلیفہ کے عزل کا مسئلہ

جب یہ ثابت ہو گیا کہ فسق یزید ظاہر ہونے کے بعد تمام صحابہ کرام اس کو فاسق قرار دیتے تھے اور کسی نے بھی اس کے بعد اس کو صالح اور عادل نہیں کہا۔ اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یزید کے متعلق یہ کہا ہے کہ انہ لمن صالحی اھلہ (وہ اپنے گھر کے

صالحین میں سے ہے) تو وہ اس کا فسق ظاہر ہونے سے پہلے کی بات ہو گی۔ علاوہ ازیں بلاذری کی یہ روایت قابل اعتبار نہیں۔ اسی طرح حضرت محمد بن حنفیہ کی روایت بھی قابل اعتبار نہیں جیسا کہ اس پر بحث پہلے گزر چکی ہے۔ بہر حال فسق یزید ظاہر ہونے کے بعد صحابہ کرام میں یہ اختلاف پیدا ہوا کہ یزید اپنے فسق کی وجہ سے معزول ہو گیا ہے یا نہ۔ اور اس کی بیعت توڑ دینا جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک اجتہادی اختلاف تھا جس میں صحابہ کرام نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ اس پر ضروری تبصرہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اجتہادی موقف کے سلسلہ میں گزر چکا ہے۔ دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) اصحاب مدینہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ نے اس حدیث پر عمل کیا:۔ بے شک آخر زمانہ میں میری امت کو ان کے بادشاہ کی طرف سے تکالیف پہنچیں گی۔ اس سے وہی آدمی نجات پائے گا جو اللہ کے دین کو اچھی طرح پہچانتا ہو۔ پھر اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اور اپنے دل سے اس کے خلاف (دین کی سربلندی کے لئے) جہاد کرتا ہے۔ پس یہ وہ شخص ہے جس نے سوابق وفضائل حاصل کر لئے (مشکوۃ شریف باب الامر بالمعروف) یہ حدیث چند صفحات پہلے بھی نقل کی گئی ہے۔

جمہور صحابہ وتابعین کا مسلک

دور فتنہ میں قتال کے بارے میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر محدث لکھتے ہیں:۔

وذهب جمهور الصحابة والتابعين الى وجوب نصر الحق وقتال الباغين وحمل هؤلاء الاحاديث الواردة فى ذلك على من ضعف عن القتال اور قصر نظره عن معرفة صحاب الحق .(فتح البارى جلد ۱۳ كتاب انضن ص ۲۸)

''اور جمہور صحابہ وتابعین کا یہ مسلک ہے کہ باغیوں سے قتال اور حق کی نصرت واجب ہے اور جن احادیث میں قتال سے منع کیا گیا ہے تو وہ اس وقت ہے جب کوئی قتال کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ یا وہ نہ پہچان سکے کہ اہل حق

کون ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ جب یزید کا فسق ظاہر ہو گیا تو اہل مدینہ نے یہ سمجھتے ہوئے اس کے لشکر سے قتال کیا کہ ان کو قوت حاصل ہے اور اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن الزبیر نے بھی یزیدیوں سے قتال کیا۔ خواہ وہ اُس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

محاصرہ مکہ

عباسی صاحب لکھتے ہیں: نصف محرم ۶۴ھ کو امیر مسلم (ابن عقبہ) مکہ معظّمہ کے قصد سے روانہ ہوئے۔ مرض کی حالت میں باغیوں کا مقابلہ کیا تھا۔ مدینہ منورہ سے روانگی کے بعد المشلل مقام پر وفات پا گئے۔ امیر حصین بن نُمیر السکونی ان کے جانشین ہو کر آگے بڑھے۔ ۲۷ محرم ۶۴ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن الزبیر کو لوگوں کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ امیر المؤمنین کی قسم کو پورا کر دیں تو ان کے ساتھ نیک برتاؤ ہو گا چاہیں گے تو انہیں حجاز کا والی بنا دیا جائے گا (انساب الاشراف ص ۵۴) مگر ان لوگوں نے الٹا جواب دیا کچھ جھڑپیں ہوئیں جن میں اہل شام میں سے تین شخص مارے گئے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے کچھ مجروح ہوئے اور چار قتل (ص ۵۴ ایضاً) ابن الزبیر کے لوگوں میں سے کسی شخص کی بے احتیاطی سے آگ کی چنگاری سے غلاف کعبہ جل گیا تھا۔ بلاذری ہی کی روایت احراق کعبہ کے بارے میں ہے (ترجمہ) ابن زبیر کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جس کو مسلم کہتے تھے برچھی کی نوک سے ایک انگارہ اٹھا رہا تھا۔ اس دن ہوا تیز چل رہی تھی اس کی انگاری غلاف کعبہ پر جا پڑی وہ جل گیا۔ تقریباً یہی روایت طبری میں بہ تغیر الفاظ کئی سندوں سے بیان کی گئی ہے (ج ۷ ص ۱۰) دو ہفتے چار دن یہ محاصرہ جاری رہا کہ امیر المومنین کی وفات کی اطلاع پر اُٹھا لیا گیا۔ (خلافتِ معاویہ و یزید ص ۳۳۱)

(۲) اور طبری میں ایک دوسری روایت میں ہے:۔ اس کے بعد اہل شام بقیہ محرم اور کل ماہ صفر تک ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے جدال و قتال کرتے رہے ربیع الاول ۶۴ھ کی تیسری تاریخ روز شنبہ ان لوگوں نے خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے اور آگ لگا دی اور یہ رجز

بڑھتے تھے۔

خطارة مثل الفيئق المزبد . . ترى بها جُدران هها المسجد

یہ منجنیق ایک شر مست ہے کہ ہم اس سے کعبہ پر نشانے لگا رہے ہیں (طبری حصہ چہارم ص ۳۳۹) اور حافظ ابن کثیر نے بھی یہ روایت نقل کی ہے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۲۵) یہاں اس سے بحث نہیں کہ غلاف کعبہ کو آگ کس وجہ سے لگی۔ واللہ اعلم

یزید نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو ملحد کہا

عباسی صاحب نے لکھا ہے کہ:۔ جب فوجی دستہ (یعنی مسلم بن عقبہ کی قیادت میں) روانگی کے لئے تیار ہو گیا امیر المؤمنین اسے رخصت کرنے خود آئے۔ تلوار گلے میں لگائے ہوئے تھے۔ لشکر کے سواروں کو دیکھ رہے تھے اور یہ اشعار اپنی زبان سے کہہ رہے تھے جو بتغیر الفاظ پہلے نقل ہو چکے ہیں۔ یہاں بلاذری سے نقل کئے جاتے ہیں۔

ابلغ ابابكر اذا الليل سرى ..... وهبط القوم على وادى القرىٰ

میرا پیغام اس وقت ابوبکر (کنیت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ) کو پہنچا دینا جب دیکھنا کہ رات ہوگئی اور وادی القری میں فوج اُتر پڑی۔

أجمع سكران من القوم ترى ..... اَمْ جمع يقظان نفى عنه الكرىٰ

کیا یہ مست و سرشار لوگوں کی جماعت تمہیں معلوم ہوتی ہے۔ یا یہ لوگ بے خواب و بیدار ہیں جنھوں نے نیند کو پاس آنے نہ دیا۔

يا عجباً من ملحد يا عجبَا ..... مخادعٍ فِي الدين يقضو بالعرىٰ

مجھے اس مُلحد (دین میں نئی بات کرنے والے) سے تعجب ہوتا ہے، جو دین میں مکاری کرتا ہے اور بزرگوں کو برا کہتا ہے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۲۷)

مسلم بن عقبہ نے بھی حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو ملحد کہا

عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ امیر مسلم نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے۔ وہ مورخین نے یہ لکھے ہیں:۔ اے اہل مدینہ۔ امیر المومنین یزید سمجھتے ہیں کہ تم لوگ

اصل ہو تمہارا خون بہانا انہیں گوارا نہیں تمہارے لئے تین دن کی مدت مقرر کرتا ہوں جو کوئی تم میں سے باز آ جائے گا اور حق کی طرف رجوع کرے گا ہم اس کا عذر قبول کر لیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے اور اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ ہوں گے جو مکہ میں ہے اور اگر تم نہ مانو گے تو سمجھ لو کہ ہم حجت تمام کر چکے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۲۸)۔

اہل مدینہ نے جواب میں جب کہا کہ ہم لڑیں گے اس پر بھی امیر مسلم نے پھر ان سے یہ الفاظ کہے۔ فقال لهم لا تفعلوا (طبری ج ۷ ص ۸)

ترجمہ:۔ دیکھو ایسا ہرگز مت کرو بلکہ تم سب طاعت گزاری اختیار کرو۔ پھر تم ہم مل کر اپنا زور اس ملحد پر ڈالیں جس نے فاسقوں کو چار جانب سے اپنے پاس جمع کر رکھا ہے۔ فاسقوں اور بے دینوں سے مراد باغیوں سے تھی جو احکام شرع کی خلاف ورزی کر رہے تھے مگر باغی پھر بھی باز نہ آئے (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۲۸) علاوہ ازیں طبری میں ہے کہ مرتے وقت مسلم بن عقبہ نے:۔ حصین بن نمیر کو بلا کر کہا۔ اے ابن پالان خر۔ دیکھ میری وصیت کو یاد رکھنا خبروں کو چھپائے رکھنا۔ کسی قریشی کی بات کبھی نہ سننا۔ اہل شام کو دشمنوں سے مقابلہ سے نہ ہٹنے دینا۔

ابن زبیر فاسق سے لڑنے میں تین دن سے زیادہ توقف نہ کرنا اس کے بعد کہا۔ خداوندا۔ شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بعد اہل مدینہ کے قتل کرنے سے بڑھ کر کوئی عمل خیر ایسا میں نے نہیں کیا جس پر مجھے ناز ہو۔ اور جس پر آخرت میں مجھے بھروسہ ہو۔ (طبری حصہ چہارم ص ۳۳۸)

تبصرہ

عباسی صاحب کیسے مزے لے لے کر فاسق یزید اور ظالم مسلم کی زبان سے رسول پاک سرورِ کائنات ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو ملحد۔ بے دین اور دھوکہ باز اور آپ کے تابعین رفقائے کرام کو فساق کہلوا رہے ہیں۔

كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا. (الکهف . آیت ۵)

”بڑی بھاری بات ہے جوان کے منہ سے نکلی ہے۔ وہ لوگ بالکل جھوٹ ہی بکتے ہیں“۔

الحاد کا معنی ہے کج روی، حق سے پھرنا۔ (قاموس القرآن) سورۃ الحج آیت ۲۵ میں ہے۔ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالحادٍ بظلم نُذِقهُ مِنَ عَذابِ اَلِيمِ اور جو اس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھائیں گے ایک عذاب دردناک (ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ اسیر مالٹا) اور جو کوئی اس میں (یعنی حرم شریف میں) ظلم کے ساتھ کوئی بے دینی کا کام کرنے کا ارادہ کرے گا تو ہم اس شخص کو عذاب دردناک چکھا دیں گے۔ یزید نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کو اس آیت کا مصداق ٹھہراتے ہوئے ملحد قرار دیا ہے۔ العیاذ باللہ اور عباسی صاحب نے اس بارے میں اپنے محبوب یزید کی تائید کی ہے۔ اس سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عباسی صاحب کا اصل مشن شرف صحابیت کو مجروح کرنا تھا۔ اور پھر وہ بھی یزید فاسق کے مقابلہ میں۔ جو مولانا یا بعض تعلیم یافتہ احباب عباسی تحریک کو رد شیعیت اور محبت و دفاع صحابہ کی تحریک سمجھتے ہیں ان کے لئے حضرت ابن الزبیر اور حرمین شریفین کے صحابہ و تابعین کے متعلق مذکورہ یزیدی اور عباسی نظریہ تازیانہ عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح فہم و دیانت نصیب فرمائیں۔ آمین

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نظر میں

گو اپنے اجتہادی موقف کی بنا پر حبرِ اُمت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کی بیعت نہیں کی۔ لیکن ان کے جو فضائل آپ نے بیان فرمائے حسب ذیل ہیں:۔

اما ابوه فحوارى النبى صلى الله عليه وسلم يريد الزبيرؓ واما جده فصاحب الغار يريد ابابكر . واما أمُّهُ فذات النطاق يريد اسماء وأما خالته فام المؤمنين يريد عائشة واما

عَمَّتُهٗ فزوج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یرید خدیجة واما عمة النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فجدته یرید صفیة ثمّ عفیف فی الاسلام قاری القرآن.

(بخاری کتاب التفسیر آیت ثانی اثنین اذھما فی الغار)

''آپ کے والد نبی کریم ﷺ کے حواری ہیں یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور آپ کے نانا حضور ﷺ کے یار غار تھے یعنی حضرت ابوبکر اور آپ کی والدہ ذات النطاق ہیں۔ یعنی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ۔ جنہوں نے سفر ہجرت میں آنحضرت ﷺ کا توشہ اپنے پٹکے (کمربند) میں باندھا تھا۔ آپ کی خالہ ام المومنین ہیں یعنی حضرت عائشہ اور آپ کی پھوپھی نبی کریم ﷺ کی زوجہ مکرمہ ہیں یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور ﷺ کی پھوپھی آپ کی دادی ہیں یعنی حضرت صفیہ اور پھر آپ اسلام میں پاکباز ہیں اور قرآن بہت پڑھنے والے ہیں''۔

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں

اور گو حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف اجتہادی کی بنا پر حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت نہیں کی تھی لیکن آپ ان کے فضائل کے معترف تھے۔ چنانچہ جب امّت کے ظالم ترین شخص حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کی لاش کو مکہ مکرمہ میں سولی پر لٹکایا اور شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے عبداللہ بن الزبیر کو تین بار ان الفاظ سے سلام کیا۔ السلام علیك یا ابا خبیب۔ (اے ابا خبیب (ابن الزبیر کی کنیت ہے) آپ پر سلام ہو۔ پھر فرمایا۔ اَمَا واللّٰہِ کنت انھاك عن ھذا (بخدا میں تجھ کو اس سے منع کیا کرتا تھا) اور پھر آپ کو ان الفاظ سے خراج عقیدت پیش کیا۔ واللّٰہ ان کنت ما علمتُ صوّاماً قوامًا وصولا للرحم (بخدا میں جانتا ہوں کہ آپ بہت روزے رکھنے والے تھے۔ بہت زیادہ نماز میں قیام کرنے والے تھے اور بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے (صحیح مسلم جلد ثانی ص ۳۱۲)

امام نووی حضرت عبداللہ بن عمر کے ارشاد کے تحت لکھتے ہیں:۔

فاراد ابن عمر براۃ ابن الزبیر من ذلک الّذی نسبه الیه الحجاج واعلام الناس بمحاسنه وانه ضِد ما قاله الحجاج. ومذهب اهل الحق ان ابن الزبیر کان مظلوماً وان الحجاج ورفقته کانوا خوارج علیه.

حجاج نے چونکہ حضرت ابن زبیر کو ظالم اور عدو اللہ (دشمن خدا) کہا تھا۔ اس لئے اس کے جواب میں حضرت ابن عمر نے آپ کے محاسن وفضائل بیان کر کے آپ کی صفائی پیش کی ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی واقف ہو جائیں اور اہل حق کا یہی مذہب ہے کہ حضرت ابن الزبیر مظلوم تھے اور حجاج اور اس کے رفقائے کاران کے خلاف خروج کرنے والے تھے۔

(۲) علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ محدث فاسق اور ظالم امام (خلیفہ) کو معزول کرنے کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔

لا شک انهم کانوا خائفین من نحو یزید والحجاج وزیاد ولم یکن یتمشّی الخروج خنیذٍ علی ارباب العناد بل کان یترتّب علیه امورٌ من العناد ولذا کان ابن عمرؓ یمنع ابن الزبیرؓ وینهاد عن دعوی الخلافة مع انه کان احق و اَولیٰ بها من أمرآء الجور بلا خلافٍ (شرح فقه اکبر ص ۱۸۱)

”اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ (یعنی اکابر) یزید۔ حجاج اور ابنِ زیاد جیسے امراء سے ڈرتے تھے اور ان حالات میں ارباب عناد کے مقابلے میں خروج بھی کامیاب نہیں ہوسکتا تھا بلکہ خروج پر اور دوسرے مفاسد کے واقع ہونے کا خطرہ تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن الزبیر کو منع کرتے تھے اور ان کو دعویٰ خلافت سے روکتے تھے باوجود اس کے کہ بلا اختلاف حضرت عبداللہ بن الزبیر ان ظالم امراء (یعنی یزید۔ حجاج وغیرہ) سے خلافت کے زیادہ حق دار اور بہتر تھے“۔

فرمایئے۔ یزید اور مسلم بن عقبہ نے تو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو ملحد اور بے دین قرار دیا۔ عباسی صاحب نے ان کی پیروی میں یہی نظریہ پیش کیا اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کے خلاف حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا موقف (یزید کی بیعت نہ توڑنے کا) پیش کر کے ناواقف لوگوں کو فریب دینا چاہا کہ یہ دونوں جلیل القدر صحابی یزید کے حامی اور ابن الزبیر کے خلاف تھے۔ لیکن ان دونوں جلیل الشان صحابیوں کے مندرجہ بالا ارشادات سے عباسی پروپیگنڈے کی قلعی کھل گئی کہ یزید کی بیعت نہ توڑنا اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کی بیعت نہ کرنا تو ان کے اپنے مخصوص اجتہادی موقف کی بنا پر تھا۔ ورنہ حقیقتاً یہ دونوں حضرات حضرت ابن الزبیر کے مخصوص فضائل کے معترف تھے اور یزید کے شخصی کردار کے متعلق ان کا وہی نظریہ تھا۔ جو حضرت عبداللہ بن الزبیر اور اصحاب مدینہ کا تھا۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر بھی یزید اور حجاج کو فاسق اور ظالم قرار دیتے تھے۔

ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور نگاہ نبوت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بڑی ہمشیرہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن الزبیر کی ولادت کے متعلق فرماتی ہیں کہ ہجرت کے بعد قبا میں جب ہمارا قیام ہوا تو عبداللہ بن الزبیر پیدا ہوئے۔

ثُمَّ اتیت به النبی صلی الله علیه وسلم فوضعته فج حجره ثم دعا بتمرهة فحنکها ثمّ تغل فیه فکانَ اوّل شیءٍ دخل جوفه رِیق رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم ثمّ حنکه بتمرة ثم دعاله وبرك علیه فکان اول مولودٍ فی الاسلام.

(فتح الباری جلد۷ باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم واصحاب المدینة ص ۱۹۴)

"پھر میں بچہ کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ پھر حضور نے بچہ کو اپنی گود میں اٹھایا اور آپ نے کھجور منگوائی۔ پھر اس کو چبایا اور اس کے منہ میں ڈال دی۔ اور پہلی چیز جو اس کے پیٹ میں داخل ہوئی۔ وہ رسول

اللہ ﷺ کا لعاب دہن تھا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ہی ابن الزبیر کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ یہ ہیں وہ عبداللہ بن الزبیر جنہیں بارگاہ نبوت سے یہ انعامات ملے۔ لیکن براہو یزیدیّت کا۔ کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے مقبول حضرت عبداللہ بن الزبیر کو ایک مستقل تحریک کے ذریعہ ملحد اور باقی قرار دیا جارہا ہے۔ یہ اسلامی ریسرچ نہیں بلکہ نظریاتی تخریب کاری ہے جس کو حبِّ صحابہ کے عنوان سے پھیلایا جارہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت

تاریخ ابن خلدون مترجم حصہ دوم ص ۱۴۴ میں ہے:۔ یزید بن معاویہ کے مرتے ہی بلا جدو جہد۔ اہلِ حجاز، یمن، عراق اور خراسان نے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔ صرف شام و مصر والے ان کی بیعت سے علیحدہ رہے کیونکہ ان لوگوں نے معاویہ بن یزید کی بیعت کی تھی۔ لیکن جب اس کا بھی انتقال ہوگیا تو لوگوں میں اختلاف خلیفہ کی بابت اختلاف پڑ گیا۔ سب سے پہلے جس نے امرائے لشکر سے اختلاف کیا وہ نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ تھے جن کی سپردگی میں حمص کا علاقہ تھا۔ انہوں نے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تحریک شروع کی جب اس کی اطلاع زفر بن الحارث کلابی کو پہنچی جو قیسرین کا گورنر تھا۔ (یہ بھی چپکے چپکے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی دعوت دینے لگا۔ (۲) حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے لکھتے ہیں:۔

فبویع بالخلافة واطاعه اهل الحجاز و مصر والعراق و خراسان و کثیر من اهل الشام. (فتح الباری جلد۸ ص ۲۴۵)

اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی اور اہل حجاز، مصر، عراق، خراسان نے اور اہل شام میں سے بھی بہت لوگوں نے آپ کی اطاعت کی) پہلے گزر چکا ہے کہ مرگ یزید کے بعد اس کے عاملوں میں سے حضرت نعمان بن بشیر (صحابی) اور حضرت ضحاک بن قیس (صحابی) وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کی خلافت تسلیم کرلی تھی اور یزیدی کمانڈر حصین بن نمیر نے بھی مشروط طور پر آپ سے بیعت خلافت کی درخواست کی۔ اور

جناب مروان بھی آپ کی بیعت کے لئے تیار ہو گئے تھے لیکن ابن زیاد وغیرہ کی سیاست درمیان میں حائل ہو گئی اور ۳ ذیقعدہ ۶۴ھ کو کل بنی امیہ، کلب، غسان، سکاسک اور طے نے مروان کے ہاتھ پر بیعت کر لی (ابن خلدون مترجم حصہ دوم ص ۱۴۶) جناب مروان کی خلافت ۹ ماہ رہی ان کی وفات (۶۵ھ) کے بعد عبدالملک بن مروان کو خلیفہ بنایا گیا۔

خلافت عبدالملک بن مروان

تاریخ ابن خلدون میں ہے:۔ ۳ رمضان ۶۵ھ کو دمشق میں مروان کے مرجانے پر لوگوں نے اس کے لڑکے عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ تخت نشین ہوا۔ اس کو لوگ ابو الملوک کہتے تھے اس وجہ سے کہ اس کے لڑکوں ولید، سلیمان، یزید اور ہشام نے حکومت وسلطنت کی تھی۔ (حصہ دوم ص ۱۵۵)

حجاج بن یوسف ثقفی

مصعب بن الزبیر کے قتل کے بعد عبدالملک نے کوفہ پہنچ کر حجاج بن یوسف ثقفی کو تین ہزار لشکر شام کے ساتھ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ لڑنے کو روانہ کیا۔ حجاج بن یوسف ثقفی جمادی الاولیٰ ۷۲ھ میں کوفے سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ کو چھوڑتا ہوا طائف میں جا اُترا۔

خانہ کعبہ پر سنگ باری

اس کے بعد حجاج نے کوہ ابوقبیس پر منجنیقیں نصب کرائیں اور کعبہ محترم پر پتھروں کا مینہ برسانے لگا۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ بن عمر بھی آئے ہوئے تھے۔ حجاج بن یوسف سے کہلا بھیجا سنگ باری موقوف کرادو۔ اللہ تعالیٰ کے بندے اس کے محترم مکان کی زیارت کو آئے ہوئے ہیں۔ سنگ باری کی وجہ سے نہ طواف کر سکتے ہیں اور نہ بین صفا و مروہ سعی کر سکتے ہیں۔ حجاج نے زمانۂ حج کے خاتمہ تک سنگ باری موقوف کر دی۔ جونہی ایام حج ختم ہوئے حجاج کے منادی نے چاروں طرف یہ منادی کرادی کہ:۔ تم لوگ اپنے اپنے شہروں

کو واپس جاؤ ہم ابن الزبیر پر پھر سنگ باری کرنا چاہتے ہیں یہ سُن کر حاجیوں کے قافلے اپنے اپنے شہروں کی طرف روانہ ہو گئے اور حجاج بن یوسف کے لشکریوں نے منجنیق سے پتھر شروع کر دیئے۔ حجاج بن یوسف نے جوش میں آ کر خود منجنیق سے پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ بڑے بڑے پتھر عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے روبروآ کر گرتے تھے اور یہ کھڑے ہوئے نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک عرصہ دراز تک یہ لڑائی اسی انداز سے جاری رہی یہاں تک کہ طویل حصار سے اہل مکہ کا غلہ ختم ہو گیا۔ باہر سے کوئی راستہ رسد کے آنے کا نہ تھا۔ لوگ شدت بھوک سے پریشان ہونے لگے۔ عبداللہ بن الزبیر نے اپنے گھوڑے کو ذبح کر کے گوشت تقسیم کر دیا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (آپ نے) اپنی ماں کے سر کا بوسہ لے کر کہا:۔ میری بھی یہی رائے تھی اس وقت تک نہ مجھے دنیا کی خواہش ہوئی نہ حکومت کی تمنا۔ مجھ کو اس کام کے اختیار کرنے پر صرف اس امر نے مجبور کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی نہیں کی جاتی تھی اور نہ ممنوعات سے لوگ پرہیز کرتے تھے۔ اور میں جب تک میرے دم میں دم رہتا، لڑتا رہتا۔ لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ آپ سے بھی اس امر میں رائے لے لوں۔ پس آپ نے میری بصیرت زیادہ کر دی اور اے میری ماں۔ میں آج ضرور مارا جاؤں گا تم زیادہ مغموم نہ ہونا اور تم مجھے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔ تمہارے لڑکے نے کسی فعل ناجائز کا قصد نہیں کیا اور نہ کسی امر مذموم و بدکاری کی طرف توجہ کی ہے۔ نہ تو اس نے بدعہدی کی ہے نہ کسی پر ظلم کیا ہے اور نہ کسی ظالم کا معین و مددگار رہا ہے اور نہ اس نے حتی الامکان اللہ تعالیٰ کے خلاف مرضی کا کوئی کام کیا۔ اے اللہ تعالیٰ۔ میں اس امر کو اپنے نفس کی براءت کی غرض سے نہیں ظاہر کرتا ہوں۔ بلکہ اپنی ماں کی تسلی کے لئے کہتا ہوں۔ اسماء بولیں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کا اجر جمیل عطا فرمائے گا تم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دشمنوں پر حملہ آور ہو۔ اگر فتح

یاب ہو گئے تو مجھے تمہاری فتح مندی سے مسرت ہو گی۔ پھر سوچ کر کہا۔ اچھا میں بھی تمہارا انجام کار دیکھنے کو چلتی ہوں۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ تکلیف نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ البتہ دعائے خیر سے مجھے فراموش نہ کیجئے گا۔ اسماء رضی اللہ عنہا کی آنکھوں میں ان کلمات سے آنسو بھر آئے۔ رخصتی کے وقت اسماء رضی اللہ عنہا نے بیٹے کو گلے لگایا۔ اتفاق سے ہاتھ زرہ پر پڑ گیا۔ دریافت کیا یہ کیا ہے۔ تم نے اس کو کس ارادہ سے پہنا ہے۔ جواب دیا محض اطمینان اور مضبوطی کی غرض سے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ کہہ کر اس سے کچھ اطمینان و مضبوطی نہیں ہوتی زرہ اتار لی۔ اور معمولی کپڑے پہننے کو کہا۔

(ایضاً ابن خلدون ص ۱۹۲، ۱۹۳)

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

آخری حملہ میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء کو نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ:۔ ہر شخص اپنے مقابل پر حملہ آور ہو۔ اور مجھے ڈھونڈتے نہ پھرنا۔ اگر میری تلاش تم کو ہو تو میں اگلی صف میں رہوں گا۔ الغرض اس قسم کے چند کلمات سمجھا کر لشکر شام پر حملہ کیا۔ اور لڑتے لڑتے جیجوں تک بڑھ گئے۔ لشکر شام سے ایک شخص نے دُور سے تیر مارا جس سے پیشانی زخمی ہو گئی اور چہرے سے خون بہنے لگا مگر اس کے باوجود نہایت مردانگی سے لڑتے رہے شامی لشکر دور سے پتھر و تیر برسانے لگا۔ بالآخر (یوم سہ شنبہ یعنی منگل) ماہ جمادی الثانیہ ۷۳ھ کو شہید ہو گئے حجاج کے روبرو ان کا سر پیش کیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور اہل شام تکبیر کہہ اُٹھے۔ اس کے بعد حجاج و طارق اُٹھ کر ان کی لاش پر آئے اور اس کو مقام جیجون میں صلیب پر چڑھوا کر سر مع عبداللہ بن صفوان و عمارہ بن عمرو بن حزم کے سروں کے عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے شہادت کے بعد لاش کے دفن کی اجازت چاہی لیکن حجاج نے انکار کیا اور عبدالملک کو یہ واقعات لکھ بھیجے۔ عبدالملک نے اس کو اس مذموم فعل پر ملامت کی اور لاش دفن کرنے کی اجازت دے دی۔ حجاج نے لاش کو صلیب سے اتروا کر (حضرت) اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا۔ (آپ کے بھائی) عروہ (بن الزبیر) نے

نماز جنازہ پڑھائی اور دفن کر دیا۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد (حضرت) اسماء رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا (ایضاً ابن خلدون ص ۱۹۵)۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا یہ مکالمہ ایک جنتی ماں اور بیٹے کا مکالمہ ہے جس سے ان کی عظمت شان نمایاں ہے۔ حضرت ابن الزبیر کے خلوص و استقامت اور شجاعت و بصالت سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے۔ لیکن کتنی فتنہ انگیز وہ تحریک ہے جو حضرت ابن الزبیر صحابی کو باغی و مجرم اور یزید و حجاج کو صالح و عادل اور اسلام کے ہیرو منوانے کی ناپاک کوشش کر رہی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے حرمین شریفین کی بے حرمتی پر نکیر کی

عباسی صاحب لکھتے ہیں۔ مکہ کے دونوں حصاروں کے وقت اجلہ صحابہ زندہ تھے انہوں نے امیر المومنین یزید اور امیر المومنین عبدالملک کی پوری تائید کی اور ان فوجی اقدامات کو ہرگز کعبہ شریف کے خلاف جارحانہ کارروائی نہیں سمجھا۔ اور نہ قواعد شرعیہ جاننے والا کوئی سمجھ سکتا ہے۔ اگر مدینہ اور مکہ پر چڑھائی کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس وغیرہما نے بُرا جانا ہوتا یا ان شورشوں میں قواعد شرعیہ کے خلاف کچھ حرکتیں کی ہوئی ہوتیں یا ان باتوں کا شائبہ بھی ہوتا جو مودودی صاحب جیسے متعصب لوگوں نے بیان کی ہیں تو اموی خلافت امت میں کبھی ایسی مقبول نہ ہوتی (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۹۶)

الجواب

یہاں عباسی صاحب نے اپنی روایتی غلط بیانی سے کام لے کر ناواقف لوگوں کو اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ (۱) حبر امت حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی محاصرہ مکہ کی کارروائی کی مذمت کی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے راوی کہتے ہیں:۔

فغدوت علی ابن عباس فقلت أترید ان تقاتل ابن الزبیر فتحل ما حرّم اللّٰہ ۔ فقال معاذ اللّٰہ ۔ ان اللّٰہِ کَتَبَ ابن الزبیر وبنی امیہ محلین وانی واللّٰہ لا أُحِلّہ ابدًا.

”میں صبح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ ابن الزبیر سے جنگ کریں۔ اور اللہ کے حرام کو حلال کریں تو آپ نے فرمایا۔ معاذ اللہ۔ اللہ نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ کے لئے لکھ دیا ہے کہ وہ حرم کعبہ کو حلال کریں۔ اللہ کی قسم میں تو کبھی بھی اس کو حلال نہیں کرتا“۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ اس کے تحت فرماتے ہیں:۔

(قوله مُحلّين) اى انهم كانوا يبيحون القتال فى الحرم وانما نسب ابن الزبيرؓ اِلٰى ذلك وان كان بنو اُميه هم الذين ابتداء وه بالقتال وحصروه وانما بدأ منه ولاً دفعهم عن نفسه لانّه له بعد ان ردّهم الله عنه حصر نبى هاشم ليبايعوه فشرع فيما يؤذن باباحته القتال فى الحرم (وقوله لا اُحلّه ابداً) اى لا ابيح القتال فيه وهٰذا مذهب ابن عباسؓ انه لا يقاتل فى الحرم ولو قوتل فيه.

(فتح البارى ج٨ باب قوله ثانى اثنين فى النار ص٢٤٦)

”مُحِلّین کا مطلب یہ ہے کہ وہ حرم میں قتال کو مباح (جائز) قرار دیتے ہیں اور اگرچہ بنی امیہ نے حرم میں قتال کی ابتداء کی تھی اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا تھا اور آپ نے اپنے دفاع کے لئے ان سے جنگ شروع کی تھی لیکن اس کی نسبت حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی طرف اس لئے کر دی کہ انہوں نے اپنی بیعت لینے کے لئے بنی ہاشم کو محصور کر لیا تھا حالانکہ پہلے محاصرہ میں (مرگ یزید کے بعد) اللہ تعالیٰ نے ان کو واپس پھیر دیا تھا۔ گویا کہ اس کے بعد حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے حرم میں قتال کی ابتداء ہو گئی“۔

قتال فی الحرم کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس نے اپنا موقف واضح کر دیا تھا کہ وہ ابتداءً یا دفاعاً کسی صورت میں بھی قتال فی الحرم کو جائز نہیں قرار دیتے اور حضرت عبداللہ بن الزبیر نے اس سلسلے میں اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور اس اجتہادی اختلاف کے

باوجود حضرت ابن عباس نے حضرت ابن الزبیر کے فضائل بیان کر دیئے تا کہ کوئی اس اجتہادی اختلاف کی وجہ سے حضرت ابن الزبیر کو مطعون نہ کر سکے (لیکن باوجود اس کے یزیدی گروہ حضرت ابن الزبیر کو مطعون کر رہا ہے) بہر حال اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابن عباس متوفی ۶۸ھ نے حرم میں قتال کرنے پر بنی اُمیہ کی تائید نہیں کی بلکہ ان پر واضح طور پر نکیر فرمائی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی گو یزید کی بیعت فسخ نہیں کی لیکن آپ نے بھی حرم میں قتال کرنے پر حجاج پر نکیر کی ہے۔ چنانچہ ابن سعد لکھتے ہیں۔ عطیہ عوفی سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کو دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ایک شامی نے اپنے نیزے کی انّی ان کے پاؤں میں ماردی تھی ان کے پاس حجاج عیادت کے لئے آیا اور کہا کہ اگر میں اس شخص کو جان لیتا جس نے آپ کو تکلیف پہنچائی تو ضرور اس کی گردن مار دیتا۔ عبداللہ نے کہا کہ تو ہی ہے جس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ اس نے کہا کیونکر۔ انہوں نے کہا کہ جس روز تو نے اللہ کے حرم میں ہتھیار داخل کیے تھے۔

(طبقات ابن سعد مترجم حصہ چہارم ص ۳۲۰)

دوسری روایت میں ہے:۔ حجاج چلا گیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے سوائے تین چیزوں کے دنیا کی کسی چیز پر افسوس نہیں ہے۔ دوپہر کی پیاس (کہ اس حالت میں نفل روزے نہ رکھے) رات کی مصیبت (کہ عبادت الٰہی میں شب کیوں نہ بسر کی) اور اس پر کہ میں نے اس باغی گروہ سے قتال نہ کیا جو ہمارے پاس گھس آیا تھا۔ (ایضاً ص ۳۲۰)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:۔ خالد بن سمیر سے مروی ہے کہ فاسق حجاج نے منبر پر خطبہ پڑھا اور کہا کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں تحریف کر دی (اور اسے بدل دیا) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا تو جھوٹا ہے۔ تو جھوٹا ہے۔ تو جھوٹا ہے۔ نہ انہیں اس کی طاقت تھی اور نہ اس کے ساتھ تھے۔ حجاج نے کہا کہ خاموش رہو تم بوڑھے ہو۔ بے ہودہ بکتے ہو۔ تمہاری عقل جاتی رہی ہے قریب ہے کہ بوڑھا گرفتار کیا جائے اس کی گردن ماری جائے

اور اسے اس طرح گھسیٹا جائے کہ اس کے دونوں خصیے پھولے ہوئے ہوں اور اہل بقیع کے لڑکے گھماتے ہوں (ایضاً طبقات ابن سعد ص ۳۱۹)۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی حرم میں قتال کو جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ البتہ بطور دفاع کے وہ قتال کے قائل تھے اور یہی مسلک حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ حجاج نے جب منبر پر حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ پر طعن کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے اس پر نکیر کی اور حضرت ابن الزبیر کی صفائی پیش کی۔ اس پر حجاج نے ان کے بارے میں جو زبان استعمال کی ہے تو وہ اس کا خوگر تھا۔

(۳) حضرت ابو شریح صحابی رضی اللہ عنہ نے بھی حرم میں قتال کرنے پر نکیر کی۔ اور عباسی صاحب نے خود بھی اس کو تسلیم کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔ اب ملاحظہ ہو (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۔ طبع مصر) کہ آج کے لوگوں کی طرح حرمین کی تقدیس برقرار رکھنے میں یہی شبہ ایک جلیل القدر صحابی کو ہوا۔ لیکن پھر مسئلہ ان کی سمجھ میں آ گیا۔ حضرت ابو شریح فرماتے ہیں:۔

عن ابی شریحؓ انه قال ابن سعید وهو یبعث البعوث الی مکة ائذن لی ایها الامیر اُحدثك قولاً قام به النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الغَد مِن یوم الفتح سمعته اُذ نای ووعاه قلبی و بصره عینای حین تکلم به. حمد اللّٰه واثنی علیه ثم قال. اِنّ مکة حرّمها اللّٰه ولم یحرمها الناس فلا یحل لامری یومن باللّٰه والیوم الآخر ان یفسك بها دماً ولا یعضد بها شجرة فان احدٌ ترخص لقتال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فیها فقولوا. انّ اللّٰه حق اذن لرسوله ولم یأذن لکم وانما اذن لِی فیها ساعةً من النهار ثمَّ عادت حرمتها الیوم کحرمتها بالامس. ولیبلّغ الشاهد الغائب. فقیل لابی شریح ماقال عمرو. قال انا اَعلم منك یا ابا شریح ان مکّة لا یعیذ عاصِیاً ولا فاراً بدم ولا فارًا بخربة

اے امیر مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ سے رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد بیان کردوں جو فتح کے دوسرے دن آپ نے فرمایا تھا۔ میرے ان دونوں کانوں نے اسے سُنا ہے اور میرے دل نے اسے حفظ کیا ہے اور میری ان دونوں آنکھوں نے آپ کو اس وقت دیکھا تھا۔ جب آپ فرمارہے تھے۔ آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا۔ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرمت کا شہر قرار دیا ہے اور یہ حرمت آدمیوں نے قائم نہیں کی۔ اب کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ وہ یہاں کسی کا خون بہائے یا کوئی درخت اُکھاڑے۔ اب اگر کوئی شخص اللہ کے رسول کے قتال کو نظیر بنا کر اس فعل کو اپنے لئے جائز کرلینا چاہے تو تم اس سے کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی اور تمہیں اس نے اجازت دی اور انہیں جس دن کی جس ایک گھڑی کے لئے اجازت ملی پھر اس کی حرمت آج اس طرح قائم ہوگئی ہے۔ جیسے کل تھی۔ جو حاضر ہیں انہیں چاہیے کہ یہ بات ان تک پہنچادیں۔ جو اس وقت حاضر نہیں۔ ابوشریح سے پوچھا گیا کہ پھر امیر عمرو نے کیا کہا۔ تو فرمایا۔ انہوں نے کہا اے ابوشریح میں آپ سے زیادہ اسے جانتا ہوں۔ مکہ کی کسی سرکش کو اجازت نہیں دیتا نہ کسی قاتل کو اور نہ کسی ایسے شخص کو جو تخریب کے درپے ہو (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۹۵، ۳۹۶)

تبصرہ

عباسی صاحب نے حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ کے متعلق جو یہ لکھا ہے:۔ لیکن پھر مسئلہ ان کی سمجھ میں آگیا۔ تو یہ کہاں سے نکالا ہے روایت میں تو کوئی ایسا لفظ نہیں ہے۔ اور کچھ تو انصاف نہیں چاہئے۔ ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان فرما کر یہ ثابت کررہے ہیں کہ حرم شریف میں کسی کے لئے بھی قتال کی اجازت نہیں ہے اس کی صرف وقتی طور پر آنحضرت ﷺ کو اجازت ملی تھی۔ لیکن عمرو بن سعید جواب میں ان سے کہہ رہا ہے کہ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ یہ حدیث نبوی کے

مقابلہ میں اس کا جواب ہے۔ یہ عمرو بن سعید دورِ یزید میں مدینہ کا گورنر تھا۔ یہاں سے اس نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو مطیع کرنے کے لئے مکہ مکرمہ میں لشکر بھیجے تھے جس پر حضرت ابوشریح نے حدیث پیش کر کے اس کو منع فرمایا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ

حافظ ابن حجر عسقلانی عمرو بن سعید کے متعلق لکھتے ہیں:۔

یعرف بالاشدق ولیست لہ صُحبة ولا کان من التابعین باحسان . (فتح الباری. ج ا کتاب العلم ص١٧٦)

یہ اشدق کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو صحبتِ نبوی حاصل نہیں اور نہ ہی وہ تابعین باحسان میں شامل ہے (کیونکہ وہ صحابہ کا متبع نہیں) عمرو بن سعید نے جو یہ جواب دیا کہ مکہ کسی نافرمان کو پناہ نہیں دیتا۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:۔

اتی بکلام ظاهرة حق لکن ارادبه الباطل فان الصحابی انکر علیه نصب الحرب علی مکة فأجابه بانها لا تمنع من اقامة القصاص وهو صحیح الا ان ابن الزبیرؓ لم یرتکب امراً یجب علیه فیه شیء من ذلك (ایضاً ص١٧٧)

"عمرو بن سعید نے جو بات کی وہ بظاہر صحیح ہے لیکن اس نے اس سے ارادہ باطل کا کیا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوشریح صحابی نے تو اس پر مکہ میں جنگ قائم کرنے کی وجہ سے نکیر کی تھی۔ لیکن اس نے یہ جواب دیا کہ قصاص قائم کرنے کی وجہ سے یہ ممنوع نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے لیکن حضرت عبداللہ بن الزبیر نے تو ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں کی تھی جس کی وجہ سے بطور قصاص ان سے حرم میں جنگ کی جائے۔ اس سے عمرو بن سعید کے جواب کی تردید ہوتی ہے"۔

علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:۔

حضرت (یعنی علامہ سید محمد انور شاہ صاحب محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ ابو شریح رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں اور عمرو بن سعید یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی مدینہ منورہ تھا۔ عام طور پر محدثین نے اس کے پوست کندہ حالات نہیں لکھے۔

میں نے اس کے معتمد حالات میں ایک واقعہ ایسا بھی دیکھا ہے جس سے اس کا ایمان بھی مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا۔ یہی بات حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے بھی ثابت ہو رہی ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید کو مکہ معظمہ پر لشکر کشی سے روکا کہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی جان حرم میں محفوظ ہو چکی ہے اس کو کسی صورت سے حرم کے اندر ضائع نہیں ہونا چاہیے۔

(انوار الباری شرح البخاری جلد چہارم قسط ششم ص ۲۲)

(۴) قتال فی الحرم کے سلسلے میں خود عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔

قال ابن عباسؓ لو لقیت قاتل ابی بالحرم قا قتلته.

(ص ۳۰ انساب الاشراف)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر میں اپنے والد کے قاتل کو بھی حرم کے اندر پا جاتا تو اس کو وہاں قتل نہ کرتا" (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۲۲)

یہی بات حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید متوفی ۷۰ھ، ۶۹ھ سے فرمائی تھی جو حضرت عبداللہ بن عباس فرما رہے ہیں۔ یعنی حرم کے اندر قصاصا بھی کسی کا قتل جائز نہیں۔

عباسی صاحب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی لکھتے ہیں:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ جب حرم میں انہوں (یعنی حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ) نے خونریزی کی ہے تو وہ بھی ایک دن وہیں قتل ہوں گے (ایضاً ص ۳۲۳)

اس سے ثابت ہوا کہ عباسی صاحب کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمر کا بھی یہی مسلک تھا کہ حرم میں قتل و قتال کسی طرح بھی جائز نہیں یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں کا یہ مسلک تھا کہ حرم میں قتال کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ تو پھر عمرو بن سعید نے بحکم یزید جو حضرت عبداللہ بن

الزبیر کو قتل کرنے کے لئے مکہ پر لشکر کشی کی۔ اور پھر حجاج نے جو حرم شریف میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔ تو ان کے لئے یہ قتل وقتال کیونکر جائز ہو گیا۔ اس یکھتے ہیں میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو۔ بہر حال حضرت عبداللہ بن عباس۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوشریح صحابی رضی اللہ عنہم کے ارشادات سے ثابت ہو گیا کہ حرم شریف میں قتل وقتال جائز نہیں اور انہوں نے عمرو بن سعید اور حجاج وغیرہ پر صراحتاً نکیر فرمائی تو پھر عباسی صاحب محض یزید عمرو بن سعید اور مسلم بن عقبہ کی حمایت میں یہ کتنا بڑا جھوٹ لکھ رہے ہیں کہ:۔ مکہ کے دونوں حصاروں کے وقت اجلہ صحابہ زندہ تھے انہوں نے امیر المومنین یزید اور امیر المومنین عبدالملک کی پوری تائید کی۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ حرہ پر افسوس کرنا

صحیح بخاری میں ہے:۔

حدثنی عبداللّٰہ بن الفضل انه سمع انس رضی اللہ عنہ بن مالک یقول حزنت علی من اُصیب بالحرة فکتب اِلَیّ زید بن ارقم وبلغه شدة حُزنی یذکر انه سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول اللّٰھم اغفر لِلانصار ولابناء الانصار.

''عبداللہ بن الفضل بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سانحہ حرہ میں انصار کو جو مصیبت پہنچی ہے اس کی وجہ سے میں مغموم تھا تو میرے اس شدید غم کی وجہ سے حضرت زید بن ارقم صحابی نے مجھے خط لکھا جس میں بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے اللہ انصار اور ان کی اولاد کی مغفرت فرما''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے تحت سانحہ حرہ اور اس کے اسباب فسخ بیعت یزید وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

قُتِلَ من الانصار بشیء کثیر جِداً کان انس یومئذ بالبصرة

فبلغه ذلك فحزن على من اصيب من الانصار فكتب اليه زيد بن ارقم وكان يومئذ بالكوفة يسليه ومحصل ذلك ان الذى يصير الى مغفرة الله لا يشتد الحزن اليه فكان ذلك تعزيه لانس فيهم. (فتح الباری ج۸ ص۴۹۹)

''حرہ میں انصار کے بہت زیادہ آدمی قتل ہوئے تھے اور ان دنوں میں حضرت انس بصرہ میں تھے انصار کی اس مصیبت کی اطلاع جب آپ کو ملی تو آپ مغموم ہوئے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جو کوفہ میں تھے آپ کو تسلی دینے کے لئے تعزیت نامہ لکھا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو مغفرت کی بشارت دی جائے اس کے قتل وشہادت پر اتنا غم نہیں کرنا چاہیے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جنہوں نے ۱۰۷ سال کی عمر میں ۹۲ھ میں وفات پائی ہے اور آپ دس سال حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص رہے ہیں۔ بہرحال مذکورہ حدیث بخاری سے ثابت ہوا کہ یزیدی لشکر کی طرف سے یوم حرہ میں اہل مدینہ اور انصار پر جو مظالم ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ارقم دو جلیل القدر صحابیوں کو اس سے اذیت پہنچی۔ تو کیا یہ حضرات یزیدیوں سے متنفر نہیں ہوئے ہوں گے۔

حدیث لا یرید احدٌ اهل المدینة بسؤ کا مصداق یزیدی گروہ ہے

مسلم شریف میں ہے:۔

ولا يريدُ احدٌ اهل المدينة بسؤ الا اذابه الله فى النار ذوب الرّصاص اور زوب الملح فى الماء.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اہل مدینہ سے برائی کا ارادہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ اس طرح پگھلا دے گا جس طرح سیسہ (قلعی) آگ میں یا نمک پانی میں گھل جاتا ہے''۔

امام نووی بحوالہ قاضی عیاض اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کو مہلت نہیں دے گا اور اس کا اقتدار جلدی جاتا رہے گا۔

کما انقضی شان من خاربها ایام بنی امیة مثل مسلم بن عقبة فانه هلك فی منصرفه عنها ثمَّ هلك یزید بن معاویة مرسله علی اثر ذلك وغیرهما ممن صنع صنیعهما.

(نووی جلد اول ص ۴۴۱)

"جس طرح کہ ان لوگوں کی شان وشوکت ختم ہوئی جنھوں نے بنی امیہ کے دور میں اہل مدینہ کے ساتھ جنگ کی تھی۔ مثلاً مسلم بن عقبہ نے کہ وہ اس جنگ سے واپسی پر ہی (راستہ) میں ہلاک ہو گیا۔ پھر اس کے بعد یزید بن معاویہ بھی ہلاک ہو گیا۔ جو مسلم بن عقبہ کو بھیجنے والا تھا"۔

(۲) صحیح بخاری میں ہے:۔

لا یکید اهل المدینة احدٌ الا انماع کما ینماع الملح فی المآء رباب اثم من کاد اهل المدینة. (فتح الباری جلد ۴ ص ۸۱)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اہل مدینہ سے مکر و برائی کرے گا وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے"۔

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی نے بحوالہ نسائی یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے:۔

من اخاف اهل المدینة ظالما لهم اخافه اللّٰه و کانت علیه لعنة اللّٰه الحدیث (ایضاً فتح الباری ص ۸۱)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اہل مدینہ پر ظلم کرتے ہوئے ان کو خوف زدہ کرے گا۔ اللہ اس کو خوفزدہ کرے گا۔ اور اس پر اللہ کی لعنت ہوگی"۔

احادیث مذکورہ کے تحت شارحین حافظ ابن حجر عسقلانی، قاضی عیاض محدث اور امام نووی نے اس کا مصداق یزید اور مسلم بن عقبہ وغیرہ کو قرار دیا ہے اور حافظ ابن کثیر محدث ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

وقد استدل بهذا الحدیث و امثاله من ذهب الی الترخیص

فی لعنة یزید بن معاویه وهو روایة عن احمد بن حنبل اختارها الخلال و ابوبکر . عبدالعزیز والقاضی ابویعلی وابنه القاضی وابو الحسین وانتصر لذالك ابو الفرج بن الجوزی فی مصنف مفرد و جوز لعنته ومنع من ذالك آخرون وصنفعوا فیه ایضاً لِئلا یجعل لعنه وَسیلة الی ابیه اواحد من الصحابة وحملوا ما صدر عنه من سوء التصرفات علٰی انه تاوّل واخطاء . قالوا انه کان مع ذلك امَامًا فاسقًا والامام اذا فسق لا یعزل بمجرد فسقه علی اصح قولی العلماء بل ولا یجوز الخروج علیه لما فی ذالك من أثارة الفتنة ووقوع الهرج وسفك الدِماءَ الحرام ونهب الاموال وفعل الفواحِشَ مع النساء وغیر ذلك مما کل واحدة فیها من الفساد اضعاف فسقه کما جری مما تقدم الی یومنا هذا.

(البدایه والنهایه جلد۸ ص ۲۳۳)

''اس حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو یزید بن معاویہ پر لعن کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ جس کو الخلال، ابوبکر عبدالعزیز، قاضی ابویعلی، آپ کے بیٹے قاضی ابوالحسین نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور ابو الفرج ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بھی اپنی ایک مستقل تصنیف میں ان علماء کا رد لکھا ہے جو یزید پر لعن کو جائز نہیں قرار دیتے اور اس پر لعن کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور لعن یزید سے دوسرے علماء نے منع کیا ہے اور انہوں نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں تا کہ یزید پر لعن کرنا، والد یزید (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) اور کسی دوسرے صحابی پر لعن کرنے کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اور یزید سے جو بُرے کام سرزد ہوئے ہیں ان کو انہوں نے اس بات پر محمول کیا

ہے کہ اس نے اپنا کام سرانجام دینے میں خطا کی ہے۔ اس کے باوجود وہ علماء کہتے ہیں کہ بے شک یزید ایک فاسق امام (خلیفہ) تھا۔ اور امام جب فاسق ہو جائے تو محض فِسق کی وجہ سے وہ معزول نہیں ہو جاتا اور علماء کے دو قولوں میں یہ اصح قول ہے۔ بلکہ اس کے خلاف خروج کرنا اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے فتنہ زیادہ پھیلتا ہے اور لڑائی جھگڑا اور ناجائز خون ریزی اور لوٹ مار اور عورتوں سے فحش کاری وغیرہ کے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ جن میں سے ہر ایک میں بہ نسبت خلیفہ کے فسق کے کئی گنا فساد پھیلتا ہے۔ جیسا کہ آج تک اس قسم کی خرابیاں چلی آرہی ہیں"۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں فاسق خلیفہ کے معزول ہونے یا نہ ہونے پر علماء کا جو اختلاف ہے اس پر تبصرہ کر دیا ہے اور اس قول کو ترجیح دی ہے کہ فاسق امام وخلیفہ کے خلاف بھی خروج نہ کیا جائے کیونکہ انجام کار اس میں مفاسد زیادہ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود تصریح کر دی ہے کہ جو علماء یزید پر لعن کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے مذکورہ مصلحت کے تحت ان کے نزدیک بھی یزید یقیناً فاسق تھا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ گو یزید پر لعن کرنے اور نہ کرنے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی یزید کو صالح نہیں کہتا اور سب کے نزدیک وہ فاسق تھا۔

تو حافظ ابن کثیر کی تحقیق میں بھی یزید کا فِسق متفق علیہ ہے اور یہی مسئلہ اس کتاب میں زیر بحث ہے۔

عزیمت ورخصت

جو حضرات فاسق خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے ان کا عمل رخصت پر ہے اور جن علماء نے فاسق خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز قرار دیا ہے ان کے پیش نظر عزیمت ہے۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ اصحاب مدینہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر وغیرہ

---

❶ ابن جوزی کی اس مستقل تصنیف کا نام ہے: الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید

حضرات کا یہی موقف تھا۔ اور اس کی ضرورت بھی ہے کیونکہ اگر سب اہل حق رخصت پر ہی عمل کریں تو پھر ظالموں اور فاسقوں کے لئے کھلی چھٹی ہو جائے گی۔ کسی کو کوئی خوف مخالفت کا نہیں رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خود رسول پاک سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے:۔

عن ابن عباسؓ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سیّد الشھداء حمزہ بن عبدالمطلب ورجلٌ قام الی امامٍ جائرٍ فامرہ ونھاہ فقتلہ۔

"حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سید الشہداء ہیں اور وہ شخص بھی سیّد الشہداء ہے جو کسی ظالم و جائر امام کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے اور اس کو امر و نہی کرے۔ پھر وہ امام اس کو قتل کر دے"۔

یہ حدیث امام ابوبکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے احکام القرآن میں نقل کی ہے (ملاحظہ ہو جلد دوم ص ۳۴ ناشر سہیل اکیڈمی لاہور) اور یہ حدیث امام سیوطی کی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۳۴ میں بھی منقول ہے۔ سیّد الشہداء کی مزید بحث میری کتاب "کشف خارجیت" ص ۵۰۳ تا ص ۵۰۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔ علاوہ ازیں عزیمت پر عمل کرنے کے سلسلہ میں مشکوٰۃ شریف کی حسبِ ذیل حدیث پہلے بھی نقل کی گئی ہے کہ:۔ بیشک آخری زمانہ میں میری امت کو ان کے بادشاہ کی طرف سے تکالیف پہنچیں گی اس سے وہی شخص نجات پائے گا جو اللہ کے دین کو اچھی طرح پہچانتا ہو۔ پھر اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اور اپنے دل سے اس کے خلاف (دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرتا ہے۔ پس یہ وہ شخص ہے جس نے سوابق و فضائل حاصل کر لئے (باب الامر بالمعروف)

عباسی صاحب کی الٹی منطق

چونکہ اہل مدینہ کو خوف زدہ کرنے والی احادیث کی بنا پر یزید اور اس کا لشکر سخت وعید کا مصداق بنتا ہے اور محدثین نے بھی یہی فرمایا ہے اور اس سے عباسی مشن کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے اس لئے عباسی صاحب نے ان احادیث کی باطل تاویل کر کے اپنے محبوب خلیفہ

یزید کو بچانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ صحیح بخاری وغیرہ کی یہ دو حدیثیں جو مودودی صاحب نے نقل کی ہیں بالکل صحیح ہیں لیکن ان کا مورد امیر المؤمنین یزید یا امیر المؤمنین مسلم بن عقبہ اور دیگر صحابی قائدین فوج کو قرار دے کر انہوں نے اپنے علم اور سمجھ کی قلعی کھول دی۔ حدیث کے الفاظ ہیں: من اخاف اهل المدينة ظلما (جس نے اہل مدینہ کو ظلماً خوفزدہ کیا) یہاں وہ بات کب ہوئی۔ ظلم تو انہوں نے کیا تھا جنہوں نے متفق علیہ امام وخلیفہ کے خلاف بغاوت وخروج کیا۔ جماعت کے موقف سے رُوگردانی کی اور حرم نبوی کو اپنے غلط اقدام سے شہر کی اکثریت کی رائے کے خلاف مورچہ بنایا اور یوں اس حرمت کو پارہ پارہ کر دیا۔ جو رسول اللہ ﷺ نے قائم کی تھی۔ اسی لئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس بغاوت کو خدا اور رسول سے ایسی بڑی غداری قرار دیا تھا کہ اس سے بڑی غداری ان کی نگاہ میں کچھ اور نہ تھی۔ (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۸۸)

الجواب

(۱) حدیث شریف میں ان لوگوں کو وعید (عذاب کی خبر سنائی گئی ہے جو اہل مدینہ کو خوف زدہ کریں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اہل مدینہ حضرت عبداللہ بن خنظلہ حضرت عبداللہ بن مطیع، حضرت معقل بن سنان، وغیرہ صحابہ کرام اور تابعین تھے یا یزید، مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر وغیرہ تھے؟ اگر اہل مدینہ حضرت عبداللہ بن خنظلہ وغیرہ صحابہ وتابعین تھے اور یقیناً یہی حضرات تھے تو حدیث کی مذکورہ وعید کا مصداق بھی یزید، مسلم بن عقبہ وغیرہ ہوں گے۔ جنہوں نے اہل مدینہ پر فوج کشی کی۔ تین دن قتل عام کیا۔ اور سینکڑوں صحابہ وتابعین کو شہید کر دیا۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ہاں اگر عباسی گروہ کے نزدیک یزید، مسلم بن عقبہ وغیرہ اہل مدینہ میں سے ہیں۔ اور مذکورہ صحابہ وتابعین باہر سے آکر ان پر حملہ آور ہوئے ہیں تو پھر عباسی ریسرچ قابل داد ہوگی۔

(۲) یزید کو متفق علیہ خلیفہ قرار دینا ہی غلط ہے کیونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر نے اس کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور یہ دونوں صحابی اہل حل وعقد میں سے تھے۔

(۳) اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین کوئی نزاع اور جنگ ہو تو اس کو اجتہاد پر مبنی قرار دیا جائے گا۔ لیکن یہاں فریقین تو صحابہ نہ تھے۔ صحابہ صرف اہل مدینہ میں سے تھے جنہوں نے یزیدی لشکر سے جنگ حرہ لڑی۔ کسی صحابی نے یزیدی فوج کی حمایت میں اصحاب مدینہ سے جنگ نہیں کی۔ عباسی صاحب کا یہ روایتی جھوٹ ہے جس میں انہوں نے مسلم بن عقبہ، حصین بن نمیر وغیرہ یزیدی کمانڈروں کو صحابی قرار دیا ہے اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ جو صحابہ کرام تھے ان کا عباسی صاحب نے صحابی ہونا ظاہر نہیں کیا۔ اگر وہ ان حضرات کا صحابی ہونا بیان کر دیتے اور مسلم بن عقبہ وغیرہ ظالمین کا غیر صحابی ہونا واضح کر دیتے تو پھر ہر شخص جنگ حرہ کے بارے میں یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ جنگ صحابہ کرام کی باہمی جنگ نہ تھی بلکہ مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور یزیدی لشکر کی تھی جس میں کوئی صحابی قتال کرنے والا نہ تھا۔ اور صحابہ کرام چونکہ ظالم نہیں ہو سکتے۔ ان سب سے حسب قرآن و حدیث درجہ بدرجہ اللہ راضی ہو گیا ہے اس لئے احادیث من اخاف اصل المدینۃ کا مصداق یزید اور اس کا لشکر ہے نہ کہ مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔ عباسی صاحب کا اصحاب مدینہ کو ظالم قرار دینا ان کی خارجیت کا نشان ہے۔ مذہب اہل السنت والجماعت میں اس ناپاک تصور کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور مدینہ کے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہمی اختلاف اجتہادی تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک یزید کی بیعت کا توڑنا جائز نہ تھا اور حضرت ابن حنظلہ وغیرہ صحابہ کے نزدیک یزید کی بیعت کا فسخ کرنا ان حالات میں ضروری تھا۔ صحابہ کرام کے مابین یہ ایک علمی اور نظریاتی اختلاف تھا۔ لیکن جو صحابہ بیعت توڑنے کو جائز نہیں قرار دیتے تھے وہ یزید کو صالح نہیں سمجھتے تھے۔ اگر حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر یزید کو صالح مانتے تو وہ اس کا کھلم کھلا ان صحابہ کے مقابلے میں اظہار کرتے جنہوں نے یزید کو فاسق قرار دے کر اس کی بیعت توڑنے کا اعلان کیا تھا اور حضرت ابن عباس نے بھی۔ اور حضرت ابن عمر نے بھی۔ جیسا کہ باحوالہ پہلے ثابت کیا گیا ہے۔ قتال فی الحرم کو

ناجائز قرار دیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر فاروق نے تو کھل کر حجاج پر نکیر کی ہے اور اس پر تُو جھوٹا ہے۔تو جھوٹا ہے۔تو جھوٹا ہے"۔کہا ہے۔عباسی صاحب تو اس جہان سے جا چکے ہیں۔ان کے پیروکاروں سے ہم پوچھتے ہیں کہ ایک راستہ اختیار کرلو۔یا تو حسبِ ارشاداتِ نبوی یزید، حجاج اور ان کے لشکروں کو ظالم قرار دے دو۔اور یا ان صحابہ کرام کو۔ لیکن کوئی مسلمان صحابہ کرام کو تو ظالمین میں شمار نہیں کرسکتا۔لامحالہ احادیث نبویہ کا مصداق یزید، مسلم بن عقبہ اور حجاج وغیرہ ہی ہوں گے اور یہی موقف جمہور اہل السنّت والجماعت کا ہے۔

روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری میں ہے:۔

قال ابو هريرة سمعت الصادق والمصدوق صلى الله عليه وسلم هلكة امتى على ايدى اغيلمة من قريش.

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق [1] ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

وقد يطلق اصبى والغُليم بالتصغير على ضعيفِ العقل والتدبير والدين ولو كان محتلماً وهو المراد ههنا فان الخلفاء من بنى امية لم يكن فيهم من استخلف وهو دون البلوغ (فتح البارى كتاب الفتن جلد ۱۳ ص ۷)

"اور کبھی صبی اور غلیم (تصغیر کے ساتھ) اس شخص کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو عقل تدبیر اور دین میں ضعیف (کمزور) ہو اگرچہ عمر میں وہ بالغ ہی ہو اور یہاں یہی مراد ہے کیونکہ بنی امیہ میں کوئی ایسا نہ تھا جسے نابالغ ہونے کی

---

[1] صادق بمعنی سچے اور مصدوق معنی جن کو سچا مانا گیا ہو یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حالت میں خلیفہ بنایا گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کا مصداق بنی امیہ کے کم عقل اور نااہل حکمران ہیں"۔

(۲) **وفی روایۃ ابن ابی شیبۃ ان ابا ہریرۃؓ کان یمشی فی السوق ویقول اللّٰھم لا تدرکنی سنۃ سِتین ولا امارۃ الصبیان وفی ھذا اشارۃ الی ان اول الا غیلمۃ کان فی سنۃ ستین وھو کذلک فان یزید بن معاویۃ استخلف فیھا وبقی الی سنۃ اربع وسِتین فمات ثم ولی ولدہ معاویۃ ومات بعد اشھر** (فتح الباری ج ۱۳ ص ۸)

"اور ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازار میں چلتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے کہ اے اللہ ۶۰ھ کا زمانہ مجھ کو نہ پائے اور نہ نوخیز لونڈوں کی حکمرانی مجھ کو پائے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ (حدیث سابق کے تحت) ان نوخیز حکمرانوں میں پہلا ۶۰ھ میں ہوگا اور اسی طرح ہوا کیونکہ یزید بن معاویہ اس میں خلیفہ بنایا گیا اور ۶۴ھ تک رہا پھر مر گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا معاویہ والی (خلیفہ) بنا اور چند ماہ بعد اس کی بھی وفات ہو گئی"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور دوسرے شارحین حدیث کے نزدیک مذکورہ دونوں روایتوں کا مصداق بنی امیہ کے حکمران ہیں جن میں کا پہلا یزید ہے۔ اگر عباسی پارٹی یزید وغیرہ کو اس کے مصداق تسلیم نہیں کرتی تو پھر بتائیں کہ اس کا مصداق کون نوخیز حکمران ہیں۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام کو تو ان احادیث کا مصداق نہیں قرار دے سکتے۔ کیونکہ صحابہ کرام کو درجہ بدرجہ حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہے اور ان کو ہلاک امت کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

صحابہ کرام کے متبع سُنّی مسلمان ہیں نہ کہ یزیدی

عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ علاوہ ازیں ہمیں تو ان اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف دیکھنا چاہیے جن سے ہمیں دین پہنچا ہے ان کے موقف کے خلاف بعد کا کوئی شخص اپنا کوئی

خیال ظاہر کرے تو اس کی کچھ قیمت نہیں (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۳۹۱)

الجواب

(۱) بیشک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کے خلاف بعد کے کسی شخص کے خیال کی کوئی قیمت نہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یزید اور حجاج کے بارے میں صحابہ کرام کا موقف کیا تھا اور ان کے موقف کے متبع مسلمانان اہل السنّت والجماعت ہیں یا دورِ حاضر کے حامیان یزید۔ اور یزید کے اہم واقعات کا تجزیہ حسب ذیل ہے۔

سانحہء کربلا

(۱) دور یزید کا پہلا سانحہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اعزہ کی شہادت ہے جس کا وقوع ۱۰ محرم ۶۱ھ کو ہوا باوجود اس کے کہ حضرت حسین نے یزیدی گورنر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے تین شرطیں پیش کر دی تھیں۔ لیکن اس نے آپ کی کوئی شرط قبول نہ کی اور آخر کار یزیدی لشکر کے ذریعہ آپ کو اور آپ کے رفقائے کرام کو شہید کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰه وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

یہ جنگ صحابہ کرام کے مابین نہ تھی۔ بلکہ ایک طرف جنت کے جوانوں کے سردار حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے متبعین تھے اور دوسری طرف کوفی اور یزیدی لشکر۔ اور کوئی ایک صحابی بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں شریک جنگ نہیں ہوا۔ تمام اہل السنّت والجماعت اس جنگ کربلا میں حضرت امام حسین کو برحق اور شہید مانتے ہیں اور ابنِ زیاد اور یزید کو باطل پر لیکن عباسی صاحب اور ان کے متبعین اس کے برعکس یزید اور ابن زیاد کو اسلام کا ہیرو قرار دیتے ہیں اور حضرت حسین کے خلوص نیت کو بھی مجروح کرتے ہیں اور یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کوفہ کا گورنر ابن زیاد تھا۔ اور کوفیوں نے ہی حضرت امام حسین کو شہید کیا۔ تو جو لوگ یزید کی حمایت اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اس بارے میں کسی درجہ میں بھی مذمت کرتے ہیں وہ کوفیوں کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔ تو فرمایئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کا متبع کون ہے سُنی یا یزیدی؟

جنگ حرہ

کربلا کے بعد جنگ حرہ ۶۳ھ میں واقع ہوئی ہے۔ جس میں ایک طرف حضرت عبداللہ بن حنظلہ، حضرت عبداللہ بن مطیع، حضرت معقل بن سنان، محمد بن حزم انصاری اور بشیر بن ابی زید (طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۴۹) وغیرہ صحابہ کرام تھے۔ اور دوسری طرف مسلم بن عقبہ کی قیادت میں یزیدی لشکر جس میں ایک بھی صحابی نہیں تھا جس نے اہل مدینہ کے مقابلہ میں جنگ کی ہو۔ اور حضرت انس صحابی اور حضرت زید بن ارقم صحابی بھی حرہ کے شہداء کے لئے رنجیدہ ہوئے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ تو فرمائیے کہ صحابہ کرام کا متبع کون ہے۔ سُنّی یا یزیدی؟

محاصرہ مکہ

حرہ کے بعد یزیدی لشکر کے ایک کمانڈر حصین بن نمیر نے مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کر کے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ صحابی کا محاصرہ کیا۔ پھر یزید کی موت کی اطلاع کے بعد یزیدی لشکر واپس چلا آیا۔ بلکہ حصین بن نمیر نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کی بیعت خلافت پر آمادگی ظاہر کی۔ حضرت نعمان بن بشیر صحابی اور حضرت ضحاک بن قیس صحابی نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کی بیعت خلافت کی تحریک کی۔ بلکہ جناب مروان بھی حضرت ابن الزبیر کی بیعت کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ پھر ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں حجاج ظالم نے مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کی اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کو حرم مکہ میں شہید کر دیا۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ کسی صحابی نے حضرت ابن الزبیر پر فوج کشی نہیں کی نہ ہی کسی صحابی نے آپ کو قتل کیا ہے۔ اس قتل وقتال کے مرتکب یزیدی اور حجاجی لشکر تھے لیکن باوجود اس کے عباسی صاحب اور ان کے پیروکار یزید اور حجاج کی حمایت اور حضرت عبداللہ بن الزبیر صحابی اور آپ کے پیروکاروں کی مخالفت اور مذمت کرتے ہیں حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کے فضائل بیان فرمائے اور وہ حضرت ابن الزبیر کے کیوں نہ خیر خواہ ہوتے جبکہ ان کو حضور

رحمت للعالمین ﷺ کی آغوش رحمت اور دعائے برکت نصیب ہوئی تھی اور برعکس اس کے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حرم میں قتال کرنے پر نکیر فرمائی۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر نے حجاج کو کذاب قرار دیا۔ لیکن باوجود اس کے عباسی اور ان کی پارٹی یزید و حجاج کے حامی ہیں اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کو مطعون کرتے ہیں۔ تو فرمایئے صحابہ کرام کے متبع کون ہیں سُنّی یا یزیدی؟

(۲) یزید، مسلم بن عقبہ اور حجاج نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو ملحد اور فاسق قرار دیا۔ لیکن اس کے باوجود عباسی صاحب نے یزید، مسلم بن عقبہ اور حجاج کی تائید کی اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو طعن و تنقید کا نشانہ بنایا حالانکہ کوئی صحابی رسول ﷺ بھی فاسق نہیں ہے۔ تو فرمایئے صحابہ کرام کے محب اور پیروکار سنی ہیں یا یزیدی۔

(۳) حضرت ابوشریح صحابی رضی اللہ عنہ نے یزیدی گورنر عمرو بن سعید کو حرم شریف میں قتال سے روکنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پیش کیا۔ لیکن بجائے قبول کرنے کے عمرو بن سعید نے گستاخانہ جواب دیا کہ ''میں تم سے زیادہ جانتا ہوں'' عباسی صاحب بجائے اس کے کہ ایک جلیل القدر صحابی کے موقف کی تائید کرتے انکے مقابلہ میں عمرو بن سعید کی حمایت کی۔ تو فرمایئے صحابہ کرام کا متبع کون ہے سُنّی یا یزیدی؟

(۴) عباسی صاحب نے چار یزیدی کمانڈروں کو صحابی قرار دیا حالانکہ وہ صحابی نہیں ہیں اور مدینہ منورہ کے جو صحابہ یزیدی لشکر کے مقابلہ میں تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن حنظلہ، حضرت عبداللہ بن مطیع، حضرت معقل بن یسار وغیرہ ان کا صحابی ہونا ظاہر نہیں کیا بلکہ ان کو باغی اور فسادی قرار دیا۔ تو فرمایئے۔ اصحاب رسول ﷺ کا متبع کون ہیں۔ سنی یا یزیدی۔

تماشا خود نہ بن جانا تماشا دیکھنے والو

وما علینا الا البلاغ

حامیان یزید کو چیلنج

ہم پاک و ہند کے تمام حامیان یزید کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کربلا، حرہ اور محاصرہ مکہ کے واقعات ہائلہ کے بعد کسی ایک صحابی سے بھی ثابت کر دیں کہ انہوں نے یزید کو صالح اور عادل قرار دیا ہے۔ ھاتوا بُرھَانکم اِن کُنتمُ صَادقین

حافظ ابن کثیر کا فیصلہ

حافظ ابن کثیر محدث یزید کی تکفیر نہیں کرتے اور اس پر لعن کرنے کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں:۔

وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویة کلھا موضوعة لا یصح شیئی منھا. (البدایہ والنہایہ جلد۸ ص ۲۳۱)

''اور ابن عساکر نے مذمت یزید میں کئی احادیث نقل کی ہیں جو سب موضوع ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہے''۔

لیکن اس کے باوجود یزید کے بارے تصریح فرماتے ہیں:۔

بل قد کان فاسقاً (البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۲۳۲)

''بلکہ یزید یقیناً فاسق تھا''۔

(۲) یزیدی کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

وقد اخطاءَ یزید خطاءً فاحشاً فی قولہ لمسلم بن عقبة ان یبیح المدینة ثلثة ایام وھٰذا خطاءٌ کبیرٌ فاحشٍ مع ما انضمَّ الی ذلک من قتل خلق من الصحابة واَبناء ھم وقد تقدم انہ قتل الحسین واصحابہ علی یدی عبید اللّٰہ بن زیاد. وقد وقع فی ھذہ الثلثة ایام من المفاسد العظیمة فی المدینة النبویة مالا یحد ولا یوصف مما لا یعلمہ الا اللّٰہ عزوجل

وقد اراد بارسال مسلم بن عقبة توطيد سلطانه وملكه ودوام ايامه من غير منازع فعاقبه الله بنقيض قصده وحال بينه وبين وا يشتهيه . فقصمه الله قاصم الجبابرة واخذه اخذ عزيز مقتدر وكذلك اخذ ربك اذا اخذ القُرى وهى ظالة ان اخذه اليمٌ شديداً (البدايه والنهايه جلد۸ ص ۲۲۳)

''اور بے شک یزید نے بہت سخت غلطی کی جو اس نے مسلم بن عقبہ سے کہا کہ مدینہ کو تین دن (قتل وقتال) کے لئے حلال کر دے اور یہ اس کی بڑی شدید غلطی تھی۔ جس کے ساتھ اس زیادتی کا اضافہ ہو گیا کہ ایک بڑی تعداد صحابہ اور ان کے بیٹوں کی قتل ہو گئی اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء قتل ہوئے مدینہ شریف کے ان تین دنوں میں (جو قتل عام ہوا) بڑے بڑے مفاسد رونما ہوئے جن کا بیان نہیں ہو سکتا اور نہ ان کی کیفیت بتائی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ان حالات کو جانتا ہے۔ یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو مدینہ پر فوج کشی کے لئے اس لئے بھیجا تھا کہ اس کی سلطنت اور بادشاہی مضبوط ہو۔ اور اس کی حکومت دیر پا رہے جس میں کوئی منازعت (جھگڑا) کرنے والا نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے ارادوں کے برعکس سزا دی اور اس کی خواہشات کو پورا نہ ہونے دیا۔ پھر اللہ نے اس کی شوکت کو پہلے جابر اور سرکش بادشاہوں کی طرح کچلا اور تباہ کیا اور اس کو اپنی غالب قوت سے پکڑا۔ اور ظالم بستی والوں کے لئے آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی سخت ہوتی ہے بے شک اس کی پکڑ بہت دردناک اور بہت سخت ہے''۔

(۳) حافظ ابن کثیر، مسلم بن عقبہ کی موت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

ثم اتبعه الله بيزيد بن معاوية فمات بعده فى ربيع الاول لا ربع عشرة ليلة خلت منه . فما متعها الله بشىءٍ مما رجوه

واملوہ بل قھرھم القاھر فوق عبادہ وسلبھم الملک ونزعہ منھم من ینزع الملک ممن یشاء.

(البدایہ والنھایہ جلد ۸ ص ۲۲۵)

"پھر مسلم بن عقبہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یزید بن معاویہ کی باری آ گئی اور وہ اس کے بعد ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو وفات پا گیا۔ اور یہ دونوں (یزید و ابن عقبہ) جس چیز کی امید اور توقع رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس میں سے کسی چیز کا ان کو نفع نہ پہنچایا۔ بلکہ ان پر اس اللہ کا قہر نازل ہوا۔ جو اپنے بندوں پر قاہر اور غالب ہے۔ اور اسی نے ان کی سلطنت چھین لی جو جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے"۔

یہ ہے حافظ ابن کثیر محدث و مفسر کا یزید اور مسلم بن عقبہ کے متعلق واضح فیصلہ جس میں انہوں نے یزید کو فاسق قرار دیا ہے۔ ان کے لئے بددعائیں کی ہیں۔ ان کو عذاب خداوندی کا مستحق قرار دیا ہے۔ ان سے خداوند عالم نے ملک و سلطنت کو ہمیشہ کے لئے چھین لیا۔ حتیٰ کہ یزید کی نسل بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں یزید کی اولاد میں سے ہوں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا، امیر شریعت

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۸ جون ۱۹۳۹ء کو لالہ موسیٰ میں ایک تقریر کی تھی جس پر آپ کے خلاف گورنمنٹ برطانیہ کی بغاوت کا جھوٹا مقدمہ قائم کیا گیا تھا۔ اس میں سرکاری رپورٹر لدھا رام اپنی شہادت سے منحرف ہو گیا تھا۔ جس سے جھوٹی رپورٹ لکھوائی گئی تھی۔ اس لئے ہائی کورٹ نے آپ کو بتاریخ ۵ اپریل ۱۹۴۰ء بری کر دیا۔ لاہور ہائیکورٹ میں چیف جسٹس کے ایک سوال پر آپ نے یہ جواب دیا تھا کہ:۔ آپ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو یزید اور انگریزوں کو حسین کہا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا۔ نہ

ہی میں برداشت کرسکتا ہوں کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید کہے۔

(مقدمات امیر شریعت ص ۲۵۷ مرتبہ ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المنعم صاحب بخاری)

(۲) امیر شریعت اپنی ایک فارسی نظم میں لکھتے ہیں۔

ہر کہ بد گفت خواجہ مارا
ہست او بے گمان یزید پلید

(شاہ جی کے علمی وتقریری جواہر پارے ص ۱۴۸ در مدح خواجہ غلام فرید)

فاسق اور پلید کے الفاظ

یزید کا فاسق ہونا اہل السنت والجماعت کے مسلک میں متفق علیہ ہے۔ اکابر اسلام نے مثلاً حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اور فخر المتکلمین حضرت مولانا حیدر علی صاحب فیض آبادی مصنف منتہی الکلام وازالتہ الغین وغیرہ) نے یزید کو بعض جگہ فاسق اور بعض جگہ پلید لکھا ہے۔ لفظ پلید پر حامیان یزید زیادہ برافروختہ ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ فاسق اور پلید کا ایک ہی مطلب ہے۔ چنانچہ فسق اور فسوق کا لغوی معنی یہ ہے:۔ نافرمانی، بدکاری کی زندگی، اللہ کی نافرمانی سرکشی اور بدی، نیک بختی کے راستہ سے دوری اور فاسق کا معنی بدکار نافرمان، گنہگار، پاپی، سرکش، زناکار (المعجم الاعظم جلد ۴)

(۲) قاموس القرآن میں ہے:۔ فاسق، بدکار، نافرمان، خدا کے حکم کی بے حرمتی کرنے والا، بحوالہ مفردات الراغب اس میں لکھا ہے کہ:۔ اکثر عرف شریعت میں فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو اسلام کو بطور عقیدہ کے تسلیم کرلے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے پہلو تہی کرے۔

(۳) نیز مفردات (مؤلفہ امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ) میں فسق بمعنی خبث۔ (پلیدی) بھی لکھا ہے اور قرآن مجید میں کافروں کو بھی فاسقون کہا گیا ہے۔ فسق کے درجات ہیں۔ اور عموماً فسق بمعنی نافرمانی اور گناہ استعمال ہوتا ہے۔ یزید پر حضرت عبداللہ

بن حنظلہ وغیرہ اصحاب مدینہ نے شراب پینے اور نماز ترک کرنے کا کھلم کھلا الزام لگایا تھا۔
چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

ولما خرج اهل المدينة عن طاعته وخلعوه وولّوا عليهم ابن مطيع وابن حنظلة. لم يذكروا عنه. وهم اشد الناس عداوةً له. الا ما ذكروه عنه من شرب الخمر واتيانه بعض القاذورات. لم يتهموه بزندقة كما يقذفه بذلك بعض الروافض. بل قد كان فاسقاً. (البدايه والنهايه ج۸ ص ۲۳۲)

(۱) جب اہل مدینہ یزید کی اطاعت سے نکل گئے اور انہوں نے اس کی بیعت توڑ ڈالی تو انہوں نے باوجود اس کے کہ وہ یزید کے سب لوگوں میں سے زیادہ سخت دشمن تھے۔ اس کے صرف یہی عیوب بیان کیے کہ وہ شراب پیتا ہے اور بعض پلید افعال کا ارتکاب کرتا ہے اور اس پر زندیق ہونے کی تہمت نہیں لگائی جیسا کہ بعض روافض اس پر زندیق ہونے کی تہمت لگاتے ہیں) زندیق وہ ہے جو اعتقاداً بے دین اور ملحد ہو۔ چنانچہ بیان اللسان میں لکھتے ہیں:۔ زندیق، مشرک، خدا اور آخرت کا منکر، صحابہ نے اس کو زندیق تو نہیں کہا۔ لیکن شرابی اور بعض گندے افعال کا مرتکب قرار دیا۔ چنانچہ بیان اللسان میں ہے کہ:۔ قذر، قذارۃ، ناپاک ہونا، نجس ہونا، پلید ہونا) تو جب اصحابہ مدینہ نے یزید کو پلید کہہ دیا تو اگر حضرت نانوتوی وغیرہ اکابرامت یزید کو پلید کہہ دیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ افسوس ہے کہ جو لوگ اکابر دیوبند کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے وہ دیوبندی کہلوا کر بھی ان حضرات پر جرح کرتے ہیں"۔

مولانا سندیلوی وغیرہ حامیان یزید سے چند سوالات

سوال نمبر۱: کتاب کے شروع میں مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی (مؤلف اظہار حقیقت و جواب شافی) اور مولانا غلام یحیٰی صاحب ہزاروی مرحوم سابق صدر المدرسین جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے مابین فسق یزید کے سلسلے میں خط و کتابت کا ذکر کیا گیا ہے

اس میں مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم نے یہ بھی لکھا تھا کہ یزید نے مدینہ منورہ پر فوج کشی کی اور تین دن اس کے حکم سے قتل عام ہوا پھر مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا اور منجنیقوں سے خانہ کعبہ پر بھی سنگ باری کی گئی۔ تو اسکے جواب میں مولانا سندیلوی لکھتے ہیں کہ:

نفس بغاوت فرو کرنے کے لئے فوج بھیجنا کوئی جرم نہیں بلکہ بحیثیت سلطان یزید کا فریضہ اور حفاظت ملت کے لئے لازم تھا۔ بیت اللہ کے ساتھ بے ادبی کا الزام بھی غلط ہے۔ (مکتوب ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ)

لیکن اس کے برعکس مولانا سندیلوی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔ واقعات پر نظر کرنے سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ (صفین) میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے کیونکہ انہوں نے تا بہ امکان جنگ کو ٹالنے کی کوشش کی اور فوج کشی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمائی پھر یہ کہ صلح کی پیش کش بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہی طرف سے ہوئی (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۵)۔

(ب) زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ جب حضرت علی نے لشکر کشی کی تو انہوں نے بھی مقابلہ کیا (ایضاً حاشیہ ص ۱۸۸) اس بحث کے لئے ناظرین خارجی فتنہ حصہ اول از ص ۵۵۹ تا ص ۵۶۳ مطالعہ کریں) یہاں ہمارا سوال صرف یہ ہے کہ اگر یزید کے لئے بحیثیت سلطان بغاوت کو فرو کرنے کے لئے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ (حرمین شریفین) پر فوج کشی نہ صرف جائز بلکہ فرض تھی۔ تو کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے جو آپ کے نزدیک بھی حسب آیت استخلاف و آیت تمکین قرآن کے چوتھے خلیفہ راشد ہیں (ملاحظہ ہو جواب شافی ص ۱۰) اپنی خلافت راشدہ کے تحفظ کے لئے مخالفین کا دفاع لازم نہ تھا؟ اس کے باوجود بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جنگ میں ابتداء نہیں کی جیسا کہ قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں:۔ جب تک جنگ شروع نہیں ہوئی آپ (یعنی حضرت علی) ان کی طرف نہ بڑھے۔ نہ جنگ میں ابتداء کی (العواصم من القواصم مترجم ص ۳۱۶)۔

اگر حضرت علی المرتضیٰ دفاعی جنگ اختیار کریں تو مولانا سندیلوی ان پر مواخذہ کریں۔ لیکن جب یزید حرمین شریفین پر لشکر کشی کر کے وہاں خونریزی کرے تو اس کا یہ

اقدام قابل تحسین اور فرض قرار دیا جائے یزید نہ صحابی ہے نہ مجتہد اور اہل مدینہ میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ صحابہ کرام میں سے ہیں اس کے باوجود بہ نسبت حضرت علی المرتضیٰ کے یزید کی عقیدت واطاعت میں اتنا فنا ہو جانا کہ حرمین شریفین کی تقدیس بھی ملحوظ نہ رہے اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کے قتل کا بھی کوئی احساس نہ ہو۔ کیا اسلام میں اس قسم کی بے اصول یزیدیت کی بھی کوئی گنجائش پائی جاتی ہے؟

سوال نمبر۲

حکمین کے فیصلہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ کر دیا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ نے باوجود جنتی خلیفہ راشد ہونے کے (کیونکہ آپ اصحاب بیعت رضوان والوں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) حالات کی نزاکت کے تحت برداشت کرلیا اور حضرت علی المرتضیٰ کی شہادت تک بہ یک وقت امت مسلمہ میں دو خلیفہ موجود رہے ایک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کو تو مولانا سندیلوی جائز قرار دیتے ہیں اور اس بارے میں وہ حضرت امیر معاویہ کی خطائے اجتہادی بھی تسلیم نہیں کرتے لیکن اس کے برعکس یزید کے مقابلے میں یہ صورت حال وہ قبول نہیں کر سکتے کہ مدینہ منورہ کے صحابہ وتابعین یزید کی بیعت توڑ کر حضرت عبداللہ بن الزبیر کے حامی ہو جائیں جو ایک جلیل القدر جنتی صحابی تھے اور یزید نہ اہل مدینہ سے تعرض کرے نہ اہل مکہ سے، تو یزید کی اس درجہ کی حمایت کی تہ میں وہ کونسا راز مضمر ہے کہ یزید کے ہر اقدام کو تسلیم کرنا لازم ہے اور صحابہ وتابعین کا ہر اقدام ناجائز اور بغاوت ہے۔

سوال نمبر۳

یزید کی موت کے بعد جب حضرت عبداللہ بن الزبیر نے خلافت کا اعلان کر دیا اور دور یزید کے عاملین حضرت نعمان بن بشیر صحابی رضی اللہ عنہ اور حضرت ضحاک بن قیس صحابی وغیرہ نے حضرت ابن الزبیر کی خلافت تسلیم کرلی اور آپ ۹ سال تک خلیفہ رہے تو اس کے باوجود عبدالملک بن مروان کے دور سلطنت میں حجاج بن یوسف کی مکہ مکرمہ پر فوج کشی،

حرم شریف پر منجنیقوں سے سنگباری اور حرم مکہ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر کو شہید کرنا پھر ان کے جسم مبارک کو سولی پر لٹکائے رکھنا۔ ان واقعات میں حامیان یزید عبدالملک اور حجاج کے ظالمانہ اور قاتلانہ اقدامات کی کیوں حمایت کرتے ہیں اور اس صورتحال کو کیوں قبول نہیں کرتے کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر بوجہ جلیل القدر صحابی ہونے کے اپنی قلمرو میں خلیفہ قرار دیئے جاتے اور عبدالملک اپنی قلمرو میں امور سلطنت سرانجام دیتا رہتا۔ جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما اپنی اپنی قلمرو میں امور خلافت سرانجام دیتے رہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن الزبیر کے مقابلہ میں عبدالملک اور حجاج ظالم کی حیثیت ہی کیا ہے کہ ان کو برحق ماننے پر اصرار کیا جائے اور حضرت ابن الزبیر کو مطعون کیا جائے اور آخر حضرت ابن الزبیر وغیرہ صحابہ کی مخالفت کس خاص مشن پر مبنی ہے؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

سوال نمبر ۴

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین قرار دیئے گئے۔ آپ قریباً چھ ماہ بعد رفع نزاع اور امتِ مسلمہ کی اجتماعیت کی خاطر اپنی خلافت حقہ سے دستبردار ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی (اپنے بھائی حضرت حسین سمیت) خلافت کی بیعت کر لی (جیسا کہ شیعہ مذہب کی کتاب جلاء العیون اور رجال کشی وغیرہ میں بھی مذکور ہے) حالانکہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ تو کیا ہی بہتر ہوتا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی پیروی میں جناب مروان اور عبدالملک بن مروان بھی اپنی خلافتوں سے دستبردار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت قبول کر کے ملت اسلامیہ کو ایک مرکز خلافت پر جمع کر دیتے لیکن انہوں نے اپنے ذاتی اقتدار کے نشے میں اس صورت کو تسلیم نہ کیا۔ تو ہمارا سوال یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو حامیان یزید وحدت ملیہ کی اس صورت کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن الزبیر

کے بارے میں اس صورت اجتماعیہ کو قبول نہیں کرتے اور جناب مروان اور عبدالملک ہی کی تائید کرتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ یہ لوگ بہر حال حضرت عبداللہ بن الزبیر کی مخالفت کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کے شرف صحابیت کو بالکل ملحوظ نہیں رکھتے۔

سوال نمبر ۵

کربلا، حرہ اور محاصرہ مکہ کے المناک اور عبرتناک واقعات کے بعد حامیان یزید میں سے کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی صحابی نے بھی یزید کو صالح اور عادل قرار دیا ہے۔ حالانکہ اصحاب مدینہ نے یزید کو شارب خمر اور فاسق قرار دیا تھا۔ اور گو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے یزید کی بیعت نہیں توڑی لیکن ان میں سے کسی نے بھی یزید کے دفاع میں دوسرے اصحاب مدینہ کے الزام کی تردید کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے الزامات غلط ہیں۔ یزید تو صالح اور عادل خلیفہ ہے۔

سوال نمبر ۶

دور حاضر کے یزیدی بخاری شریف کی حدیث:۔ اَوَّلُ جیشٍ مِنْ اُمَّتِی یغزون مدینۃ قیصر مغفورٌ لہم (جس کی مفصل بحث گزر چکی ہے) سے یزید کا صالح ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارا سوال ہے کہ کیا کسی صحابی نے بھی اس حدیث سے یزید کا عمر بھر کے لئے صالح ہونا کیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر غزوہ قسطنطنیہ کے بعد اس حدیث سے یزید کا عمر بھر کے لیے ثابت ہوتا تو حضرت عبداللہ بن الزبیر وغیرہ اصحاب جو غزوہ قسطنطنیہ میں شریک تھے۔ وہ اس کو کیوں فاسق قرار دیتے۔ اور حبرِ امت حضرت عبداللہ بن عباس، اور شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن فاروق رضی اللہ عنہ کیوں نہ اس حدیث سے یزید کے صالح ہونے پر استدلال کرتے اور اگر کسی صحابی نے بھی اس حدیث قسطنطنیہ سے یزید کا صالح ہونا ثابت نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ ان سب کے نزدیک مغفورٌ لھم کا مطلب یہ تھا کہ جہاد قسطنطنیہ کے شرکاء کی اس عمل کی وجہ سے سابقہ گناہوں سے مغفرت ہو گئی ہے۔ لیکن یہ

ضمانت آئندہ کے لئے نہیں ہے۔ بعد میں تو جیسا کوئی کرے گا ویسا بھرے گا۔

(ب) جب صحابہ کرام نے بھی اس حدیث سے یزید کا آئندہ کے لئے صالح ہونا نہیں سمجھا۔ تو پھر حامیان یزید کیوں خواہ مخواہ اس حدیث سے یزید کا صالح ہونا ثابت کرنے کیکوشش کرکے اہل السنّت والجماعت میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آلیس منکم رجل رشید

سوال نمبر ۷

اہل السنّت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ یزید فاسق تھا۔ کیا حامیان یزید ثابت کر سکتے ہیں کہ مسلک اہلِ السنّت والجماعت یہ ہے کہ یزید صالح و عادل تھا۔ ہرگز نہیں۔ تو ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر مسلک اہل السنّت یہی ہے کہ یزید فاسق تھا اور تمام اکابر دیوبند بھی اسی مسلک کے تابع ہیں تو پھر حامیان یزید ایک متفق علیہ مسلک اہل السنّت کی کیوں پابندی نہیں کرتے۔ کیا یہ اہل سنت کے متفق علیہ عقائد کا انکار ان کے مشن کے مخصوص مقاصد میں سے ہے۔ کیا ان کے اس طرز عمل سے شیعوں کے لئے مسلک اہل سنت کو مجروح کرنے کا راستہ نہیں کھل جائے گا۔

سوال نمبر ۸

حامیان یزید ثابت کریں کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں کسی امام فن نے یزید کی تعدیل کی ہو۔ یعنی اس کو عادل قرار دیا ہو؟ وہ ہرگز ایسا ثابت نہیں کرسکتے۔ بلکہ ائمہ فن رجال نے یزید کو مجروح اور مقدوح العدالت لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تہذیب التہذیب، لسان المیزان، میزان الاعتدال وغیرہ۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جب تم انہی اسماء الرجال کی کتابوں میں سے ائمہ فن کی تحقیق کے مطابق ابومخنف اور ہشام کلبی وغیرہ کو وضاع اور کذاب قرار دیتے ہو۔ تو یزید کے بارے میں ان ائمہ فن کی تحقیق کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ حُب یزید سے اس قدر مغلوب ہونے کی اصل وجہ کیا ہے؟

سوال نمبر ۹

اہل سنت کے چار مشہور مجتہدین امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی مجتہد سے ثابت کریں کہ انہوں نے یزید کو صالح و عادل قرار دیا ہو۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب کتاب الزہد کے متعلق بحث پہلے گزر چکی ہے۔

سوال نمبر ۱۰

حامیان یزید عموماً حجتہ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ پیش کرتے ہیں جس سے ناواقف اہل سنت کو یہ فریب دیا جاتا ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یزید کو صالح مانتے ہیں۔ حالانکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ لکھا ہے کہ چونکہ یزید مسلمان تھا۔ اس لئے اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ یہاں یزیدی گروہ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ وہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی کتاب سے یہ ثابت کر دیں کہ انہوں نے یزید کو صالح قرار دیا ہے۔ وہ ہرگز ایسا ثابت نہیں کر سکتے۔ تلک عشرۃٌ کاملۃ۔

کیا کوئی حامی یزید ہمارے ان دس سوالوں کا جواب دے سکتا ہے اور اگر تم جواب نہیں دے سکتے۔ اور انشاء اللہ تم کبھی بھی ان کا جواب نہیں دے سکو گے۔ تو اللہ سے ڈرو۔ اہلِ حق کی تحقیق کو خلوص قلب سے مان لو۔ اور اس مسئلہ کی وجہ سے سنی ملت میں تفرقہ مت ڈالو۔

بعض نئے محبان یزید

محمود احمد صاحب عباسی، مولانا محمد اسحٰق سندیلوی، مولوی عظیم الدین (کراچی)، مسٹر عزیز احمد صدیقی، حکیم فیض عالم صدیقی وغیرہ تو اپنی تصانیف کے ذریعہ یزیدیت کے حامی اور پیروکار مشہور ہو چکے ہیں۔ یہاں ہم بعض ان اہل علم و دانش کا تعارف کراتے ہیں جو یزیدی گروہ کے افراد میں سے ہیں لیکن عام طور پر لوگ ان کے نظریہ یزیدیت سے واقف نہیں ہیں۔

کو تسلیم کرلیں اور اس کی اطاعت واجب جانیں تو وہ خلیفہ راشد نہیں ہوگا تو پھر کیا ہوگا۔ بہر حال یزید کو خلیفہ راشد اگر کوئی تسلیم نہیں کرتا تو بھی اس کے فسق و فجور کی تحقیق ہم پر واجب نہیں۔ اور نہ ہم سے روز قیامت پوچھا جائے گا کہ وہ فاسق تھا یا عادل تھا۔ ہمیں تو اپنے اعمال و عقائد سے پوچھا جائے گا۔ یزید اور اس کے فسق یا اس کی عدالت ہمارے ایمان کی جزء نہیں ہے۔ ہمیں یہ چاہیے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں۔ ھذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی۔ ۱۵ شعبان ۱۴۰۱ھ)

فتویٰ (۲)

الجواب۔ واللہ الموفق للصواب۔ (۱) جو شیعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو برا کہتے ہیں۔ وہ اکثر فقہائے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک کافر ہیں۔ درمختار میں ہے:۔ او الکافر بِسَبِّ الشیخین او بسبّ احدھما۔ فلہٰذا ایسے شیعوں کی فاتحہ خوانی جائز نہیں ہے۔ جس نے یہ ارتکاب کیا ہے اس نے غلطی کی ہے اس کو چاہیے کہ توبہ کرے اور آئندہ ایسی حرکت سے اجتناب کرے۔

(۲) یزید کے متعلق مختلف اقوال ملتے ہیں اور احتیاط اسی میں ہے کہ سکوت کیا جائے کیونکہ گذشتہ لوگوں کے فسق اور تقویٰ سے ہمیں کوئی پرسش نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ آپ کو شوق ہو تو کتاب ''خلافت یزید د معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا مطالعہ کریں یا ''تحقیق مزید'' دیکھیں۔ ان میں کافی شرح و بسط ہے۔

ھذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

۱۹ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مولانا محمد حسین نیلوی

مولانا محمد حسین صاحب نیلوی مدرسہ ضیاء العلوم سرگودھا کے شیخ الحدیث والتفسیر ہیں

عقیدہ حیات النبی ﷺ کے منکرین میں سے ہیں۔ یزید کے فسق وفجور کے بارے میں ان سے جو کسی نے سوال کیا اور انہوں نے جو جواب دیا وہ حسب ذیل ہے۔ اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی بھی ہمارے پاس موجود ہے جس پر دارالافتاء ضیاء العلوم کی مہر بھی ثابت ہے۔

(سوال) امیر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا عقیدہ ہونا لازمی ہے؟

جو لوگ امیر یزید کو فاسق وفاجر کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں یا نہیں؟ پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ فاسق وفاجر بھی مغفرت یافتہ ہوسکتا ہے۔ اور یزید کے متقی ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ السائل احقر فیاض احمد غفرلہ۔

الجواب بعون الملك الوهاب۔ امیر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما صحابی بن صحابی کے صاحبزادے ہیں۔ صحابہ کے جم غفیر نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ صحیح سند کے ساتھ ان کا فسق ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ پاک نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيۡنَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذريتهم بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِم ذُرِّيَّتَهُمۡ وَمَا التنهُمۡ مِنۡ عَمَلِهِمۡ مِن شَیۡءٍ.

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے:۔

لا تمسّ النار مسلما رأنی اَو رأی مَنۡ رَانی .

(تتمہ مظاہر حق ص ۴۸۔۴)

یزید پر طعن کرنا در پردہ حضرت معاویہ صحابی رسول اللہ ﷺ پر طعن کرنا ہے بلکہ ان تمام صحابہ پر طعن کرنا ہے جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور شیعہ حضرات کا مقصد بھی یہی ہے، جو آج سنیوں کی زبان سے پورا پورا حل ہو رہا ہے۔ یہ کہنا کہ یزید کے متقی ہونے پر کوئی دلیل نہیں یہ غلط ہے۔ کیونکہ اس عہد میں اصل اِتقاء ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں اور فسق عارضی چیز ہے اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے جو مدعی فسق یزید ہے وہ دلائل صحیحہ سے فسق یزید ثابت کرے۔

المجیب محمد حسین غفرلہ مدرس مدرسہ ضیاء العلوم سرگودھا

تبصرہ

(۱) فسق یزید پر اس کتاب میں مفصل بحث گزر چکی ہے جس کی روشنی میں مذکورہ دونوں مفتی صاحبان کا فتویٰ ھباءً منثوراً ثابت ہوتا ہے۔ مفتی عبدالرشید صاحب موصوف نے تو سائل کو عباسی صاحب کی کتابوں "خلافت معاویہ ویزید" (جس کو مفتی صاحب نے غلطی سے خلافت یزید ومعاویہ لکھا ہے، اور تحقیق مزید کے مطالعہ کی ترغیب دلانے سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ مسئلہ یزید میں عباسی صاحب کے مقلد ہیں۔ اور تعجب ہے کہ مسئلہ تکفیر شیعہ میں تو وہ فقہائے احناف کی کتابوں درمختار وغیرہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن یزید کی باری آتی ہے تو وہ فقہائے احناف کو بالکل نظر انداز کر کے محمود احمد عباسی کے پیروکار بن جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ سنی حنفی ہیں تو ان پر لازم تھا کہ کسی حنفی فقیہ و مجتہد کا حوالہ پیش کرتے کہ انہوں نے یزید کو خلیفہ راشد لکھا ہے، کیا آئندہ بھی وہ کوئی ایسا حوالہ پیش کر سکتے ہیں کہ کسی حنفی فقیہ و مجتہد نے یزید کو خلیفہ راشد قرار دیا ہے۔

(۲) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو لکھا ہے کہ جو لوگ یزید کو خلیفہ راشد مانتے ہیں وہ جاہل، گمراہ اور بدعتی ہیں (سؤال عن یزید ص ۱۵)۔

(۳) مفتی عبدالرشید صاحب نے یہ تو لکھ دیا ہے کہ صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کی ہے لیکن یہ ظاہر نہیں کیا کہ جن اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید کی بیعت کی تھی ان میں سے اصحاب مدینہ کی اکثریت نے اس کی بیعت بعد میں توڑ بھی ڈالی تھی۔ اگر اصحاب مکہ و اصحاب مدینہ یزید کو خلیفہ راشد تسلیم کرتے تو اس کی بیعت توڑ کر کیوں مظالم یزید کا نشانہ بنتے۔ کیا مفتی صاحب نے اپنے پیشوا محمود احمد عباسی کی طرح یہاں علمی خیانت سے کام نہیں لیا۔

(۴) مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ قیامت میں یزید کے بارے میں پوچھا نہ جائے گا تو ہمارا سوال یہ ہے کہ پھر آپ نے کیوں یزید کو خلیفہ راشد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے پہلے ہی سائل کو یہ کیوں جواب نہیں دیا کہ تم خواہ مخواہ میرا اور اپنا وقت

ضائع نہ کرو۔

قیامت میں فسق یزید وغیرہ کے متعلق پوچھا ہی نہ جائے گا۔ افسوس ہے کہ سالہا سال مفتی صاحب موصوف دارالافتاء کی زینت بننے کے باوجود ''خلافت راشدہ'' کا مسئلہ بھی نہیں سمجھ سکے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

(۲) مولانا محمد حسین صاحب نیلوی کا جواب بھی ان کی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ مولانا موصوف کتابوں کا مطالعہ تو کرتے رہتے ہیں۔ لیکن فہم وذہانت کم رکھتے ہیں۔ ان کے مبلغ علم وفہم کی حقیقت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی کتاب ''تسکین الصدور'' سے معلوم ہوسکتی ہے جس میں انہوں نے مولانا نیلوی کے استدلالات کی قلعی کھول دی ہے۔ نیلوی صاحب یزید کو صالح قرار دینے کی یہ دلیل پیش کررہے ہیں کہ: صحابہ کے جم غفیر نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے تو بیعت کرنے والے صحابہ کی تعداد ستر ۷۰ لکھی ہے۔ کیا ستر اشخاص کو جم غفیر کہہ سکتے ہیں۔ یہاں نیلوی صاحب نے بھی مفتی عبدالرشید کی طرح سائل کو اندھیرے میں رکھا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ جن صحابہ نے یزید کی بیعت کی تھی ان میں کی اکثریت نے یزید کی بیعت منبر رسول ﷺ کے پاس کھڑے ہوکر علی الاعلان توڑ دی تھی۔ اور جنگ حرہ میں یزیدی لشکر کے ہاتھوں مدینہ منورہ کے کتنے صحابہ اور تابعین شہید ہوگئے تھے۔ تو کیا ان صحابہ کرام کے بارے میں بھی مولانا نیلوی یہی فتویٰ لگائیں گے کہ:۔ یزید پر طعن کرنا اور در پردہ صحابی رسول اللہ ﷺ پر طعن کرنا ہے بلکہ ان تمام صحابہ کرام پر طعن کرنا ہے جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور شیعہ حضرات کا مقصد بھی یہی ہے جو آج سُنیوں کی زبان سے پورا حل ہورہا ہے۔

تو گویا نیلوی صاحب کے نزدیک جن صحابہ نے یزیدی لشکر سے جنگ کی اور یزید کے شرابی اور فاسق ہونے کا اعلان کیا۔ انہوں نے بھی شیعوں کے مقصد کی تکمیل کی تھی؟ نیلوی صاحب ہوں یا مفتی عبدالرشید صاحب دونوں عباسی صاحب کی بولی بول رہے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

(۲) نیلوی صاحب نے جو آیت پیش کی ہے والذین آمنوا۔ اس میں سائل کا جواب تو نہیں ہے۔ یہ تو آخرت کا معاملہ ہے اور سائل یہ پوچھ رہا ہے کہ یزید اس دنیا میں فاسق تھا یا صالح اور آپ جواب دے رہے ہیں کہ آخرت میں ایسا ہوگا۔ یعنی صالحین کی اولاد کو بھی بشرط ایمان باوجود اعمال کی کمی کے جنت میں ان کے ساتھ رکھا جائے گا۔ مذکورہ آیت سورۃ الطّور کی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ اور جو لوگ یقین لائے اور ان کی راہ پر چلی اور ان کی اولاد ایمان سے پہنچا دیا، ہم نے ان تک ان کی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ہم نے ان سے ان کا کیا ذرا بھی۔ (حضرت شیخ الہند) اور حضرت مولانا تھانوی لکھتے ہیں:۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا۔ (یعنی وہ بھی ایمان لائے گو اعمال میں وہ اپنے آباء کے رتبہ کو نہیں پہنچے جیسا کہ عدم ذکر اعمال اس کا قرینہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کی ذریت و اولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے۔ اگر چہ وہ عمل کے اعتبار سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں تا کہ ان بزرگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں (تفسیر مظہری)۔ آیت و حدیث کا مطلب تو یہ ہے کہ مومن اولاد کو جنت میں ان کے آباء کے ساتھ ملا دیا جائے گا اگر چہ اولاد کے اعمال اس درجہ کے نہ ہوں جو بزرگوں کے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ فاسق اولاد کو بھی اپنے آباء صالحین کے ساتھ جنت میں رکھا جائے گا۔ فساق کو تو دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔ خواہ آخر میں شفاعت یا ایمان کی وجہ سے ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور مولانا نیلوی صاحب کے استدلال کے پیش نظر تو شیعہ سادات کی یہ باتِ بھی حامیان یزید کو تسلیم کر لینی چاہئے جو کہتے ہیں کہ ہم تو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی نسل سے ہیں ہم جو کچھ کرتے رہیں سید ھے جنت میں جائیں گے اور ان کے ساتھ رہیں گے۔ بلکہ بعض جاہل بے عمل سُنی بھی اپنے بزرگ صالحین کی وجہ سے جنتی ہونے کے مدعی بنتے رہتے ہیں۔ یزید کا فسق ہم

ثابت کر چکے ہیں اور اصحاب مدینہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو فاسق قرار دے کر اس کی بیعت توڑی ہے یزید کو اس آیت کا مصداق بنانا مولانا نیلوی کے عجائبات میں سے ہے۔

(۳) نیلوی صاحب نے جو مشکوٰۃ شریف سے یزید کے صالح ہونے پر استدلال کیا ہے یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ حدیث میں جو آیا ہے کہ:۔ اس مسلمان کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا۔ یا اُسے دیکھا جس نے مجھے دیکھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وہ مسلمان جس نے کسی صحابی کو دیکھ لیا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ بلکہ اس سے مراد وہ تابعی مسلمان ہیں جو صحابہ کے پیروکار ہیں چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:۔

والسابقون الاوّلونَ مِن المهاجرينَ والانصار والذين اتبعوهم باحسانٍ رَّضِيَ اللّٰه عنهم وَرَضُوا عنه.

(سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۰۰)

"اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو اُن کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا اُن سے اور وہ راضی ہوئے اُس سے" (حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی)۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اولین وانصار کو تو بالذات مستقل طور پر اپنی رضامندی کی سند عطا فرمائی ہے اور ان کے سوا دوسروں کے لئے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے وَالَّذِيْنَ اتبعوهم باحسانٍ کی شرط رکھی ہے۔ یعنی جو لوگ ان مہاجرین وانصار کی نیکی کے ساتھ پیروی کریں گے ان سے بھی اللہ راضی ہوگا۔ یہ ہے تابعین کی تعریف! اور یزید تو اس آیت یا حدیث کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے دور اقتدار میں تو کربلا، حرہ اور محاصرہ مکہ میں صحابہ کرام کو شہید کیا گیا ہے۔ اس نے بجائے حضرت ابن الزبیر کی اتباع کے ان کو نعوذ باللہ فاسق کہا ہے۔ اور ان کے قتل کی کوشش کی ہے۔ اصحاب مدینہ کو قتل کرایا اور اس کا شخصی کردار یہ تھا کہ وہ شرابی تھا، تارک نماز تھا، اپنے گھر میں گانے بجانے والی لونڈیاں رکھتا تھا وغیرہ تو کیا ان افعال کے ہوتے ہوئے اس کو حدیث کا مصداق قرار

دیا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر حضرت عثمان ذوالنورین کا قاتل اور بلوائیوں کا سرغنہ غافقی (جو مسجد نبوی میں ایک ہفتہ نماز پڑھاتا رہا ہے) اور حضرت علی المرتضیٰ کا قاتل ابنِ ملجم خارجی بھی اس حدیث کا مصداق ہوگا ان سب نے صحابہ کی زیارتیں بھی کی ہیں اور ابن ملجم تو حضرت علی المرتضیٰ سے بیعت بھی ہوا تھا۔ اس طرح تو نہ صرف یزید بلکہ دور صحابہ کے تمام مسلمان اس حدیث کا مصداق قرار پائیں گے۔ خواہ ان کے افعال کیسے ہی ہوں۔ افسوس کہ حُبِ یزید کے غلبہ سے بعض علماء بھی علم وفہم سے کام لینے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ ہے حُبك الشیء یعمی ویُصمّ۔ کہ کسی چیز کی محبت تجھ کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ واللہ الھادی

شاہ بلیغ الدین

شاہ بلیغ الدین صاحب (ایم این اے کراچی) زمرۂ علماء میں شامل نہیں ڈاڑھی بھی نہیں رکھتے اور فرنگی لباس بھی کبھی کبھی زیب تن کر لیتے ہیں۔ قارئین کی ضیافت طبع کے لئے قومی اسمبلی میں میں ان کے ایک مکالمہ کی روئیداد درج ذیل ہے:۔

شاہ بلیغ الدین گذشتہ تین روز سے کوٹ پتلون اور ٹائی پہن کر آ رہے ہیں۔ آج مسٹر حمزہ نے اس کا نوٹس لیا۔ اور بولے۔ ماشاء اللہ شاہ بلیغ الدین انگریزی لباس پہن کر آنے لگے ہیں۔

شاہ تراب الحق قادری:۔ ان کی بات نہیں مانی گئی۔ اس لئے......

شاہ بلیغ الدین:۔ اسلام میں لباس کی تخصیص نہیں کی گئی تاہم یہ کہا گیا ہے کہ مردوں کا لباس عورتیں نہ پہنیں اور عورتوں کا لباس مرد نہ پہنیں۔

سیّد نصرت علی شاہ:۔ حمزہ صاحب کا اسلام شاید شلوار میں بندھا ہوا ہے۔ ان کی اطلاع کے لئے پتلون انگریز کا لباس نہیں، پتلون ترکی سے یہاں آئی۔ بہرحال وہ (شاہ بلیغ الدین) جانگئے میں بھی اچھے لگیں گے۔ طرز بیان میں فرق نہیں آئے گا۔

شاہ بلیغ الدین:۔ یہ لباس عالمی طور پر استعمال کیا جا رہا ہے اسلام نے کوئی لباس

Prescribe نہیں کیا۔

شیخ رشید احمد: جناب سپیکر بڑی مشکل سے میں نے شاہ بلیغ الدین کو سوٹ پہننے پر تیار کیا ہے۔ شاہ تراب الحق انہیں ورغلا رہے ہیں۔

شاہ تراب الحق:۔ مولانا گوہر الرحمٰن فتویٰ دے دیں تو میں مان لوں گا۔

محمد عارف خان:۔ کہاں لکھا ہے کہ اسمبلی میں لباس پر بھی بحث ہونی چاہئے۔

علامہ مصطفیٰ الازہری:۔ میری تجویز ہے کہ یہ عورتوں کا لباس پہن کر آیا کریں۔ کیونکہ کسی لباس کی ممانعت نہیں۔

حاجی محمد یونس الٰہی:۔ تو اب محمد یامین کا لباس کیسا ہے۔

شیخ رشید احمد:۔ آگے سے پرویز اور پیچھے سے پروین۔

وزیر انصاف اقبال احمد خان:۔ میں تو ٹائی کو صلیب کا نشان سمجھتا تھا۔ آج شاہ بلیغ الدین نے وضاحت کر دی۔ اب میں کبھی کبھی سوٹ پہن لیا کروں گا۔ (نوائے وقت ۸ دسمبر ۱۹۸۵ء کارروائی قومی اسمبلی)

(۲) شاہ بلیغ الدین صاحب ایک خوش بیان مقرر تو ہیں لیکن المیہ یہ ہے کہ وہ ظاہر باہر حامی یزید ہیں اور اس سلسلے میں وہ محمود احمد صاحب عباسی کے پیروکار ہیں۔ ان کی تقریر میں امیر المومنین یزید زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ میں نے ان کی تقریروں کی تین کیسٹیں سنی ہیں جن کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔

(الف) کون کہتا ہے کہ یزید شرابی تھے، فاسق و فاجر تھے، ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔ قرآن کے مفسر ہیں وہ لکھتے ہیں کہ یہ شرابی نہیں تھے۔ فاسق و فاجر نہیں تھے۔ یہ حافظ کلام اللہ ہیں۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ امیر یزید شرابی نہیں تھے۔ فاسق و فاجر نہیں تھے یہ حافظ کلام اللہ تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل کتاب الزہد میں سرفہرست اگر کسی کا نام لکھتے ہیں تو وہ امیر یزید کا نام ہے کہ یہ زاہد ترین لوگوں میں سے ہیں۔ امام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں کہ یزید تابعی ہوا اور صحابہ کرام کے پیروکار اور عاشق جناب رسالت مآب ﷺ دینِ اسلام کے پابند ہوئے۔ (اس پر امیر یزید زندہ باد، حضرت امیر

یزید زندہ باد کے نعرے لگائے گئے) اس کیسٹ پر ۷۷۔۱۲۔۳۰ کی تاریخ درج ہے۔

تبصرہ

میں حیران ہوں کہ شاہ بلیغ الدین صاحب نے اپنی تقریر میں اس قدر واضح غلط بیانیوں کا کیوں مظاہرہ کیا ہے۔ کیا وہ کہیں کسی کتاب سے ثابت کر سکتے ہیں کہ:۔ امام غزالی نے کہا ہے کہ:۔ امیر یزید شرابی نہیں تھے۔ فاسق و فاجر نہیں تھے، ہرگز نہیں۔ کیا وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں یہ لکھا ہے کہ:۔ یہ شرابی نہیں تھے، فاسق و فاجر نہیں تھے، ہرگز نہیں۔ بلکہ حافظ ابن کثیر نے تو کئی جگہ یزید کو فاسق لکھا ہے:۔ قد کان فاسقاً۔ اور البدایہ والنہایہ کی یہ عبارتیں پہلے نقل کر دی گئی ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا شاہ بلیغ الدین صاحب نے حضرت امام احمد بن حنبل کی کتاب "کتاب الزہد" دیکھی بھی ہے؟ کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصحاب مدینہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر وغیرہ صحابہ تو یزید کو شرابی اور فاسق قرار دیں اور امام احمد بن حنبل اس کو زاہد ترین تابعی تسلیم کریں۔ کتاب الزہد پر پہلے بحث گزر چکی ہے دوبارہ ملاحظہ فرمالیں کیا شاہ بلیغ الدین یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ امام ابن تیمیہ نے یزید کو صحابہ کا پیروکار اور عاشق رسول اور دین اسلام کا پابند قرار دیا ہے؟ بلکہ منہاج السنۃ میں تو انہوں نے یزید کو ظالم اور حجاج کو اظلم قرار دیا ہے۔ ابن تیمیہ کی عبارتیں پہلے پیش کی جا چکی ہیں۔ قارئین انصاف فرمائیں کہ یہ یزیدی گروہ حُب یزید کے غلبہ کے تحت اس قدر غلط بیانوں کی جسارت کیوں کرتا ہے۔ یہ کتنا خطرناک مشن ہے جو کذب و افترا پر مبنی ہے۔ لیکن بظاہر عنوان انہوں نے عقیدت و اتباع صحابہ کا اختیار کیا ہوا ہے۔

حضرت علی پر تنقید

شاہ بلیغ الدین صاحب اپنی ایک تقریر میں فتح خیبر کے واقعات کے تذکرہ میں بیان کرتے ہیں کہ یہودی سپہ سالار (یعنی مرحب) کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چنانچہ تقریر میں کہا:۔ یہودیوں کا سپہ سالار (یعنی مرحب) حضرت

محمد بن مسلمہ سے اس کی لڑائی ہوئی اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر محمد بن مسلمہ نے میدان جنگ میں سے اسے پھینک دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ باجازت نبوی جھنڈا لے گئے۔ راستہ میں (مرحب کو پڑا دیکھا تو) اُس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ افسانہ بن گیا کہ مرحب جو ہزار سواروں کے برابر تھا اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ وہ شخص تو محمد بن مسلمہ کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ ارے بھائی مان لیجئے تھوڑی دیر کے لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ہوا مرحب سے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر کیا تھی۔ خندق کی لڑائی میں نوعمر جن کے بارے میں کسی مورخ کا اختلاف نہیں اور وہ ۸۰ برس کا تھا۔ اس وقت یہ بھی کوئی مقابلے میں بہادری ہے تاریخ شاہد ہے حضرت علی کا مقابلہ جن سے ہوتا ہے ان کی عمر ۶۰ برس کی اور حضرت علی کی ۲۱ برس کی۔

تبصرہ

شاہ بلیغ الدین صاحب کا یہ کہنا کہ مرحب جو قتل ہوا پڑا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو خنجر گھونپ دیا۔ یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے انتہائی بدظنی کا اظہار ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پھر یہ کہنا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا بھی ہے تو وہ اسی ۸۰ برس کا بوڑھا تھا۔ اس کو قتل کرنا بھی کوئی بہادری ہے اس میں بھی حضرت علی المرتضیٰ کی کھلی تنقید پائی جاتی ہے۔ لیکن وہ یہ بات نظر انداز کر گئے کہ اگر اس بوڑھے کافر کو حضرت محمد بن مسلمہ نے قتل کیا ہے تو یہ ان کی بہادری کی دلیل کیوں بن گئی؟ اور پھر خود ہی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ وہ ۸۰ سالہ بوڑھا پہلوان ایک ہزار کے برابر سمجھا جاتا تھا اور باوجود بڑھاپے کے وہ اتنا طاقتور تھا کہ ہر شخص اس کے مقابلہ میں آنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دور تو قوت اور زور بازو کا تھا۔ موجودہ دور میں بھی (حالانکہ یہ دور جسمانی ضعف کا دور ہے) بعض بوڑھے جوانوں پر غالب آ جاتے ہیں۔

بوڑھے پہلوانوں کی کامیابی

(۱) ۷۲ برس کی عمر میں رحیم نے کینیڈا کے (۲۸ سالہ) پہلوان کو گرا لیا (امروز لاہور

۱۲ اپریل ۱۹۸۲ء) ۲۷ اپریل ۱۹۴۱ء کو رحیم نے (۷۶ برس کی عمر میں) انگریز پہلوان جارج سے گوجرانوالہ میں مقابلہ کیا اور اس کو چند منٹوں میں شکست دے دی۔ یہی نہیں بلکہ ان کی پسلیاں توڑ ڈالیں (ایضاً روزنامہ امروز لاہور)

(۲) ایک ساٹھ سالہ شخص نے جس کے بارے میں ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ وہ دوبارہ کبھی نہیں چل سکے گا۔ چین کے صوبہ ہنسیال میں دس ہزار میٹر کی دوڑ میں تیسری پوزیشن حاصل کر لی۔ (یہ بوڑھا) ۱۹۷۶ء میں ایک صنعتی حادثہ کے نتیجہ میں فالج زدہ ہو گیا تھا۔ (امروز لاہور ۱۳ مئی ۱۹۸۳ء و جنگ راولپنڈی ۱۴ مئی ۱۹۸۳ء۔

(۳) فرانس میں ۳۵ ہزار افراد کی ایک دوڑ میں ۹۱ سالہ لوئیس پوائرٹ کامیاب ہوا (جنگ ۶ جنوری ۱۹۷۹ء)

(۴) ستر برس کی بڑھیا (شمالی کیلی فورنیا امریکہ کی ایک خاتون) نے چھبیس میل کی دوڑ میں شرکت کی اور اسے بوڑھے لوگوں میں اول آنے پر انعام ملا۔

(امروز ۲۹ اگست ۱۹۸۰)

(۵) ایک چھیاسٹھ سالہ خاتون مسز نیلی رابرٹس نے امریکہ کے شہر مشی گن میں ہونے والا ویٹ لفٹنگ کا مقابلہ جیت لیا ہے وہ پوتوں پوتیوں والی ہیں انہوں نے تقریباً ایک سو کلوگرام یعنی اپنے وزن سے دوگنا وزن اٹھا کر یہ مقابلہ جیتا۔

(امروز لاہور ۲۸ جنوری ۱۹۸۴ء)

مُرحب کو کس نے قتل کیا

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔ مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا:۔

قد علمت خیبرُ انی مُرحَبٌ شاکی السلاح بطل مُجرّب.

''خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں، سلاح پوش ہوں''۔

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مِغفَر اور اس کے اوپر سنگی خود تھا۔ قدیم زمانہ میں

گول پتھر بیچ سے خالی کر لیتے تھے یہی خود کہلاتا تھا۔ مرحب کے جواب میں حضرت علی نے یہ رجز پڑھا۔

انا الذی سَمَّتنِی اُمی حیدرہ . کلیث غاباتٍ کریہ المنظرہ.

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا، میں شیر نیستاں کی طرح مہیب و بدمنظر ہوں"۔

مرحب بڑے طمطراق سے آیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اُتر آئی اور ضرب کی آواز فوج تک پہنچی۔ (بحوالہ طبری ص ۱۵۷۹ یہ اشعار اور مختصر واقعات صحیح مسلم غزوہ خیبر میں بھی ہیں)۔

(سیرۃ النبی حصہ اول ص ۴۸۷، ۴۸۸)

(۲) فتح خیبر کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ کے بارے میں جو مبالغہ آمیز روایتیں ہیں ان کے متعلق شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔ معالم التنزیل میں ہے کہ مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علی کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی۔ آپ نے قلعہ کا در جو سرتاپا پارۂ سنگ تھا اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا۔ اس واقعہ کے بعد ابورافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا۔ یہ روایتیں ابن اسحٰق اور حاکم نے روایت کی ہیں لیکن بازاری قصے ہیں، علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں تصریح کی ہے کہ:۔ کلھا واھیۃ۔ سب لغو روائتیں ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں علی بن احمد فروخ کے حال میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ روایت منکر ہے اُ (ایضاً سیرت النبی ص ۴۸۸)

(۳) ابن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مارا تھا۔ مسند ابن حنبل رضی اللہ عنہ اور نووی شرح مسلم میں بھی ایک روایت ہے۔ لیکن صحیح مسلم (اور حاکم جلد ۲ ص ۲۹) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے (ایضاً سیرت النبی ص ۴۸۹)۔

(۴) حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی مرحب کا قاتل حضرت علی المرتضیٰ کو ہی قرار دیا

ہے (الاصابہ ج ۲ ص ۵۰۸)۔

بیشک حضرت محمد بن مسلمۃ ایک جلیل القدر صاحب فضائل، قدیم الاسلام اور بڑے بہادر صحابی ہیں۔ آپ نے ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کو ایک شامی نے قتل کیا۔ آپ کی تاریخ وفات ۴۳ یا ۴۶ھ ہے (الاصابہ جلد ۳ ص ۳۸۴) مرحب کے قاتل آپ رضی اللہ عنہ ہیں یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لیکن شاہ بلیغ الدین صاحب نے جس انداز میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے، قابل مواخذہ ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں شیعوں نے مبالغہ آرائی کی ہے۔ حتیٰ کہ انبیائے علیہم السلام سے بھی آپ کو بلکہ باقی ائمہ کو بھی افضل قرار دیا ہے۔ اور اس کے برعکس حامیان یزید آپ کی تنقید بلکہ توہین کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ معتدل اور مسلک حق صرف اہل السنّت والجماعت نے اختیار کیا ہے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام اور خلفائے ثلاثہ امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کے بعد تمام بنی آدم میں حضرت علی المرتضیٰ افضل ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

کیا حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں

حضرت عبداللہ بن الزبیر ۹ سال خلیفہ رہے ہیں۔ آپ صاحب فضائل جلیل القدر صحابی ہیں۔ جیسا کہ آپ کے فضائل مذکور ہو چکے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ عباسی پارٹی کے زعماء آپ کو بجائے خلیفہ ماننے کے آپ پر تنقیدیں کرتے ہیں جیسا کہ عباسی صاحب کی عبارتیں پہلے درج کر دی گئی ہیں اور یہ سب کچھ یزید کی حمایت میں کارروائی ہو رہی ہے۔ لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین چار ہیں تو اس کے جواب میں سورۃ الحجرات کی آیت اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ پیش کی جاتی ہے جس میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فرمایا ہے۔ یعنی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم رشد و ہدایت والے ہیں اسی بناء پر وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین میں شامل کرتے ہیں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم چھ ہیں (شاہ بلیغ الدین)

شاہ بلیغ الدین اپنی ایک تقریر میں بیان کرتے ہیں کہ:۔ صحابہ کرام میں سب سے بلند مقام سب سے اونچا مقام خلفائے راشدین کا ہے۔ اللہ کے رسول کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد چھ صحابہ کرام ہیں جو اسلامی اُمت کے سربراہ کی حیثیت سے منتخب ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھوں پر بیعت عام ہوئی ہے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں، حضرت عمر فاروق ہیں، حضرت عثمان ہیں، حضرت علی ہیں، حضرت حسن اور حضرت معاویہ ہیں۔ یہ سب کے سب صحابہ کرام ہیں سب کے سب راشدین ہیں۔ صحابہ کرام سے زیادہ نیک، صحابہ کرام سے زیادہ رشید، صحابہ کرام سے زیادہ ہدایت یافتہ اور کون ہوسکتا ہے۔ یہ جو پتہ نہیں عام طور پر بات کی جاتی ہے کہ خلفائے راشدین کی تعداد چار ہے یہ کہاں سے لوگوں نے لیا۔ امام سفیان ثوری تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو جو پہلی صدی کے آخر دہے میں مسلمانوں کے امیر تھے خلیفہ راشد شمار کرتے ہیں۔ اگر ایک تابعی خلیفہ راشد ہے تو بتاؤ اے اہل ایمان کہ صحابہ کرام تمام کے تمام خلفائے راشدین ہیں کہ نہیں؟ کوئی اس سے انکار کرسکتا ہے کہ تمام صحابہ کرام عادل تھے امانت دار تھے۔ اللہ کے رسول کا ارشاد کہ جس نے میرے صحابہ کو تکلیف دی۔ یہ سمجھو کہ مجھ سے دشمنی کی وجہ سے انہیں تکلیف دی۔

تبصرہ

(۱) کیا شاہ بلیغ الدین ثابت کرسکتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے اذن عام ہوا تھا۔

(۲) آپ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں تو جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے جنگ کی۔ تو کیا اس وقت خلیفہ راشد سے جنگ ان کی جائز تھی جبکہ آپ نے اپنی خلافت کا اعلان بھی نہیں کیا تھا۔

(۳) حکمین کے فیصلہ کے بعد جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تو ایک متفق علیہ خلیفہ راشد یعنی حضرت علی المرتضیٰ کی موجودگی میں حضرت امیر

معاویہ کی خلافت ''راشدہ خلافت'' تھی یا غیر راشدہ۔ حضرت معاویہ نے حضرت حسن کی طرح کیوں ایثار نہ کیا۔ اور اپنی خلافت سے دستبردار ہو کر حضرت علی المرتضٰی جیسے خلیفہ راشد کی بیعت کیوں نہ کی جبکہ حضرت علی عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں۔

(۴) اگر حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما قرآنی آیت اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ کے تحت خلیفہ راشد ہیں تو پھر کیا آپ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو بھی بحیثیت صحابی ہونے کے خلیفہ راشد مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر مانتے نہیں تو اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ کا آپ نے انکار کر دیا۔ اگر مانتے ہیں تو پھر صحابہ میں سے خلفائے راشدین کی تعداد سات ہو جائے گی اور آپ کا یہ قول غلط ہو جائے گا کہ صحابہ کرام میں سے خلفائے راشدین چھ ہیں۔

(۵) اور حضرت ابوسفیان ثوری کا فرمان تو آپ کے خلاف پڑتا ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے۔ الخلفاء خمسة ابوبكر و عمر و عثمان و علي و عمر بن عبدالعزيز (البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۲۰۰)

خلفاء پانچ ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ فرمائیے آپ کے نزدیک چھ خلفائے راشدین ہیں اور امام سفیان ثوری کے نزدیک پانچ ہیں اور ان میں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شامل ہی نہیں کیا۔ یہ ہے شاہ بلیغ الدین صاحب کی تاریخی ریسرچ کا حال۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

توضیح

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مابین جو جنگ ہوئی۔ اس کی مفصل بحث خارجی فتنہ حصہ اول میں گذر چکی ہے اور پھر دفاع حضرت معاویہ میں بندہ ان اعتراضات کا جواب دے چکا ہے جو خارجی فتنہ حصہ اول کی بعض عبارات پر وارد کئے گئے تھے۔ خطائے اجتہادی سے زیادہ ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ یہاں تو شاہ بلیغ الدین صاحب کے استدلال کے پیش نظر ہم نے ان سے سوالات

عرض کر دیئے ہیں۔ میرے علم میں کسی حامی یزیدی کی کوئی تحریر ایسی نہیں ہے جس میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو بھی اُولٰئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْن کے تحت خلیفہ راشد تسلیم کیا ہو۔ اور شاہ بلیغ الدین صاحب اور ان کے ہم مسلک زعماء کو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ جب حسب حدیثِ نبوی جو صحابہ کو تکلیف پہنچاتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کی وجہ سے ان کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ تو فرمائیں۔ یزید کے گورنر اور عاملوں نے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ پھر یزید کے حکم سے یزیدی کمانڈر مسلم بن عقبہ نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ صحابہ کو شہید کیا۔ پھر حجاج نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کو شہید کیا اور یزید نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو ملحد اور فریب کار کہا۔ تو کیا یزید، مسلم بن عقبہ اور حجاج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھنے والوں میں نہیں شمار ہوں گے۔

کتاب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ایک عبارت

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی قدس سرّہ لکھتے ہیں:۔ بعض علمائے کرام نے خلفائے راشدین میں حضرت علی المرتضیٰ کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام اضافہ کیا ہے مگر میں نے باتباع جمہور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خلافت راشدہ کو اس لئے ختم کر دیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت صرف چھ ماہ رہی۔ پھر انہوں نے خود ہی خلافت کی باگ حضرت معاویہ کے ہاتھ میں دے دی۔ اور خود بھی ان سے بیعت کر لی۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی رسول ہونے کے سبب سے صاحب فضائل ہیں اور ان کے بعد پھر مسند خلافت کو کوئی صحابی نصیب نہیں ہوا۔ مگر بایں ہمہ ان کو خلفائے راشدین میں شمار کرنا خلاف تحقیق ہے۔ خلافتِ راشدہ کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ اوصاف سوائے جماعت مہاجرین کے اور کسی میں نہیں پائے جاتے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں نہیں ہیں۔

(کتاب خلفائے راشدین خاتمۃ الکتاب ص ۲۳۸)

تبصرہ

یہاں امام اہل السنت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لکھنا محل نظر ہے کہ:۔ ان (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے بعد پھر مسند خلافت کو کوئی صحابی نصیب نہیں ہوا۔ حالانکہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن الزبیر ۹ سال تک مسند خلافت پر فائز رہے۔ اور خود امام اہل السنت نے دوسری کتاب میں حضرت ابن الزبیر کی خلافت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن الزبیر کے متعلق لکھتے ہیں:۔ ۱ھ میں پیدا ہوئے۔ مہاجرین کے ہاں سب سے پہلے ولادت انہی کی ہے۔ بڑے عبادت گزار تھے۔ کئی کئی دن متواتر روزے رکھتے تھے۔ شب کو بھی افطار نہ کرتے تھے۔ آٹھ سال کی عمر میں انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ کوسج تھے یعنی ان کی ڈاڑھی مونچھ نہ تھی۔ یزید کی بیعت سے انہوں نے انکار کیا۔ اور خود اپنی خلافت کی طرف لوگوں کو بلایا۔ چنانچہ ۶۴ھ میں ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی اور حجاز اور یمن اور عراق وخراسان وغیرہ پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ بالآخر یزید کے ساتھ ان کو لڑنا پڑا۔ یزید کے لشکر نے ان کا محاصرہ کیا۔ یہاں تک کہ حجاج بن یوسف نے یوم سہ شنبہ جمادی الآخری ۷۳ھ میں مکہ کے اندر ان کو شہید کیا (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ۴۷۱)۔

(ب) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

خلافة صحيحة خرج عليه مروان بعد ان بويع له فى الآفاق كلها الابعض قرى الشام .

(تهذيب التهذيب جلد ۵ ص ۲۱۴)

"آپ کی خلافت صحیح ہے آپ کے خلاف مروان نے اس وقت خروج کیا ہے جبکہ آپ کی بیعت خلافت سوائے شام کے بعض شہروں کے تمام اطراف میں ہو چکی تھی"۔

بہر حال حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اپنے دورِ خلافت میں برحق خلیفہ تھے اور آپ

خلفائے صحابہ میں آخری خلیفہ ہیں۔ امام اہل سنت حضرت مولانا لکھنوی غالباً کتاب خلفائے راشدین کی نظرثانی نہیں کر سکے۔ ورنہ زیر بحث عبارت قابل اصلاح تھی۔ جیسا کہ آپ نے ازالۃ الخفاء کے ترجمہ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا واضح طور پر اقرار کیا ہے۔

ماہنامہ الخیر کا تسامح ونعرہ حق چار یار رضی اللہ عنہ

ماہنامہ الخیر ملتان (شوال ۱۴۰۶ھ و جولائی ۱۹۸۶ء میں خلفائے راشدین کے متعلق حسب ذیل سوال وجواب شائع ہوا ہے:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا شمار بھی خلفائے راشدین مہدیین میں ہوتا ہے یا نہیں۔ نیز نعرہ خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حضرت حسن رضی اللہ عنہ آخری خلیفہ راشد ہیں۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔

الحسن بن علی رضی اللہ عنہ آخر الخلفاء بنصه ۵۱ھ (ص ۱۴۳)
هو آخر الخلفاء الراشدين بنص جده صلى الله عليه وسلم
خليفة حق و امام عدل و صدق تحقيقاً لما اخبر به جدّه
الصادق المصدوق بقوله الخلافة بعدی ثلثون سنة وقام
عليه اجماع من ذكره فلا مِرية من حقيقتها.
(صوائق محرقه ص ۸۱)

"اور نعرہ خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار ان لوگوں کے رد کے لئے ہے جو سابقہ تین سابقین کو خلیفہ نہیں مانتے نہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اخراج کے لئے وہ تو متفق علیہ ہیں۔ نیز نعرہ پر اصرار کرنا بھی درست نہیں ہے"۔ (۲۴-۱۰-۹۸ھ۔ الجواب صحیح۔ محمد صدیق غفرلہ)

تبصرہ

(ا) خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار کا اعلان کیا جاتا ہے تو اس کا مئی قرآن کی حسب ذیل آیات ہیں:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (پارہ ۱۸ سورہ النور رکوع ۷)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے اس آیت استخلاف کا ترجمہ حسب ذیل لکھا ہے:۔ ''یعنی وعدہ کیا ہے اللہ نے بعضے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور اچھے اچھے عمل کئے ہیں اس بات کا کہ ان کو زمین کا خلیفہ اور بادشاہ بنا دے گا جیسا ان سے پہلوں کو اور ان کے لئے دین کو جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے چھانٹ رکھا ہے۔ اور پسند کر رکھا ہے خوب جما دے گا اور ان کو بعد اس کے اندیشہ اور خوف رہا کرتا تھا امن دے گا کہ وہ پھر میری ہی عبادت کیا کریں گے۔ اور کسی کو ذرہ برابر عبادت میں میرا شریک نہ کریں گے۔ اور جو لوگ بعد اس نعمت کے کفرانِ نعمت کریں گے وہی ہیں اصل فاسق طاعت سے نکلے ہوئے۔ اس کی تشریح میں حضرت نانوتوی قدس سرہ لکھتے ہیں:۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف اور تبدیلی امن جو کچھ تھا۔ سب کا سب اصل میں انہیں چار یار کے لئے تھا۔ (ھدیۃ الشیعۃ طبع قدیم ص ۵۶)۔

امام حسن رضی اللہ عنہ قرآنی وعدہ میں شامل نہیں

اس آیت استخلاف کے تحت حضرت نانوتوی نے طویل بحث فرمائی ہے۔ اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔ اور بعد اس کے ہر چند حضرت سبط اکبر امام ھمام امام حسن رضی اللہ عنہ خلفائے

راشدین میں معدود ہیں مگر ان کو جو خلافت پہنچی تو اس وعدہ کے سبب نہیں پہنچی کیونکہ ان کو قبل نزول اس آیت کے کس دن خوف ہوا تھا وہ زمانہ ان کے لڑکپن کا تھا دشمن سے اندیشہ بڑوں کو ہوتا ہے لڑکوں کو نہیں ہوتا۔ بلکہ وصول اس نعمت کا۔ان تلك زائد از قدر وعدہ تھا اسی لئے ان کی خلافت کے لئے تمکین اور جماؤ لازم نہ ہوا۔ باقی رہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی ملک و سلطنت تھی۔ یہ بات فقط مہاجرین اولین کے حق میں صادق آتی ہے نہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو یہ بات پیش آئی نہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور مہاجرین اوّلین میں سے بھی جیسا خوف خلفائے اربعہ کو بترتیب ہوا ہے اور کسی کو پیش نہیں آیا (ایضاً ص۵۰) اور اسی سلسلہ میں حضرت قاسم العلوم فرماتے ہیں:۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند شرف گوناگوں رکھتے ہیں لیکن فقط اس شرف کو استحقاق خلافت میں دخل نہیں۔ یہ اس جانکاہی اور جانگدازی کا ثمرہ ہے جس کا مذکور ہوا۔ اور یہ بھی مکرر روشن ہو گیا کہ حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو جو خلافت ملی ہے تو وہ خلافت نہیں جو وہ وعدہ کے سبب ملی ہے (ایضاً ص۵۱) بہر حال حضرت مولانا نانوتوی نے تصریح فرمادی ہے کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین جس میں مہاجرین صحابہ کے لئے خلافت کا اعلان ہے) کا مصداق حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں ہیں۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی آیت استخلاف کے تحت فرماتے ہیں:۔ یہ چاروں خلیفوں سے ہوا۔ (موضح القرآن)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آیت استخلاف کے فوائد میں لکھتے ہیں: الحمد للہ کہ یہ وعدہ انہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ امام رازی، امام قرطبی، علامہ آلوسی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ مفسرین نے عموماً آیت

استخلاف کا مصداق خلفائے اربعہ کو قرار دیا ہے۔ جس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تحفہ خلافت یعنی مجموعہ مقالات آیات قرآنی مؤلفہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ۔ سورۃ الحج کی آیت تمکین یعنی الذین ان مکنّٰھم فی الارض کے تحت امام اہل سنت لکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جماعت مہاجرین میں سے صرف چار بزرگوں کو تمکین ملی۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ پس قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں اور زمانہ خلافت میں جو کام انہوں نے کئے۔ ان کاموں کے پسندیدہ خدا ہونے کا یقین رکھیں (تحفہ خلافت ص ۲۶۷) بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اول میں بھی آیت استخلاف اور آیت تمکین پر بحث کر دی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حق چار یار ایک مثبت اعلان حق ہے

چونکہ آیت تمکین میں مہاجرین صحابہ کے متعلق تمکین و اقتدار ملکی کا اعلان ہے اور مہاجرین اولین میں صرف چار یار ہی منصب خلافت پر فائز ہوئے ہیں یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ ان چار میں سے کسی کو اس آیت کے مصداق سے نکال نہیں سکتے اور جو خلفاء مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں۔ مثلاً حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ وہ برحق خلفاء تو ہیں لیکن مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں۔ وہ آیت تمکین کا مصداق نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ اس لئے قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ انہی چار میں منحصر ہو گی۔ کوئی پانچواں خلیفہ ان میں شامل نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا خلافت راشدہ سے مراد قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ ہے اور اس کے جواب میں حق چار یار رضی اللہ عنہم کہنا بطور اقتضاء النص قرآنی خلافت راشدہ کی حقانیت کا اعلان ہے اور یہ ایک مثبت اعلان حق (نعرہ) ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس کی زد کس پر پڑتی ہے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ

امام سیوطی ہوں یا ابن حجر مکی یا حافظ ابن کثیر وغیرہ جن حضرات نے حضرت امام

حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد لکھا ہے ان کی مراد قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ تو ہو ہی نہیں سکتی جو اصل معیاری خلافتِ راشدہ ہے۔ کیونکہ امام موصوف مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو لغوی معنی میں خلیفہ راشد کہا گیا ہے کہ نہ کہ اصطلاحی معنی میں اور حدیث الخلافة بعدی ثلثون سنة سے جو حضرت امام حسن کی خلافتِ راشدہ پر استدلال کیا گیا ہے اس میں ۲/۱ ۲۹ سال کی مدت خلافت تو قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین (چار یار) کی بنتی ہے اور بعد میں قریباً چھ ماہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی۔ تو امام حسن کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کا تتمہ ہے نہ کہ اس کی جزو۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ۔

خلفائے راشدین کی خلافت کا زمانہ بقیہ زمانہ نبوت تھا (ازالۃ الخلفاء مترجم جلد اوّل ص ۱۰۰) اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی لکھتے ہیں:۔ اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کا تذکرہ اور ان کے اوصاف و کمالات کا بیان درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کا تتمہ اور تکملہ ہے (خلفائے راشدین ص ۵) معلوم ہوا کہ بقیہ تتمہ اور تکملہ ماقبل میں شامل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی جداگانہ حیثیت ہوتی ہے۔ لہٰذا خلفائے اربعہ کی خلافت قرآن کی ایک مستقل معیاری خلافت ہے اور امام حسن کی خلافت اس کے تابع ہے اور تابع اور متبوع میں بڑا فرق ہے۔

حدیث "علیکم بسنّتی وسنۃ الخلفاء الراشدین"

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بِسُنّتِی وَسنة الخلفاء الراشدین المهديين.

(مشکوٰۃ شریف باب الاعتقام بالکتاب والسنة)

"تم میں سے میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ اختلاف کثیر دیکھے گا۔ پس اس وقت تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہوگی"۔

علامہ علی قاری حنفی محدث متوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:۔

قیل هم الخلفاء الاربعة ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللّٰه عنهم لانه علیه الصلوٰة والسلام قال الخلافة بعدی ثلثون سنة وقد انتهی بخلافة علیٍ کَرَّمَ اللّٰه وَجْهه (مرقاة شرح مشکوٰة جلد اول ص ۲۴۲)

''کہا گیا ہے کہ خلفائے راشدین مہدیین سے مراد چار خلفاء ہیں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی اور یہ تیس سال کی مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہو جاتی ہے''۔

اس حدیث کا مصداق بھی چار یار ہی کو قرار دیا گیا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ پر ۳۰ سالہ دور خلافت ختم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کی چند ماہ کی مدت خلافت کو اس میں شمار نہیں کیا۔ یعنی کسور کا اعتبار نہیں کیا (۲) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔ و مراد بخلفائے راشدین خلفائے اربعہ داشتہ اند و ہر کہ بر سیرت ایشاں برود و موافق سنت عمل کند حکم ایشاں دارد (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۱۳۹)۔ یعنی خلفائے راشدین سے مراد خلفائے اربعہ ہیں اور ہر وہ جو اُن کی سیرت پر چلے اور موافق عمل کرے۔ معلوم ہوا کہ حدیث کا اصل مصداق بالذات اور خلفائے اربعہ (چار یار) ہیں اور اگر کوئی خلیفہ ان کی پیروی کرے گا تو وہ بالتبع خلفائے راشدین میں شامل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھی خلفائے راشدین میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن اصل اصطلاح خلفائے راشدین کی خلفائے اربعہ ہی کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ کیونکہ بالذات و بالاصالت خلافت راشدہ انہی کی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں:

اور یہ نعمت عظمیٰ اولاً بالذات اُنہی کو عطا ہوگی جو خلیفہ ہوں گے۔ مقصود اصلی وہی ہونگے اوروں کو اگر وہ دولت ملے گی تو انہی کے تصدق ملے گی۔ (ہدیۃ الشیعۃ ص ۵۶) نیز

فرماتے ہیں:۔ القصہ نعمت خلافت ہر چند بالا صالت چار یار ہی کے لئے تھی مگر بھی اس میں شریک تھے (ایضاً ص ۵۷)۔ علماء کے لئے بالذات۔ اصطلاحات اور بالتبع کی اصلاحات نا قابل فہم نہیں ہیں۔ حامیان یزید جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی آیت اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ کے تحت خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں یعنی جب حضرت معاویہ بحیثیت صحابی راشد ہیں تو بحیثیت خلیفہ کیوں نہ راشد ہوں گے لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے بے شک شخصی طور پر دیگر صحابہ کرام کی طرح حضرت امیر معاویہ بھی راشد ہیں اور حضرت امام حسین بھی راشد ہیں۔ بلکہ حضرت حسن مع اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جنت کے جوانوں کے سردار ہیں لیکن بوجہ مہاجرین اولین میں نہ ہونے کے قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین میں شمار نہیں ہو سکتے۔ اور علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین میں بھی وہی قرآن کے معیاری چار خلفائے راشدین مراد ہیں۔ کیونکہ ان چار کی خلافت باقتضائے نص قرآنی اللہ تعالیٰ کی ہر طرح سے پسندیدہ خلافت ہے۔ لہٰذا شرعی اصطلاح میں سوائے ان خلفائے اربعہ (چار یار رضی اللہ عنہم) کے اور کوئی خلیفہ راشد نہیں ہوگا۔ اور لغوی معنی میں دوسرے صحابہ جو منصب خلافت پر متمکن ہوئے ہیں یعنی حضرت حسن، حضرت معاویہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر بھی خلیفہ راشد ہوں گے۔

عشرہ مبشرہ کی اصطلاح

حدیث شریف میں ہے کہ حسب ذیل دس صحابہ کو من جانب اللہ نام بہ نام جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ یعنی خلفائے اربعہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم۔ اس بنا پر انہیں عشرہ مبشرہ بالجنۃ کہا جاتا ہے۔ یعنی دس وہ جنتی صحابہ جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں چودہ سو یا پندرہ سو بیعت رضوان والے صحابہ کرام کو بھی رضائے خداوندی کی بشارت دی گئی ہے۔ اور آیت وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالانصار میں مہاجرین اولین وانصار کو بھی رضائے الٰہی

اور جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اِسی طرح حدیث میں بدری صحابہ کرام کو بھی جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ لیکن باوجود اس کے ان میں اصطلاحاً صرف دس صحابہ کو عشرہ مبشرہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ باقی صحابہ کرام بھی گو جنتی ہیں اور قرآن حکیم میں ان کے لئے جنتی ہونے کی بشارتیں مذکور ہیں۔ لیکن بذریعہ وحی نام بنام ان کو جنت کی بشارت نہیں سُنائی گئی۔ نام بنام بشارت بذریعہ وحی غیر متلو صرف ان دس ۱۰ صحابہ کرام کو سنائی گئی ہے تو دوسروں سے ان کی اس خصوصیت کی بنا پر عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے اسی طرح گو دوسرے صحابی خلفاء بھی راشدین ہیں لیکن وہ قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین نہیں ہیں۔ قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین چونکہ صرف خلفائے اربعہ ہیں اس لئے اس خصوصیت کی بنا پر ان کو خلفائے راشدین قرار دیا جاتا ہے اور چار یار کی اصطلاح قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ نے بھی استعمال کی ہے اور صدیوں سے یہ اصطلاح اہل السنّت والجماعت کے ہاں مستعمل ہے۔ ماہنامہ الخیر کے مفتی حضرات نے حدیث الخلافة بعدی ثلثون سنة کو پیش نظر رکھ کر جواب دیا ہے، لیکن وہ آیت استخلاف اور آیت تمکین نہ رکھ سکے، جو خلافت راشدہ موعودہ کی اصل بنیاد ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ہوں یا دوسرے صالح خلفاء ان کے حالات کی تحقیق کے بعد ان کو برحق خلفاء تسلیم کیا جائے گا لیکن مہاجرین اولین میں سے ان خلفائے اربعہ (چار یار) کے حالات کا جائزہ لینے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کیونکہ قرآن کی مذکورہ آیات کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو بالترتیب خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے اور اگر بالفرض ان کو خلفائے راشدین نہ تسلیم کیا جائے تو پھر مذکورہ آیات کا کوئی مصداق باقی نہیں رہتا۔ اور العیاذ باللہ وعدہ الٰہی میں تخلف لازم آتا ہے جو محال ہے۔ ماہنامہ الخیر کے مفتی حضرات نے استفسار کے جواب میں حدیث الخلافته بعدی ثلثون سنة کو تو پیش نظر رکھا ہے لیکن آیت استخلاف اور آیت تمکین کو وہ ملحوظ نہ رکھ سکے۔ یہ ایک علمی تسامح ہے۔ امید ہے کہ اس کی اصلاح کردی جائے گی۔ وما علینا الا البلاغ

مولانا لعل شاہ بخاری اور فتویٰ دیوبند

مولانا لعل شاہ صاحب بخاری نے ایک ضخیم کتاب ''استخلاف یزید'' لکھی ہے جس کے بعض ان مقامات پر میں نے خارجی فتنہ حصہ اول میں تنقید کی تھی جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقید وتوہین پائی جاتی ہے۔ اس کے جواب میں شاہ صاحب موصوف کے ایک شاگرد اور مرید مولوی مہر حسین صاحب بخاری (ساکن کامرہ ضلع اٹک) نے میرے نام ایک ''کھلی چٹھی'' شائع کی جس میں انہوں نے میری کتاب ''خارجی فتنہ'' کی بعض عبارات پر جرح کی۔ چونکہ بحث کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے تھا۔ اس لئے ''کھلی چٹھی'' کے جواب میں بندہ نے ایک کتاب بنام ''دفاع حضرت معاویہ'' شائع کی جس میں مولانا لعل شاہ صاحب کی کتاب ''استخلاف یزید'' کی کئی عبارتیں زیر بحث لائی گئیں جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو کھلم کھلا مجروح کیا گیا تھا۔ الحمد للہ میری کتاب ''دفاع حضرت معاویہ'' بہت مقبول ہوئی۔ ناواقف لوگوں کے کئی شبہات دور ہو گئے۔ اسی سلسلے میں تحریک خدام اہل سنت ساہیوال (ضلع سرگودھا) نے میری اور مولانا لعل شاہ صاحب کی متعدد عبارتیں دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کو ارسال کیں اور استفسار کیا کہ:۔ مولانا لعل شاہ صاحب اور مولانا قاضی مظہر حسین صاحب میں سے کسی کا موقف و مسلک جمہور اہل سنت اور اکابر دیوبند کے مطابق ہے۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ ساہیوال کے احباب نے میرے مشورہ کے بغیر ازخود زیر بحث عبارتیں نقل کر کے دارالعلوم دیوبند کو بھیجی ہیں۔ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے اس استفسار کا جو جواب ان کو موصول ہوا۔ حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب:۔ ھو الموفق والمُعین۔ سوال میں مولانا لعل شاہ بخاری کی کتاب ''استخلاف یزید'' اور مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے جو حوالے نقل کئے گئے ہیں۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ قاضی

مظہر حسین کا موقف درست اور اہل السنّت والجماعت اور علمائے دیوبند کے مطابق ہے، اور بخاری لعل شاہ کا موقف اس باب میں غیر معقول اور شیعی مزاج کے مطابق ہے۔ان کی عبارت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقید عیاں ہے۔ جو اہل السنّت والجماعت کے مسلک کے قطعاً خلاف ہے۔ مولانا لعل شاہ بخاری کا فریضہ ہے کہ اپنی کتاب سے ان عبارتوں کو خارج فرمادیں جن سے صحابی رسول اور کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضاً مِن بعدی فمن اَحبّھُم فبحُبّی اَحبّھُم وَمَنْ اَبغضَھُم وبُغضی اَبْغضَھُم وَمَن آذاھم فقد آذانی وَمَن آذانی فقد آذَی اللّٰہ فیوشك ان یاخذہ . رواہ الترمذی (مشکوٰۃ) واللہ اعلم.

دستخط:۔محمد ظفیر الدین غفرلہ مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

الجواب صحیح کفیل الرحمٰن نائب مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۹۔۱۲۔۱۴۰۵ھ

الجواب صحیح حبیب الرحمٰن خیرآبادی مفتی دارالعلوم دیوبند یکم محرم ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح العبد نظام الدین مفتی دارالعلوم دیوبند

اظہار حقیقت پر بصیرت افروز تبصرہ

مولانا لعل شاہ صاحب نے ایک کتاب ”محقق سندیلوی صاحب کی کتاب اظہار حقیقت“ پر بصیرت افروز تبصرہ“ شائع کی ہے۔جس پر تاریخ اشاعت ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ۔ ۳۰ جنوری ۱۹۸۵ء لکھی ہے۔اس کتاب کے آخر میں از ص ۲۲۴ تا ص ۲۶۳ میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اول کی ان عبارات کا جواب لکھا ہے جن میں شاہ صاحب موصوف پر تنقید کی گئی تھی۔ یہاں جواب الجواب کی ضرورت نہیں کیونکہ کتاب کی ضخامت پہلے ہی بہت بڑھ چکی ہے۔علاوہ ازیں ان کے کئی اعتراضات کا جواب ”کتاب“ دفاع حضرت معاویہ میں دے دیا گیا ہے۔جس کی تاریخ تصنیف ۶ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۳

ستمبر ۱۹۸۴ء ہے۔ غالباً شاہ صاحب کو میری کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بصیرت افروز تبصرہ'' کے بعد ملی ہے اس لئے اس میں انہوں نے اس کا جواب نہیں لکھا۔ اور دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد میری کتاب ''کشف خارجیت'' شائع ہوئی ہے اس میں بھی شاہ صاحب موصوف کی بعض باتوں کا جواب آ گیا ہے۔ جس کا تعلق مولانا سندیلوی صاحب کی کتاب ''اظہار حقیقت'' پر میرے سابقہ تبصرہ سے ہے۔ شاہ صاحب اپنی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی حضرات نے ان کو نصیحت کی ہے کہ:۔ مولانا لعل شاہ بخاری کا فریضہ ہے کہ اپنی کتاب سے ان عبارتوں کو خارج فرمادیں۔ جن سے صحابی رسول اور کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ ہوتی ہے۔

شاہ صاحب کی علمی خیانت

شاہ صاحب بخاری اپنی کتاب بصیرت افروز تبصرہ ص ۲۵۹ پر لکھتے ہیں:۔ جب قاضی صاحب موصوف سندیلوی صاحب کو مخاطب کرتے ہیں تو فرماتے ہیں...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق وہ حکمین ضال اور مُضل ہیں جنہوں نے حضرت علی کو معزول کیا (ملخص خارجی فتنہ ص ۵۸۳)۔

یہاں شاہ صاحب نے ناواقف لوگوں کو یہ فریب دینے کی کوشش کی ہے کہ میں نے ان حکمین صحابہ کو ضال اور مُضل (گمراہ اور گمراہ کرنے والا) لکھا ہے۔ حالانکہ حکمین کے متعلق یہ حدیث کے الفاظ ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے نقل فرمائے ہیں۔ یعنی ضلاً وَضَلَّ مَنِ اتبعهما اور اس حدیث کی بحث خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۵۶ پر ہے نہ کہ ص ۵۸۳ پر (جیسا کہ شاہ صاحب لکھ رہے ہیں) اس کے بعد میں نے حدیث کی تشریح میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث کی یہ عبارت لکھی ہے:۔ مراد از ضلا آنست کہ خطا کردہ اند در اجتہاد خود (ازالۃ الخفاء فارسی جلد دوم ص ۲۷۶ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)۔ ان ثالثوں کے گمراہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد میں خطا کی ہے (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۵۷) اگر شاہ صاحب میری پیش کردہ مابعد کی عبارت بھی

نقل کر دیتے تو یہ بالکل بے غبار تھی اور اس پر کوئی اعتراض حکمین کے متعلق وارد نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن شاہ صاحب نے یہ عبارت نقل نہ کی۔ کیا یہ واضح علمی خیانت نہیں ہے۔ عبرت۔عبرت۔عبرت۔ الحمد للہ بندہ کی کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اول'' پر علمائے اہل السنّت والجماعت نے میرے موقف کی واضح تائید کی ہے اور مشاجرات صحابہ کے متعلق میرے پیش کردہ موقف کو اہل حق کا موقف قرار دیا ہے۔ چنانچہ علماء کی یہ تقاریظ ''کتاب خارجی فتنہ اور علمائے اہل سنت کے تائیدی تبصرے'' کے نام سے کتابی صورت میں بھی علیحدہ چھپ چکی ہیں۔ اور ''دفاع حضرت معاویہ'' اور ''کشف خارجیت'' میں بھی ان کے اقتباسات نقل کر دیئے گئے ہیں۔

کتاب ''البیان الاظہر'' کا اعلان

علمائے اہل السنّت والجماعت نے میرے موقف کی جو تائید و تصدیق کر دی ہے اس سے مولانا لعل شاہ بخاری بہت پریشان ہیں اور کچھ مزید حقائق پیش کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے میری کتاب ''دفاع حضرت معاویہ کے جواب میں ایک کتاب تصنیف کی ہوئی ہے جس کا نام رکھا ہے: "البیان الاظہر لکشف مکائد المظہر" اس کا اعلان انہوں نے اپنی کتاب ''بصیرت افروز تبصرہ'' ص ۲۴۴ پر لکھا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ کتاب ان کی طبع ہو چکی ہے یا نہیں۔ جب ان کی یہ مطبوعہ کتاب موصول ہو گی تو حسب ضرورت انشاء اللہ تعالیٰ اس کا جواب لکھا جائے گا۔

مولوی مہر حسین شاہ

مولانا لعل شاہ صاحب کے شاگرد رشید نے میری کتاب ''دفاع حضرت معاویہ'' کے جواب میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے ''الاجابتہ الکافیتہ فی رد دفاع معاویہ'' جس طرح اس کتاب کے نام میں کثافت ہے اسی طرح اس کے مضامین بھی کثیف ہیں۔ لیکن میں اس کا جواب نہیں دوں گا۔ ان کی کھلی چٹھی کا جواب تو ضرورتاً دیا تھا۔ اور ''دفاع حضرت معاویہ'' ان کے جواب کے لئے کافی ہے۔ مولوی مہر حسین

شاہ صاحب نے ایک اور کتاب شائع کی ہے۔ جس کا نام ہے:۔ "جواز الصلوٰۃ والتسلیم علی ذریتہ النبی الکریم وارشاد الادغام الٰی معنی الامام" اس رسالہ کے ٹائٹل پر زیرِ تالیف دو نام لکھے ہیں۔ سید مہر حسین شاہ بخاری، عبدالقیوم علوی۔ یہ مولوی عبدالقیوم علوی "تاریخ النواصب حصہ اول" کے مصنف ہیں۔ اس کتاب کے اقتباسات میں نے اپنی کتاب "کشف خارجیت" کے آخر میں درج کر کے مختصر تبصرہ کر دیا ہے اس میں جو انہوں نے خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زہر اگلا ہے اس کی جسارت کوئی کھلا رافضی بھی بمشکل کر سکے گا اور یہ سب کچھ انہوں نے اپنے آپ کو خادم اہل سنت قرار دے کر کیا ہے۔ مولوی مہر حسین شاہ کے مذکورہ رسالہ "جواز التسلیم" میں زیرِ تالیف جب مولوی عبدالقیوم کا نام پڑھا تو مولوی مہر شاہ صاحب کے سُنی ہونے کی حقیقت کھل گئی۔ اب تو وہ گویا:۔ کریلا اور نیم چڑھا کا مصداق بن گئے ہیں۔ ان کا یہ مرض اب لا علاج ہے۔ واللہ الہادی۔ یہاں ہم مولانا لعل شاہ صاحب بخاری فاضل دیوبند سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کو مولوی عبدالقیوم علوی کی تصنیف "تاریخ النواصب حصہ اول سے اتفاق ہے۔ اگر ہے تو آپ کا مسلک زیادہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ اگر نہیں تو آپ نے اس کتاب کی تردید کیوں نہیں لکھی۔ سُنا ہے کہ مولانا لعل حسین شاہ بخاری استاذ ہیں مولوی عبدالقیوم علوی کے۔ واللہ اعلم

یزید کو صالح ماننے کی حکمت

بعض علماء شیعہ جارحیت کے ردِعمل میں یزید کو صالح ماننے کی یہ حکمت بیان کرتے ہیں کہ شیعہ یزید کا فسق و فجور وغیرہ تسلیم کروا کر حضرت معاویہ کو مجروح کرنے کی دلیل بناتے ہیں کہ ایسے فاسق و فاجر کو حضرت معاویہ نے ہی تو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ پھر اس سے اوپر جاتے ہیں کہ حضرت معاویہ کو حضرت عثمان نے ہی سالہا سال تک گورنر رکھا تھا۔ اسی طرح وہ حضرت عمر فاروق اور حضرت صدیق اکبر تک پہنچتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ عام طور پر یہی کہتے ہیں کہ حسین تو ثقیفہ بنی ساعدہ میں ہی شہید ہو گئے تھے۔ اس لئے ہم یزید کو صالح قرار دے کر شیعہ اعتراضات کا دروازہ ہی بند کر دیتے ہیں۔

(الجواب) (۲) یہ حکمتِ عملی تو بے عقلی پر مبنی ہے کہ شیعیت کا دروازہ بند کرنے کے لئے خواہ مخواہ یزید کو صالح تسلیم کیا جائے۔ بحث تو یہ ہے کہ فی الواقع یزید صالح تھا یا فاسق۔ اور حکمتِ عملی کی سیاست کو ختم کر کے اس کے کسی ایک پہلو کا دلائل و حقائق سے اثبات کیا جائے گا۔ مرزائی قرآن مجید کی آیات توفی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرتے ہیں اور شیعہ آیت تطہیر اور آیت ولایت وغیرہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر استدلال کرتے ہیں۔ تو کیا ان کا دروازہ بند کرنے کے لئے ان آیات کا ہی انکار کر دیا جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح اگر یزید کے فسق و فجور سے شیعہ ناجائز استدلال کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ نہیں ہے کہ یزید کے متفق علیہ فسق کا انکار کر دیا جائے بلکہ اصل جواب یہ ہے کہ یزید کے فسق و فجور کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ذمہ دار نہیں ہیں۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی۔ اور اس وقت اس کا فسق و فجور ظاہر بھی نہ تھا یا بعد میں اقتدار کے نشہ میں فسق و فجور میں مبتلا ہوا۔ حضرت امیر معاویہ کے برحق ہونے کے ہمارے پاس دوسرے دلائل ہیں جن کا یزید کے فسق یا صالحیت سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) اگر آپ یزید کو صالح قرار دے دیں گے تو کیا شیعہ پھر خلفائے ثلاثہ کی خلافت راشدہ کو تسلیم کر لیں گے:۔ اصل مسئلہ تو خلافت راشدہ کا ہے اگر ہم آیات و احادیث سے چاروں خلفائے راشدین کی حقانیت ثابت کر دیں تو شیعہ عقیدہ امامت کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے۔ اور سلف و خلف صالحین امت نے اسی مسئلہ پر محنت کی ہے۔ اسی لئے شیعیت سابق ادوار میں ترقی نہ کر سکی اور شیعہ تقیہ کی آڑ میں کام کرتے رہے اور اگر ابطال شیعیت کے لئے کوئی یزید کو صالح منوانے کا راستہ اختیار کرے گا (جو خلاف حقیقت ہے) تو اس سے تو شیعیت کا دروازہ بند ہونے کے بجائے شیعیت کے لئے ایک بڑا پھاٹک کھل جائے گا۔ کیونکہ یزید کے مقابلہ میں پہلے حضرت حسین تھے جو شہید ہو گئے۔ پھر اصحاب مدینہ تھے اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر مکہ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر تھے وہ بھی شہید ہو گئے، تو اگر عباسی فلسفہ تسلیم کیا جائے جو انہوں نے اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے۔ یعنی یزید برحق تھا اور حضرت حسین، اصحاب مدینہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر حق پر نہ تھے اور یہ سارے حضرات صحابہ طالب جاہ و اقتدار تھے۔ اور یہ نظریہ بحیثیت اہل سنت

ہونے کے پیش کیا جائے تو شیعیت کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن و حضرت حسین وغیرہ چند صحابہ کے باقی تمام اصحاب طالب جاہ واقتدار تھے۔ دین و شریعت کے نام کو تو وہ محض استعمال کرتے تھے۔ تو فرمائیے کیا اس یزیدیت سے شیعیت کا دروازہ بند ہو گیا یا اس کے لئے ایک بڑا گیٹ کھل جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعیت و مودودیت ہو یا خارجیت و ناصبیت سب کا نتیجہ ایک ہی ہے کہ تمام صحابہ کرام مخلص اور دیندار نہ تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہل السنّت والجماعت کے متفق علیہ مسلک پر قائم و دائم رکھے اور اس کی حفاظت و نصرت کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بحث فِسق یزید کا خلاصہ

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی اور مؤلف خلافتِ معاویہ و یزید و تحقیق مزید محمود احمد صاحب عباسی نے یزید کے صالح و عادل اور زاہد و متقی ہونے پر جو دلائل قائم کئے تھے کتاب ہذا کی تفصیلات میں اپنے اپنے موقع پر ان سب کا ابطال کر دیا گیا ہے۔ یزید کا شخصی کردار کیا تھا۔ خود عباسی صاحب کی کتابوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ وہ شکار کھیلتا تھا۔ اور زبردست شکاری تھا۔ نہ صرف شکاری کتوں بلکہ سدھائے ہوئے شکاری چیتوں کو بھی اپنے پاس رکھتا تھا۔ وہ موسیقی کا دلدادہ تھا۔ وہ اپنے حرم میں مغنیات (گانے بجانے والی عورتیں) بھی رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک مغنیہ سلامہ کا قصہ خود عباسی صاحب نے لکھا ہے۔ احوص اور اس کا ناجائز تعلق تھا۔ شاہی محل کے ایک کمرہ میں ان دونوں کو اکٹھا رکھا گیا۔ اور خلیفہ یزید صبح تک ساری رات ان کو دیکھتا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔ لیکن ان کو اس کا علم نہ تھا۔ اس نے صبح کو بجائے سزا دینے کے ان دونوں کو انعام و اکرام سے نوازا اور سلامہ کو احوص کے ساتھ بھیج دیا۔

(۲) دور یزید میں کربلا کا سانحہ پیش آیا جس میں بتاریخ ۱۰ محرم (۶۱ھ) نواسہ رسول جوانانِ جنت کے سردار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ معہ اپنے رفقاء کے شہید کر دیئے گئے۔

(۳) ۶۳ھ میں اہل مدینہ کا ایک وفد حضرت عبداللہ بن حنظلہ کی قیادت میں تحقیق حال کے لئے دمشق گیا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یزید کا کردار خراب ہے، شراب پیتا ہے اور نماز کا بھی پابند نہیں۔ واپس آ کر انہوں نے یزید کی بیعت توڑنے کا اعلان کر دیا۔

جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ پیش آیا۔ جس میں یزید کے حکم سے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں اہل مدینہ پر مظالم توڑے گئے۔ سینکڑوں صحابہ وتابعین شہید ہوئے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کو گرفتار ہونے کے بعد قتل کر دیا گیا اور اس پر مستزاد یہ کہ یزید اور مسلم بن عقبہ خود حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو ملحد، فریب کار اور فاسق قرار دیتے تھے۔ لیکن عباسی صاحب کی پارٹی پھر بھی حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی مخالف اور یزید کی حامی ہے۔

(۴) مدینہ منورہ کو تاراج کرنے کے بعد یزیدی کمانڈروں نے مکہ مکرمہ پر فوج کشی کی۔ منجنیقوں سے بیت اللہ کو نقصان پہنچا۔ آخر مرگ یزید کے بعد یزیدی لشکر واپس آ گیا۔

(۵) پھر عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں حجاج بن یوسف (مشہور ظالم ترین شخص) نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے ۷۲ھ میں مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا۔ منجنیقوں سے خانہ کعبہ پر سنگ باری کی۔ آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر جلیل الشان صحابی حضرت ابن الزبیر شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان واقعات کی تفصیلات متعلقہ مباحث میں گزر چکی ہیں جن کا انکار حقائق کا انکار ہے۔

قول فیصل

اہل السنّت والجماعت کے عقیدہ میں تمام صحابہ کرام مخلص ہیں درجہ بدرجہ ان کو (حسب اعلان خداوندی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) حق تعالیٰ کی رضا کی ابدی سند حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت تزکیہ (وَيُزَكِّيهِمْ) کا فیضان ہر ایک کو حاصل ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اصحاب مدینہ نے محض دنیوی اقتدار کے حصول کے لئے یزید کی مخالفت کی اور بہانہ یہ بنایا کہ یزید شرابی اور تارک نماز ہے۔ بلکہ انہوں نے اگر یزید کو شراب وغیرہ قبائح سے متہم کیا ہے تو پوری تحقیق وبصیرت کے بعد۔ اس لئے انہوں نے حبر امت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا موقف بھی قبول نہیں کیا۔ کیونکہ وہ اپنے اجتہادی نظریہ کے تحت یزید کو بوجہ فاسق ہونے کے قابلِ عزل سمجھتے تھے۔ ان صحابہ کرام کا اختلاف اجتہادی تھا۔ ان کا اختلاف اس بنا پر نہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تو اس کو صالح سمجھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ غلط فہمی سے اس کو فاسق قرار دیتے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں حق گوئی سے کام لیتے اور کھلم کھلا اعلان کر دیتے کہ یزید ہرگز

فاسق نہیں بلکہ صالح و عادل ہے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی مخلص و متقی صحابی تھے۔ جن کے فضائل و مناقب ان دونوں جلیل القدر صحابیوں نے بھی بیان فرمائے ہیں۔ کوئی سُنی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے محض حصولِ اقتدار کے لئے یزید وغیرہ کی مخالفت کی تھی۔ پھر ان صحابہ کرام کے مقابلہ میں یزید اور اس کے کمانڈر مسلم بن عقبہ وغیرہ تھے جو صحابی نہیں ہیں۔ اگر حمایت یزید میں جنگ کرنے والے صحابہ کرام ہوتے تو پھر یہ مسئلہ اجتہادی نوعیت کا تھا۔ لیکن حرہ اور مکہ بلکہ کربلا کی جنگیں صحابہ کے دو گروہوں میں نہیں بلکہ صحابہ اور غیر صحابہ کے مابین لڑی گئیں ہیں۔ لہٰذا صحابہ کرام کے موقف کو حق قرار دیا جائے گا اور یزید وغیرہ کے موقف کو باطل اور پھر جب اصحاب مدینہ یزید کو فاسق قرار دے کر یہ جنگیں کر رہے ہیں تو یقیناً یہ پہلو متعین ہو گیا کہ یزید فاسق تھا۔ اور اس کا فسق اتنا مشہور اور متفق علیہ ہے کہ کربلا، حرہ اور محاصرہ مکہ کے بعد کسی ایک صحابی سے بھی اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے یزید کو واضح طور پر صالح و عادل کہا ہو۔ بلکہ کتب فن رجال میں سے بھی کسی ایک امام فن کا یہ قول نہیں ملتا کہ یزید صالح اور عادل تھا۔ اسی بنا پر صدیوں سے اہل السنّت والجماعت کا یہ متفق علیہ مسلک چلا آ رہا ہے کہ یزید فاسق تھا اور گو بعض حضرات نے اس کی تکفیر بھی کی ہے اور کئی اکابر امت نے اس پر لعنت کو بھی جائز قرار دیا ہے لیکن محتاط مسلک یہی ہے کہ لعن و تکفیر سے اجتناب کیا جائے۔ مگر اس کے فسق میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

پہلے ارادہ تھا کہ یزید کے کفر اور لعن کے قائلین حضرات اور اس کو فاسق قرار دینے والے اکابر کی فہرست بھی اس کتاب میں درج کر دی جائے گی۔ لیکن کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر بعد میں فرصت ملی تو انشاء یہ فہرست علیحدہ کتابی شکل میں شائع کر دی جائے گی۔ واللہ الموفق

۲۰ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

”مودودی خمینی بھائی بھائی“

”مودودیت کو پہچانئے“

پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ مودودیت بھی شیعیت اور ناصبیت وغیرہ کی طرح امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم فتنہ ہے۔ شیعیت اگر حب اہل بیت کے نام پر ملت کے سامنے

آئی ہے تو مودودیت اقامت دین وشریعت اور اسلامی نظام حکومت کے نعرہ کی آڑ میں اپنے اثرات پھیلا رہی ہے۔ مگر ان دونوں تحریکوں کا مقصد دراصل ایک ہی ہے۔ یعنی اسلام کے متفق علیہ بنیادی عقائد کو مجروح کر کے اسلام کی ایک نئی ہیئت کو تسلیم کرانا۔ اور مودودیت کے متعلق ہماری یہ رائے محض بدظنی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ جس کے لئے خمینی مودودی دوستی ایک روشن دلیل ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ایرانی انقلاب کے بانی خمینی صاحب شیعوں کے عقیدہ میں حضرت امام مہدی کے نائب ہیں۔ انہوں نے شیعوں کو ہر جگہ منظم و مسلح کر دیا ہے اور وہ حرمین شریفین پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ ان کی کتاب ''کشف اسرار'' ص ۱۳۹ پر یہ عنوان لکھا ہے۔ مخالفتہائے ابوبکر بانص قرآن ''یعنی ابوبکر نے قرآن کے صریح احکام کی مخالفتیں کیں۔ اسی سلسلہ میں لکھا ہے:۔ (ترجمہ) ابوبکر نے خالد بن ولید کے بارے میں حد جاری نہ کی باوجود اس کے کہ خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا۔ اور اسی رات اس کی بیوی سے ہم بستری کی۔ اس کے بعد ص ۱۴۷ پر عنوان ہے:۔ مخالفت عمر با قرآن خدا'' یعنی حضرت عمر نے قرآن کی مخالفت کی۔ اسی کتاب کے ص ۱۴۱ پر لکھا ہے کہ:۔ رسول اللہ ﷺ کے نامزد خلیفہ حضرت علی تھے۔ لیکن دوسرے اصحاب نے زبردستی ابوبکر کو خلیفہ بنالیا۔ اور اس دن سے ہی سُنی وشیعہ نزاع چلا آ رہا ہے اور خلافت کے بارے میں تمام اثنا عشری شیعوں کا یہی عقیدہ ہے۔ جس کی تصریح خمینی صاحب نے کر دی ہے۔

مقام عبرت

یہ ایک تاریخی مقام عبرت ہے کہ جو خمینی صاحب حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم اور دوسرے صحابہ کرام کے خلاف مذکورہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ جماعت اسلامی کے بانی وامیر اوّل کو عالم اسلام کا قائد تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ مودودی صاحب کی وفات پر خمینی صاحب اور ایران کے دوسرے شیعہ زعماء نے جو تعزیت نامے بھیجے ہیں وہ ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم تا ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۹ء کے شمارے میں شائع ہو چکے ہیں۔ چنانچہ بعنوان ''مولانا مودودی کی وفات پر اظہار تعزیت'' لکھا ہے کہ مولانا مودودی کی وفات پر دنیا بھر کے علمائے اسلام نے رنج وغم کا اظہار فرمایا ہے اور ان کی خدمات دینی کو سراہا ہے۔

مرحوم اپنا مخصوص عقیدہ رکھنے کے باوجود ایک صلح کل انسان تھے اور حق بات کہنے میں ذرا بھی نہ جھجکتے تھے۔ ان کی تصنیف خلافت وملوکیت ہمیشہ یادگار رہے گی جس میں انہوں نے خلفائے ثلثہ اور معاویہ پر زبردست تنقید کی ہے۔ مرحوم نے مہاجر ہونے کے باوجود تھوڑے عرصہ میں صف علماء میں بہت اُونچا مقام حاصل کر لیا اور جماعت اسلامی کو عروج تک پہنچایا۔ انہوں نے جداگانہ شیعہ دینیات کے اجراء کی حمایت کی اور بعض دیگر شیعہ سنی مسائل میں حق گوئی سے کام لیتے تھے اور اختلافی مسائل میں کبھی نہیں الجھتے تھے۔ مرحوم اور ان کی جماعت نے ایران کے حالیہ انقلاب کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اپنی جماعت کا وفد ایران بھیجا جس نے آیت اللہ خمینی کو مبارک بادی کا پیغام دیا۔ ان کے جنازے میں مولانا سیّد مرتضیٰ حسین کی قیادت میں ایک شیعہ وفد نے شرکت کی۔

خمینی کا تعزیت نامہ

اسی اداریہ میں ''آیت اللہ خمینی'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:۔ آیت اللہ خمینی نے اپنے پیغام میں کہا ہے کہ سیّد مودودی صرف پاکستان میں ہی نہیں۔ پورے عالم اسلام کے قائد تھے۔ ان کے اسلامی فکر نے اسلامی دنیا میں اسلامی انقلاب کی تحریک بپا کر دی۔ ان کی ان کوششوں کے نتیجہ میں ان شاء اللہ دنیا بھر میں اسی طرح اسلامی انقلاب برپا ہو کر رہے گا جس طرح ایران میں اسلام کو غلبہ نصیب ہوا ہے۔ ان کا انتقال دنیائے اسلام کا عظیم نقصان ہے۔ ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی بہت ضرورت ہے۔ خمینی کے علاوہ اس اداریہ میں آیت اللہ شریعت مدار، ڈاکٹر ابراہیم یزدی، وزیر اعظم مہدی بازرگان وغیرہ ایرانی زعماء کے پیغامات تعزیت نقل کیے گئے ہیں اور ان سب نے مودودی صاحب کو عالم اسلام کی ایک مقتدر شخصیت قرار دیا ہے۔

فرمایئے:۔ وہ خمینی صاحب جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مخالف قرآن واسلام قرار دیتے ہیں وہ مودودی صاحب کو عالم اسلام کا قائد تسلیم کر رہے ہیں اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی تاکید کرتے ہیں کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ خمینی مودودی دونوں ایک ہی خاص مشن کے علمبردار ہیں۔ اور دونوں اپنے اپنے دائرے میں اپنے اپنے طریق کار کے مطابق (جس کی وجہ سے مسلمانان اہل السنّت والجماعت بھی

مطمئن رہیں) اصل مشن کو کامیاب کرنے میں پوری جدوجہد کرنے والے ہیں۔

پاکستان میں خمینی انقلاب لانے کی دعوت (اسعد گیلانی)

۱۴ مارچ بروز جمعہ امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن چکوال نے ایرانی انقلاب کی سالگرہ کے سلسلے میں جناح ہال میں ایک تقریب کا اہتمام کیا تھا جس میں اسلامی جمیعت طلبہ چکوال خصوصی طور پر مدعو تھی۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی آغا اکبر ڈائریکٹر خانہ فرہنگ ایران تھے۔ ان تقریب میں جماعت اسلامی کے دو رہنما اسعد گیلانی ایم این اے (لاہور) اور مولوی عبدالحق بلوچ ایم این اے (بلوچستان) بھی مدعو تھے۔ اسعد گیلانی نے اپنی تقریر میں سامعین سے اپیل کی کہ: آیئے ہم سب مل جل کر پاکستان میں بھی امام خمینی کے انقلاب کی طرز پر تبدیلی لانے کے لئے کوششیں تیز تر کردیں۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت دنیائے اسلام میں خمینی کے انقلاب کی پیروی کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ مولانا نے امام خمینی کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ امام موصوف نے امام خمینی کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ امام موصوف تمام عالم اسلام میں منفرد اسلامی شخصیت ہیں۔ جماعت اسلامی کے رہنماء نے شیعہ حضرات سے بالخصوص کہا کہ وہ جماعت کو اپنا رفیق سمجھیں۔ جماعت اسلامی اس ملک میں انقلاب لانے کے لئے چالیس سال سے کوشاں ہے۔

تقریب میں آرگنائزیشن کے مقامی صدر سید وراثت حسین شاہ اور امیر جماعت اسلامی ضلع چکوال ڈاکٹر محمد نواز نے بھی اظہار خیال کیا۔ (نوائے وقت راولپنڈی تیسرا ایڈیشن ۱۶ مارچ ۱۹۸۶ء) مودودی صاحب کو تمام عالم اسلام کا قائد قرار دینا اور پھر جماعت اسلامی لاہور کے امیر اسعد گیلانی کی طرف سے پاکستان میں خمینی انقلاب لانے کی کھلی دعوت دینا، مودودی شیعہ متحدہ مشن اور ان کے مذموم عزائم کو سمجھنے کے لئے واضح نشانات ہیں جس کے بعد اس حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا کہ مودودی جماعت پاکستان میں جس اسلام اور شریعت کی بالادستی چاہتی ہے وہ خمینی اسلام اور شریعت ہے جس کا حضور خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے دین اور قرآن کے موعودہ چار خلفائے راشدین امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کے قائم کردہ نظام خلافت راشدہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ خمینی اور مودودی کا مجوزہ شرعی نظام

خلافت راشدہ کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعوں نے امت کے اجماعی کلمہء اسلام لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰہ میں علی ولی اللّٰہ وصّی رسول اللّٰہ و خَلِیْفَتُہٗ بلافصل کا اضافہ کرلیا ہے۔ اسی طرح اذان میں توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اشہد انَّ علیاً ولی اللّٰہ وصّی رسول و خلیفۃ بلا فصل کا اضافہ بھی من گھڑت ہے اور ایران میں یہ کلمہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علی ولی اللّٰہ خمینی حجۃ اللّٰہ۔ (بحوالہ ماہنامہ وحدت اسلامی تہران سالنامہ ۱۹۷۴ء)

بھٹو دور حکومت میں شیعوں نے پاکستان کے سرکاری نصاب میں بھی اپنا کلمہ خلیفتہ بلا فصل والا منظور کرالیا تھا۔ ہر شیعہ اپنے عقیدہ امامت کی بنا پر ہر سنی مسلمان کو غیر مومن اور منافق سمجھتا ہے۔ حتیٰ کہ پاکستان کے شیعہ مصنفین نے اپنی کتابوں میں صراحتاً خلفائے ثلثہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو غیر مومن اور منافق لکھا ہے۔ چنانچہ ان کے کچھ اقتباسات میرے کتابچہ ''پاکستان میں جماعت اسلامی شیعہ انقلاب چاہتی ہے'' میں بھی منقول ہیں۔ اثنا عشری شیعوں اور بالخصوص ان کے نائب امام خمینی کے اصولی عقائد و عزائم ظاہر ہونے کے باوجود بھی جب مودودی جماعت اسلامی ایران کے خمینی کو اسلامی انقلاب کا بانی اور عالم اسلام کا امام تسلیم کرتی ہے تو اس کے بعد مودودی جماعت کے عقیدہ، مشن، دعوتِ انقلاب اسلامی کی حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ ان کا قبلہ اسلام کہاں ہے اور وہ کس اسلام کا غلبہ چاہتے ہیں۔

''مودودی جماعت اکابر علمائے دیوبند کی نظر میں''

ابھی مودودی جماعت اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی۔ نہ اس وقت ''خلافت وملوکیت'' شائع ہوئی تھی۔ نہ تفسیر تفہیم القرآن۔ نہ اتنی تنظیم تھی نہ فنڈ لیکن اسلام کے نام پر اس خطرناک فتنہ کی نشاندہی سالہا سال پہلے بعض اکابر اہلِ سنت نے اپنی خداداد بصیرت کی بنا پر کردی تھی۔ اور اس وقت کے بعض علماء جو مودودی صاحب کے مضامین و مقالات سے متاثر ہوکر ان کی تحریک کے حامی بن گئے تھے ان اکابر کی بروقت تنبیہ کی وجہ سے وہ اس فتنہ سے محفوظ ہوگئے۔

جماعت اسلامی سب جماعتوں سے خطرناک ہے (حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند قدس سرہ نے فرمایا:۔ اسلام کے نام پر بہت سی جماعتیں وجود میں آئیں لیکن یہ جماعت جو جماعت اسلامی کے نام سے ہے ان تمام جماعتوں سے بہت زیادہ خطرناک ہے (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۵۹)۔

(۲) فرمایا۔ حدیث میں جو اُمت کے تہتر فرقوں کی خبر آئی ہے اور صرف ایک فرقہ کو ناجی اور دوسرے تمام فرقوں کو غیر ناجی فرمایا گیا ہے۔ میں دلائل و براہین کی روشنی میں پورے شرح صدر سے کہتا ہوں کہ یہ جماعت اسلامی بھی ان ہی غیر ناجی فرقوں میں سے ہے (ایضاً ص ۱۵۹)

(۳) مودودی صاحب کا کتاب وسنت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے وہ نہ کتاب کو کتاب مانتے ہیں اور نہ وہ سنت کو سنت مانتے ہیں بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اس پر لوگوں کو چلا کر دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔
(مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت۔ص ۷۳ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ ہرنولی ضلع میانوالی)

اسلامی قانون کے لئے بھی مودودی جماعت سے تعاون جائز نہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے جماعت اسلامی کے بارے میں پوچھا گیا کہ:۔ آیا اس جماعت کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہئے، تعاون کرنا اور اس کی شاخیں بڑھانی چاہئیں کہ نہیں۔ اس جماعت میں شامل ہونے کا سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر اسلام کے لئے بہت کوشش کر رہی ہے خصوصاً قانون اسلامی کے لئے تو اس کے جواب میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب محررہ ۱۹ رمضان ۱۳۷۳ھ میں ارشاد فرمایا کہ:۔ اس کے ساتھ مل کر کام کرنا اور تعاون کرنا درست نہیں ہے۔ اس جماعت کی کوششیں اس اسلام کے لئے نہیں جو کہ حقیقی بلکہ ایک نام نہاد مودودی صاحب کے اختراعی اور نئے اسلام کے لئے ہیں یہ لوگ عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور اپنا ہمدم بنانے کے لئے اسلام اور دین کا نام لیتے ہیں۔ ناواقف لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اصلی مسلمان اور دیندار ہیں۔ ان کے رسالوں اور کتابوں میں دینی پیرایہ میں وہ بددینی اور الحاد کی باتیں مندرج ہیں۔ جن کو ظاہر بین اور

ناواقف انسان سمجھ نہیں سکتا۔ اور بالآخر اس اسلام سے جس کو جناب رسول اللہ ﷺ لائے تھے اور اُمت محمدیہ جس پر ساڑھے تیرہ سو برس سے عمل پیرا ہے بالکل علیحدہ اور بیزار ہو جاتا ہے۔ (مودودی صاحب اور ان کی جماعت ص ۲،۳)

حضرت مدنی قدس سرّہ کے یہ ارشادات الہامی ہیں جن کی صداقت آج ایرانی خمینی انقلاب کے ساتھ مودودی جماعت کے مکمل تعاون واتحاد کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہے۔ ورنہ اس وقت پاکستان میں خمینی کی شخصیت متعارف نہ تھی۔ سچ ہے ۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

شیخ التفسیر مخدوم العلماء حضرت مولانا احمد علی صاحب قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے مودودی فتنہ کے پیش نظر ایک کتاب ۱۹۵۵ء میں شائع کی تھی جس کا نام ہے:

''حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب'' اس کے ص ۴ پر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔ برادران اسلام مودودی تحریک کو بنظر غور دیکھا جائے تو ان کی کتابوں سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب ایک نیا اسلام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور نعوذ باللہ من ذالک نیا اسلام لوگ تب ہی قبول کریں گے جب پرانے اسلام کی در و دیوار منہدم کر کے دکھا دیئے جائیں اور مسلمانوں کو اس امر کا یقین دلا دیا جائے کہ ساڑھے تیرہ سو سال کا اسلام جو تم لئے پھرتے ہو وہ ناقابل قبول، ناقابل روایت اور ناقابل عمل ہو گیا ہے اس لئے اس نئے اسلام کو مانو اور اسی پر عمل کرو۔ جو مودودی صاحب پیش فرما رہے ہیں۔ الخ

(۲) ص ۵ پر حضرت لاہوری لکھتے ہیں:۔ مودودی صاحب محمدی ﷺ اسلام کا ایک ایک ستون گرا رہے ہیں۔ اس کتاب پر امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری، حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، مناظر اسلام مولانا لعل حسین صاحب اختر اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) وغیرہ ۵۴ علمائے کرام کی تصدیقات مندرج ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

قدوۃ الصلحاء حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپوری ثم المدنی قدس سرہ نے ایک استفسار کے جواب میں اپنے گرامی نامہ محررہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ میں تحریر فرمایا: بعد سلام مسنون گرامی نامہ پہنچا جس میں اس نا کارہ کا خیال مودودی جماعت اور اس کے لٹریچر کے متعلق دریافت فرمایا گیا ہے اس سے تعجب ہوا۔ اس نا کارہ کا اختلاف تو ہندو پاکستان میں اظہر من الشمس ہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۵۱ء میں جو اکابر علمائے جمعیت اور اکابر علمائے دیوبند و مظاہر العلوم (سہارنپور) کا متفقہ فیصلہ شائع ہوا تھا۔ اس پر ہمارے بھی دستخط ہیں۔ اور وہ مضمون یہ ہے۔

بہر حال یہ نا کارہ اس جماعت میں شرکت یا ان کے لٹریچر کے پڑھنے کو مسلمانوں کے لئے انتہائی مُضر سمجھتا ہے (بحوالہ مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں) علاوہ ازیں شیخ الحدیث حضرت سہارنپوری ثم مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ''فتنہ مودودیت'' بھی شائع ہو چکی ہے جس میں مودودیت کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا پس منظر یہ ہے کہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ایک مدرس مولانا محمد زکریا قدوسی مودودیت سے متاثر ہو گئے تھے اور ان کے اجلاسوں میں حاضر ہوتے تھے شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی قدس سرّہ اور دوسرے بزرگوں کے مشورہ سے یہ تجویز ہوا کہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپوری قدوسی صاحب سے تحریری بحث کریں۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث نے خط و کتابت کے ذریعہ قدوسی صاحب کو مودودی جماعت کے باطل ہونے کی طرف توجہ دلائی لیکن وہ مودودی جماعت کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے جس کے بعد ان کو مدرسہ سے فارغ کر دیا گیا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے وہی خط و کتابت ''فتنہ مودودیت'' کی صورت میں شائع کی ہے۔ جس کا مطالعہ مودودی فتنہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے بہت مفید ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ناصحانہ مکتوب

مودودیت کے سلسلہ ہی میں ایک استفسار کے جواب میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین صاحب مدنی قدس سرہ اپنے نامی گرامہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر آپ نے یہی اصول رکھا کہ ہزار بارہ سو برس کے بعد آنے والے ایک نیم تعلیم یافتہ کی جو کچھ رائے

ہو وہ پرانے کامل التعلیم اور معتبر علماء کی رائے اور روایات سے اونچی شمار کی جائے تو پھر تمام دین کو ہی سلام کرنا پڑے گا اس دور فسق اور غلبہ ہو وہوس وعجب وتکبر خود پسندی اور خود ارائی میں نہ صرف ادھورے علم والے بلکہ بڑی بڑی سندوں والے بھی ایسے ملیں گے کہ اپنی خواہشات نفسانی کے لئے تمام متقدمین کے دفتروں کو اساطیر الاوّلین اور بکواس کہہ کر ٹھکرا دیں گے اور اپنے غلط سے غلط افکار کو سب سے اونچا بتلا کر لوگوں کو اس طرف بلائیں گے۔ گزشتہ معتمدین اہلِ تقویٰ اور اہل علم کی تحمیق اور تجھیل کریں گے اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ مفکر سب سے زیاد محقق بتائیں گے۔

(۱۵ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ، مکتوبات شیخ الاسلام جلد چہارم ۱۷۲)

علمائے حق کہاں ہیں؟

مودودی جماعت کے متعلق حضرات اکابر علمائے دیوبند کے ارشادات واضح ہیں۔ مودودی فتنہ کے بارے میں وہ کوئی لچک نہیں رکھتے۔ خمینی مودودی اتحاد کے بعد تو کسی اہل علم وفہم کے لئے اسلام کے نام پر مودودی جماعت کے متعلق کسی حسن ظن کی گنجائش نہیں رہتی۔ علمائے اہل السنّت والجماعت سے عموماً اور سُنی دیوبندی علمائے اسلام سے خصوصاً گذارش ہے کہ وہ مودودی جماعت سے کسی قسم کا اشتراک وتعاون اختیار نہ کریں۔ اور اس اشتراک کو اھون البلیتین کے پیش نظر بھی قبول نہ کریں کیونکہ مودودی جماعت اھون نہیں بلکہ اشد البلیتین ہے۔ اس پُرفتن دور میں جبکہ اسلام کے نام پر باطل قوتیں اہل حق کو للکار رہی ہیں۔ عوام اہل السنّت والجماعت یہ پوچھتے ہیں کہ وہ علمائے حق کہاں ہیں جو ہر محاذ پر باطل قوتوں کا مقابلہ کر کے امّت مسلمہ کا تحفظ کیا کرتے تھے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ
خطیب مدنی جامع مسجد چکوال
وامیر تحریک خدام اہل السنّت پاکستان
۲۳ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ۔ ۳۱ جولائی ۱۹۸۶ء

مناجات بحضور قاضی الحاجات جل شانہ

از قلم فیض رقم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان

(تحریر قیام مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ ۱۴۰۱ھ)

در پہ تیرے اِک گدا — بے سہارا بے نوا
تجھ کو ہمیشہ ہے بقا — فانی ہیں سب تیرے سوا
رحم کی ہو نظر خدا — سب کا تو ہی مشکل کشا
قلب و نظر کو دے شفاء — باطن ہو میرا پُر ضیاء
میری یہی ہے التجا — اپنا بنالے اے خدا
ظل ہو تیری صفات کا — جلوہ ہو تیری ذات کا
حُبِ رسول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم — دل میں مرے رہے سدا
تو جلوہ نمائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم — ذات ہے تیری کبریا
فضل سے اپنے کر عطا — جلوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاک کا
جلوہ ہو یار رضی اللہ عنہ غار کا — ثانی جو ہے مزار کا
جلوہ عمر رضی اللہ عنہ کا بھی دکھا — مظہر ہے جو جلال کا
عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ پُر حیا — چوتھے علی ہیں مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
چاروں خلیفہ بالھُدیٰ — وعدہ یہ ہے قرآن کا
سارے صحابہ رضی اللہ عنہم باوفا — سب ہیں نجوم اھتداء
سُنی کو پیرو تو بنا — سب کو ملے تیری رضا
مظہر ہے کرتا یہ دُعا — ہم کو ملے تیری رضا

خطیب
جامع مسجد میاں برکت علی مدینہ بازار اچھرہ لاہور
0300-4273864, 0321-4145643